بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصحیح و اضافہ شدہ

بکھرے موتی

جلد یازدہم

انتخاب و ترتیب

حضرت مولانا محمد یونس صاحب پالن پوری مدظلہ العالی

خلف الرشید

مبلغ اعظم حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ شیخ سعید احمد خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

قاسم سینٹر، دوکان نمبر ۳۳، اردو بازار فون ۲۲۱۳۰۵۸۰

کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصحیح و اضافہ شدہ

بکھرے موتی

جلد یازدہم

انتخاب و ترتیب

حضرت مولانا محمد یونس صاحب پالن پوری مدظلہ العالی

خلف الرشید

مبلغ اعظم حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ

تصحیح و نظر ثانی

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری مدظلہ العالی
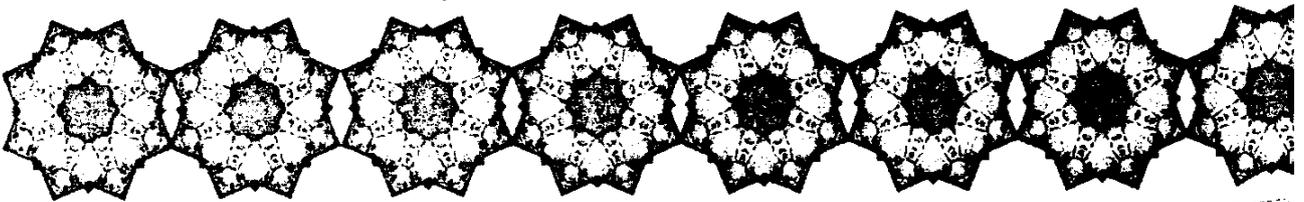
مکتبہ شیخ سعید احمد خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
قاسم سینٹر، دوکان نمبر ۳۳ اردو بازار فون ۳۲۲۱۳۰۵۸ کراچی

نام کتاب ---------- بکھرے موتی جلد یازدہم

تالیف ---------- مولانا محمد یونس صاحب پالن پوری مدظلہ العالی

اشاعت اوّل ---------- ذوالحجہ ۱۴۳۴ھ

اسٹاکسٹ

کتب خانہ اشرفیہ قاسم سینٹر، دوکان نمبر ۳۳، اردو بازار کراچی

فون: ۳۲۲۱۳۰۵۸

استدعا: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشر ہونے کے ناطے اگر سہواً کوئی غلطی رہ گئی ہو تو مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ازالہ کیا جائے گا۔ جزاک اللہ خیراً کثیراً

منجانب: احباب کتب خانہ اشرفیہ کراچی

دیگر ملنے کے پتے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بکھرے موتی (جلد یازدھم)

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بکھرے موتی (جلد یازدھم)

① بڑی عظمت والی آیت

یہ آیت آیت الکرسی ہے جو بڑی عظمت والی آیت ہے۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ میں سب سے زیادہ عظمت والی آیت کون سی ہے؟ آپ جواب دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اس کا سب سے زیادہ علم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر یہی سوال کرتے ہیں، بار بار کے سوالات پر جواب دیتے ہیں کہ آیت الکرسی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ابوالمنذر! خدا تعالیٰ تجھے تیرا علم مبارک کرے، اس خدا تعالیٰ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کی زبان ہوگی اور ہونٹ ہوں گے اور یہ بادشاہِ حقیقی کی تقدیس بیان کرے گی اور عرش کے پایے سے لگی ہوئی ہوگی (مسند احمد)۔ صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے لیکن یہ آخری قسمیہ جملہ اس میں نہیں ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد اوّل صفحہ ۳۴۸)

② سوال، حضرت میرے روپے گھر میں رکھے رکھے کم ہو جاتے ہیں

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے ہاں کھجور کی ایک بوری تھی، میں نے دیکھا کہ اس میں سے کھجوریں روز بروز گھٹ رہی ہیں، ایک رات میں جاگتا رہا اور اس کی نگہبانی کرتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ ایک جانور مثل جوان لڑکے کے آیا۔ میں نے اسے سلام کیا، اس نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا تو انسان ہے یا جنّ؟ اس نے کہا میں جن ہوں۔ میں نے کہا ذرا اپنا ہاتھ تو دے۔ اس نے ہاتھ بڑھا دیا، میں نے اپنے ہاتھ میں لیا تو کتّے جیسا ہاتھ تھا اور اس پر کتّے جیسے ہی بال بھی تھے۔ میں نے کہا کیا جنوں کی پیدائش ایسی ہے؟ اس نے کہا تمام جنات میں سب سے زیادہ قوت والا میں ہی ہوں۔ میں نے کہا بھلا تو میری چیز چرانے پر کیسے دلیر ہو گیا؟ اس نے کہا مجھے معلوم ہے کہ تو صدقے کو پسند کرتا ہے، میں نے کہا پھر ہم کیوں محروم رہیں؟ میں نے کہا تمہارے شر سے بچانے والی کون سی چیز

ہے؟ اس نے کہا آیت الکرسی۔ صبح کو جب میں سرکارِ محمدی ﷺ میں حاضر ہوا تو میں نے رات کا سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا خبیث نے یہ بات تو بالکل سچ کہی (ابویعلی)

نوٹ: آپ بھی گھر کے کونوں میں آیۃ الکرسی پڑھ کر دم کیجئے۔ عبدالرحمٰن بن عوف کا بھی یہی معمول تھا۔

(تفسیر ابن کثیر جلد اوّل صفحہ ۳۴۸)

③ تہجد میں اُٹھیے اور یہ دعا پڑھیے

بخاری و مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ رات کو جب تہجد کے لئے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِيْلَ وَمِيكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ یعنی اے اللہ! اے جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل کے خدا! اے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے خدا! اے چھپے کھلے کے جاننے والے خدا! تو ہی اپنے بندوں کے آپس کے اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے۔ میری دعا ہے کہ جس جس چیز میں یہ اختلاف کریں تو مجھے اس میں حق بات سجھا، تو جسے چاہے راہِ راست دکھلا دیتا ہے۔ حضور ﷺ سے ایک دعا یہ بھی منقول ہے اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ وَلَا تَجْعَلْهُ مُلْتَبِسًا عَلَيْنَا فَنَضِلَّ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا اے اللہ! ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی تابعداری نصیب فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچا ایسا نہ ہو کہ حق و باطل ہم پر خلط ملط ہو جائے اور ہم بہک جائیں۔ خدایا! ہمیں نیکوکار و پرہیزلوگوں کا امام بنا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اوّل صفحہ ۲۹۱)

④ اگر آپ کے دل میں خیر ہوگی تو اللہ تعالیٰ آپ کو خیر دے گا

(مندرجہ ذیل حدیث صحیح بخاری میں سات جگہ آئی ہے۔)

مسند میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''بنی اسرائیل میں ایک شخص نے دوسرے شخص سے ایک ہزار دینار اُدھار مانگے۔ اُس نے کہا: گواہ لاؤ۔ جواب دیا کہ خدا تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔ کہا: ضمانت لاؤ۔ جواب دیا کہ خدا کی ضمانت کافی ہے۔ کہا: تو نے سچ کہا۔ ادائیگی کی میعاد مقرر ہوگئی اور اس نے ایک ہزار دینار گن دیئے۔ اس نے خشکی یا سمندر کا سفر کیا اور اپنے کام سے فارغ ہوا، جب میعاد پوری ہونے کو آئی تو یہ سمندر کے قریب آیا کہ کوئی جہاز کشتی ملے تو اُس میں بیٹھ کر جاؤں اور رقم ادا کر آؤں لیکن کوئی جہاز نہ ملا۔ جب دیکھا کہ وقت پر نہیں پہنچ سکتا تو اس نے ایک لکڑی لی اور بیچ میں سے کھوکھلی کر لی اور اس میں ایک ہزار دینار رکھ دیے اور ایک پرچہ بھی رکھ دیا۔ پھر منہ بند کر دیا اور خدا تعالیٰ سے دعا کی ''اے پروردگار! تجھے خوب علم ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار قرض لئے اُس نے مجھ سے ضمانت طلب کی

میں نے تجھے ضامن بنایا اور اس پر وہ خوش ہو گیا۔ گواہ مانگا میں نے گواہ بھی تجھی کو رکھا۔ وہ اس پر بھی خوش ہو گیا، اب جب کہ وقت مقررہ ختم ہونے کو آیا تو ہر چند کشتی تلاش کی کہ جاؤں اور اپنا قرض ادا کر آؤں لیکن کوئی کشتی نہیں ملی۔ اب میں اس رقم کو تجھے سونپتا ہوں اور سمندر میں ڈال دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ یہ رقم اُسے پہنچا دے۔'' پھر اس لکڑی کو سمندر میں ڈال دیا اور خود چلا گیا لیکن پھر بھی کشتی کی تلاش میں رہا کہ مل جائے تو جاؤں۔ یہاں تو یہ ہوا۔ وہاں جس شخص نے قرض دیا تھا جب اس نے دیکھا کہ وقت پورا ہوا اور آج اُسے آجانا چاہئے تو وہ بھی دریا کے کنارے آ کھڑا ہوا کہ وہ آئے گا اور میری رقم مجھے دے گا یا کسی کے ہاتھ بھجوائے گا۔ مگر جب شام ہونے کو آئی اور کوئی کشتی اس طرف سے نہیں آئی تو یہ واپس لوٹا۔ کنارے پر ایک لکڑی دیکھی تو یہ سمجھ کر کہ خالی تو جا ہی رہا ہوں، آؤ اس لکڑی کو لے چلوں۔ پھاڑ کر سکھالوں گا، جلانے کے کام آئے گی، گھر پہنچ کر جب اسے چیرتا ہے تو کھنا کھن بجتی ہوئی اشرفیاں نکلتی ہیں، گنتا ہے تو پوری ایک ہزار ہیں، وہیں پرچے پر نظر پڑتی ہے، اُسے بھی اُٹھا کر پڑھ لیتا ہے۔ پھر ایک دن وہی شخص آتا ہے اور ایک ہزار پیش کر کے کہتا ہے کہ یہ لیجئے آپ کی رقم، معاف کیجئے گا، میں نے ہر چند کوشش کی کہ وعدہ خلافی نہ ہو گی لیکن کشتی کے نہ ملنے کی وجہ سے مجبور ہو گیا اور دیر لگ گئی۔ آج کشتی ملی تو آپ کی رقم لے کر حاضر ہوا۔ اس نے پوچھا کہ کیا میری رقم آپ نے بھجوائی بھی ہے؟ اس نے کہا میں تو کہہ چکا کہ مجھے کشتی نہ ملی۔ اس نے کہا اپنی رقم واپس لے کر خوش ہو کر چلے جاؤ۔ آپ نے جو رقم لکڑی میں ڈال کر اُسے توکلاً علی اللہ دریا میں ڈال دیا تھا اُسے خدا تعالیٰ نے مجھ تک پہنچا دیا اور میں نے اپنی رقم وصول کر لی''۔ اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اوّل صفحہ ۳۷۷)

⑤ عجیب وغریب تین صدقے قبول ہو گئے

صحیحین کی حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے قصد کیا کہ آج رات میں صدقہ دوں گا۔ لے کر نکلا اور چپکے سے ایک عورت کو دے کر چلا آیا۔ صبح لوگوں میں یہ باتیں ہونے لگیں کہ آج رات کو کوئی شخص ایک بدکار عورت کو خیرات دے گیا۔ اس نے بھی سنا اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ پھر اپنے جی میں کہا آج رات پھر صدقہ دوں گا۔ لے کر چلا اور ایک شخص کی مٹھی میں رکھ کر چلا آیا۔ صبح لوگوں میں چرچا ہو رہا ہے کہ آج رات ایک مالدار کو کوئی صدقہ دے گیا۔ اس نے پھر خدا تعالیٰ کی حمد کی اور ارادہ کیا کہ آج رات کو تیسرا صدقہ دوں گا، دے آیا۔ دن کو پھر معلوم ہوا کہ وہ چور تھا۔ تو کہنے لگا خدایا! تیری تعریف ہے، زانیہ عورت کو دیے جانے پر بھی۔ مالدار شخص کو دیے جانے پر بھی اور چور کو دیے جانے پر بھی۔ خواب دیکھتا ہے کہ فرشتہ آیا اور کہہ رہا ہے کہ تیرے تینوں صدقے قبول ہو گئے۔ شاید بدکار عورت مال پا کر اپنی حرام کاری سے رک جائے اور شاید مالدار کو عبرت حاصل ہو اور وہ بھی صدقے کی عادت ڈال لے اور شاید چور مال پا کر چوری سے باز رہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اوّل صفحہ ۳۶۷)

⑥ آپ کا گذشتہ غم جب بھی یاد آجائے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ لیجئے

مسند احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی مسلمان کو کوئی رنج ومصیبت پہنچے اس پر گو زیادہ وقت گزر جائے پھر اُسے یاد آئے اور وہ اِنَّا لِلّٰہِ پڑھے تو مصیبت کے صبر کے وقت جو اجر ملا تھا وہی اب بھی ملے گا۔

ابن ماجہ میں ہے حضرت ابوسنان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے ایک بچے کو دفن کیا۔ ابھی میں اس کی قبر میں سے نکلا تھا کہ ابوطلحہ خولانی رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے نکالا اور کہا سنو! میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک الموت سے دریافت فرماتا ہے کہ تو نے میرے بندے کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اس کے کلیجے کا ٹکڑا چھین لیا، بتلا: تو اس نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں خدایا: تیری تعریف کی اور اِنَّا لِلّٰہِ پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اوّل صفحہ ۲۲۹)

⑦ سب سے بڑا ایمان والا کون ہے؟

حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے پوچھا: تمہارے نزدیک سب سے بڑا ایمان والا کون ہے؟ انہوں نے کہا فرشتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھلا وہ ایمان کیوں نہ لاتے؟ انہیں تو وحی خدا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا پھر ہم۔ فرمایا تم ایمان کیوں نہ لاتے تم میں تو میں خود موجود ہوں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا پھر حضور خود ہی ارشاد فرمائیں۔ فرمایا کہ تمام لوگوں سے زیادہ عجیب ایمان والے وہ ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے۔ وہ کتابوں میں لکھا پائیں گے اور اس پر ایمان لائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اوّل صفحہ ۴۳۹)

⑧ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم! اگر غصے کے وقت تو مجھے یاد رکھے گا تو میں بھی اپنے غصے کے وقت تجھے یاد رکھوں گا

بعض روایتوں میں ہے: اے ابن آدم! اگر غصے کے وقت تو مجھے یاد رکھے گا یعنی میرا حکم مان کر غصہ پی جائے گا تو میں بھی اپنے غصہ کے وقت تجھے یاد رکھوں گا یعنی ہلاکت کے وقت تجھے ہلاکت سے بچالوں گا (ابن ابی حاتم) اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جو شخص اپنا غصہ روک لے اللہ تعالیٰ اُس پر سے اپنا عذاب ہٹالیتا ہے اور جو شخص اپنی زبان (خلاف شرع باتوں سے) روک لے

اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرلے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف معذرت لے جائے اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول فرماتا ہے اور حدیث شریف میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: پہلوان وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑے بلکہ حقیقتاً پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے (احمد)۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: تم میں سے کوئی ایسا ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو؟ لوگوں نے کہا حضور! کوئی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تو دیکھتا ہوں کہ تم اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال چاہتے ہو۔ اس لئے کہ تمہارا مال تو درحقیقت وہ ہے جو تم راہ خدا میں اپنی زندگی میں خرچ کردو اور جو چھوڑ کر جاؤ وہ تمہارا مال نہیں بلکہ تمہارے وارثوں کا مال ہے۔ تو تمہارا خدا کی راہ میں کم خرچ کرنا اور جمع زیادہ کرنا، یہ دلیل ہے اس امر کی کہ تم اپنے مال سے اپنے وارثوں کے مال کو زیادہ عزیز رکھتے ہو۔ پھر پوچھا تم پہلوان کسے جانتے ہو؟ لوگوں نے کہا: حضور! اُسے جسے کوئی گرا نہ سکے۔ آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ حقیقتاً زوردار پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے جذبات پر قابو رکھے۔ پھر فرمایا: بے اولاد کسے کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا جس کی اولاد نہ ہو۔ فرمایا نہیں بلکہ فی الواقع بے اولاد وہ ہے جس کے سامنے اس کی کوئی اولاد مری نہ ہو۔ (مسلم)۔ ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو مفلس کنگال کون ہے؟ لوگوں نے کہا جس کے پاس مال نہ ہو۔ آپ نے فرمایا نہیں! بلکہ وہ جس نے اپنا مال اپنی زندگی میں راہِ خدا میں نہ دیا ہو (مسند احمد) حضرت حارثہ بن قدامہ سعدی رضی اللہ عنہ حاضرِ خدمت نبوی ہو کر عرض کرتے ہیں کہ حضور! مجھ سے کوئی نفع کی بات کہئے اور مختصر ہو تاکہ میں یاد بھی رکھ سکوں۔ آپ نے فرمایا: غصہ نہ کر۔ اُنھوں نے پھر پوچھا۔ آپ نے پھر یہی جواب دیا۔ کئی کئی مرتبہ یہی کہا سنا (مسند احمد) کسی شخص نے حضور ﷺ سے کہا مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا غصہ نہ کر۔ وہ کہتے ہیں: میں نے جو غور کیا تو معلوم ہوا کہ تمام برائیوں کا مرکز غصہ ہی ہے۔ (مسند احمد) ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا تو آپ بیٹھ گئے اور پھر لیٹ گئے۔ اُن سے پوچھا گیا یہ کیا؟ فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے ہیں: جسے غصہ آئے وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے۔ اگر اس سے بھی غصہ نہ جائے تو لیٹ جائے (مسند)۔ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ عروہ بن محمد کو غصہ چڑھا، آپ وضو کرنے بیٹھ گئے اور فرمانے لگے: میں نے اپنے استادوں سے یہ حدیث سنی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور آگ کو بجھانے والی چیز پانی ہے۔ پس تم غصے کے وقت وضو کرنے بیٹھ جاؤ۔ حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جو شخص کسی تنگدست کو مہلت دے یا اپنا قرض اسے معاف کردے، اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے آزاد کردیتا ہے۔ لوگو! سنو، جنت کے اعمال سخت اور مشکل ہیں اور جہنم کے کام آسان اور سہل ہیں،

نیک بخت وہی ہے جو فتنوں سے بچ جائے۔ کسی گھونٹ کا پینا خدا کو ایسا پسند نہیں جتنا غصے کے گھونٹ کا پی جانا، ایسے شخص کے دل میں ایمان رچ جاتا ہے (مسند احمد)۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: جو شخص اپنا غصہ اتارنے کی طاقت رکھتے ہوئے پھر بھی ضبط کر لے اللہ تعالیٰ اس کا دل امن وامان سے پر کر دیتا ہے۔ جو شخص باوجود موجود ہونے کے شہرت کے کپڑے کو تواضع کر کے چھوڑ دے، اُسے اللہ تعالیٰ کرامت اور عزّت کا حُلّہ قیامت کے دن پہنائے گا اور جو کسی کا عیب چھپائے اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن بادشاہت کا تاج پہنائے گا (ابوداؤد)۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: جو شخص باوجود قدرت کے اپنا غصہ ضبط کر لے اُسے اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے سامنے بلا کر اختیار دے گا کہ جس حور کو چاہے پسند کر لے (مسند احمد) (تفسیر ابن کثیر جلد اوّل صفحہ ۴۵۷)

⑨ حضور ﷺ کے انتقال کے بعد ہاتفِ غیبی نے ایک اعلان کیا

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے انتقال کے بعد ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ گویا کوئی آ رہا ہے۔ پاؤں کی چاپ سنائی دیتی تھی لیکن کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس نے آ کر کہا: اہل بیت تم پر سلام ہو اور خدا کی رحمت و برکت، ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔ تم سب کو تمہارے اعمال کا بدلہ پورا پورا قیامت کے دن دیا جائے گا۔ ہر مصیبت کی تلافی خدا تعالیٰ کے پاس ہے۔ ہر مرنے والے کا بدلہ ہے اور ہر فوت ہونے والے کا حاصل کر لینا ہے، اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھو۔ اسی سے بھلی اُمیدیں رکھو، سمجھ لو کہ سچ مچ مصیبت زدہ وہ شخص ہے جو ثواب سے محروم رہ جائے۔ تم پر خدا کی طرف سے سلامتی نازل ہو اور اس کی رحمتیں اور برکتیں (ابن حاتم)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خیال یہ ہے کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اوّل صفحہ ۴۸۸)

⑩ توبہ کے بارے میں عجیب وغریب حدیث

مسند احمد میں ہے کہ چار صحابی رضی اللہ عنہم جمع ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص اپنی موت سے ایک دن پہلے بھی توبہ کر لے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ دوسرے نے پوچھا: کیا سچ مچ تم نے حضور ﷺ سے اسے سنا ہے؟ اس نے کہا ہاں، تو دوسرے نے کہا: میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ اگر آدھا دن پہلے بھی توبہ کر لے تو بھی اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ تیسرے نے کہا تم نے یہ سنا ہے؟ کہا ہاں، میں نے خود سنا ہے۔ کہا: میں نے سنا ہے کہ اگر ایک پہر پہلے توبہ نصیب ہو جائے تو وہ بھی قبول ہوتی ہے۔ چوتھے نے کہا تم نے یہ سنا ہے؟ اس

نے کہا ہاں۔ کہا: میں نے تو حضور ﷺ سے یہاں تک سنا ہے کہ جب تک اُس کے نرخرے میں روح نہ آ جائے توبہ کے دروازے اس کے لئے بھی کھلے رہتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اوّل صفحہ ۵۲۳)

(۱۱) کسی شخص سے ہرگز یہ نہ کہنا کہ خدا تجھے نہیں بخشے گا

بحوالہ مسند احمد حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے ضمضم ابن جوش یمامی سے کہا کہ اے یمامی! کسی شخص سے ہرگز یہ نہ کہنا کہ خدا تجھے نہ بخشے گا یا تجھے جنت میں داخل نہ کرے گا۔ یمامی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: حضرت یہ بات، تو ہم لوگ اپنے بھائیوں اور دوستوں سے بھی غصے غصے میں کہہ جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا خبردار! ہرگز نہ کہنا، سنو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل میں دو شخص تھے۔ ایک تو عبادت میں بہت چست و چالاک اور دوسرا اپنی جان پر زیادتی کرنے والا (گناہ گار) اور دونوں میں دوستانہ اور بھائی چارہ تھا۔ عابد بسا اوقات اس دوسرے کو کسی نہ کسی گناہ میں دیکھتا رہتا اور کہتا رہتا تھا اے شخص! باز رہ۔ وہ جواب دیتا تو مجھے میرے رب پر چھوڑ دے، کیا تو مجھ پر نگہبان بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ایک مرتبہ عابد نے دیکھا کہ وہ پھر کسی گناہ کے کام کو کر رہا ہے جو گناہ اسے بہت بڑا معلوم ہوا تو کہا افسوس تجھ پر، باز آ۔ اس نے وہی جواب دیا۔ تو عابد نے کہا: خدا کی قسم خدا تجھے ہرگز نہ بخشے گا یا جنت نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس فرشتہ بھیجا جس نے اُن کی روحیں قبض کر لیں۔ جب یہ دونوں خدا کے یہاں جمع ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس گنہگار سے فرمایا۔ جا! میری رحمت کی بنا پر جنت میں داخل ہو جا، اور اس عابد سے فرمایا کیا تجھے حقیقی علم تھا؟ کیا تو میری چیز پر قادر تھا؟ اسے جہنم کی طرف لے جاؤ۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اس کی قسم جس کے ہاتھ میں ابوالقاسم کی جان ہے اس نے ایک کلمہ زبان سے ایسا نکال دیا جس نے اس کی دعا اور آخرت برباد کر دی۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اوّل صفحہ ۵۸۱)

(۱۲) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل کیوں بنایا

ابن ابی حاتم میں ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عادت تھی کہ مہمانوں کے ساتھ کھائیں۔ ایک دن آپ مہمان کی جستجو میں نکلے لیکن کوئی نہ ملا۔ واپس آئے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہوا ہے۔ فرمایا: اے اللہ کے بندے! تجھے گھر میں آنے کی اجازت کس نے دی؟ اس نے کہا اس مکان کے حقیقی مالک نے، پوچھا تم کون ہو؟ کہا میں ملک الموت ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ میں اسے یہ بشارت سنا دوں کہ خدا نے اُسے اپنا خلیل کر لیا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تو پھر مجھے ضرور بتائیے کہ وہ بزرگ کون ہیں؟ خدا کی قسم وہ زمین کے کسی گوشے میں ہوں، میں ضرور جا کر ان سے ملاقات کروں گا پھر اپنی باقی زندگی ان کے قدموں میں ہی

گزاروں گا۔ یہ سن کر حضرت ملک الموت نے کہا وہ شخص خود آپ ہیں۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا کہ کیا سچ مچ میں ہی ہوں؟ فرشتے نے کہا ہاں آپ ہی ہیں۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا کہ کیا آپ مجھے یہ بھی بتائیں گے کہ کس بنا پر کن امور پر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا؟ فرشتے نے فرمایا: اس لئے کہ تم ہر ایک کو دیتے رہتے ہو اور کسی سے خود کچھ طلب نہیں کرتے اور روایت میں ہے جب سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلیلِ خدا کے ممتاز اور مبارک لقب سے خدا نے ملقب کیا تب سے ان کے دل میں اس قدر خوفِ خدا اور ہیبت رب سما گئی کہ ان کے دل کا اُچھلنا دور سے اس طرح سنا جاتا تھا جس طرح فضا میں پرند کی آواز۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اوّل صفحہ ۶۴۴)

⑬ جنتی لوگ تین قسم کے ہیں اور جہنمی لوگ پانچ قسم کے ہیں

جنتی لوگ تین قسم کے ہیں: ❶ بادشاہ عادل توفیق خیر والا، صدقہ وخیرات کرنے والا اور ❷ رحم دل ہر قرابت دار مسلمان کے ساتھ نرم دِلی کرنے والا اور ❸ باوجود مفلس ہونے کے حرام سے بچنے والا حالانکہ صاحبِ عیال بھی ہے اور جہنمی لوگ پانچ قسم کے ہیں: ❶ وہ سفلے لوگ جو بے دین خوشامد خورے اور ماتحت ہیں جن کے آل اولاد دھن دولت نہیں اور ❷ وہ خائن لوگ جن کے دانت چھوٹی سے چھوٹی چیز پر بھی ہوتے ہیں اور حقیر چیزوں میں بھی خیانت سے نہیں چوکتے اور ❸ وہ لوگ جو صبح وشام لوگوں کو ان کے اہل و مال میں دھوکہ دیتے پھرتے ہیں، اور ❹ بخیل یا فرمایا کذّاب، اور ❺ نظیر یعنی بدگو۔ یہ حدیث مسلم اور نسائی میں بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اوّل صفحہ ۳۴۷)

⑭ قریش، یہود ونصاریٰ کے پاس گئے

طبرانی میں ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قریش یہودیوں کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) تمہارے پاس کیا کیا معجزات لے کر آئے تھے؟ انہوں نے کہا: اژدھا بن جانے والی لکڑی اور چمکیلا ہاتھ۔ پھر نصرانیوں کے پاس گئے اُن سے کہا تمہارے پاس (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کیا نشانیاں لائے تھے؟ جواب ملا کہ مادرزاد اندھوں کو بینا کر دینا اور کوڑھی کو اچھا کر دینا اور مردوں کو زندہ کر دینا۔ اب یہ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے ہمارے لئے صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی جس پر آیت اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ اُتری یعنی نشانِ قدرت دیکھنے والوں کے لئے اسی میں بڑی نشانیاں ہیں یہ اسی میں غور وفکر کریں گے تو ان قدرتوں والے خدا تعالیٰ کے سامنے جھک جائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اوّل صفحہ ۴۹۲)

⑮ پوشیدگی کا صدقہ خدا کے غضب کو بجھا دیتا ہے

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو ہلنے لگی، اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پیدا کر کے انہیں گاڑ دیا جس سے زمین کا ہلنا موقوف ہو گیا۔ فرشتوں کو پہاڑوں کی ایسی سنگین پیدائش پر تعجب ہوا۔ انہوں نے دریافت کیا کہ باری تعالیٰ کیا تیری مخلوق میں پہاڑ سے زیادہ سخت بھی کوئی ہے؟ فرمایا ہاں ''لوہا'' پھر اس سے سخت ''آگ'' اور اس سے سخت ''پانی'' اور اس سے سخت ''ہوا''۔ دریافت کیا اس سے بھی زیادہ سخت۔ فرمایا: ابن آدم جو اس طرح صدقہ کرتا ہے کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے خرچ کرنے کی خبر نہیں ہوتی۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اوّل صفحہ ۳۶۶)

⑯ تین خوش نصیب تین بدنصیب

❶ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: تین قسم کے لوگ ہیں جن سے نہ تو خدا تعالیٰ کلام کرے گا اور اُن کی طرف قیامت کے دن نظرِ رحمت سے دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر پوچھا: یہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہ! یہ تو بڑے گھاٹے اور نقصان میں پڑے۔ حضور ﷺ نے تین مرتبہ یہی فرمایا۔ پھر جواب دیا کہ ٹخنوں کے نیچے کپڑا لٹکانے والا، جھوٹی قسم سے اپنا سودا بیچنے والا، احسان جتانے والا۔ مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔

❷ مسند احمد میں ہے۔ ابو احمس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے ذکر کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث بیان فرماتے ہیں، تو فرمایا: سنو میں رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ تو بول نہیں سکتا جب کہ میں نے حضور ﷺ سے سن لیا ہو۔ تم کہو وہ حدیث کیا ہے؟ میں نے کہا یہ کہ تین قسم کے لوگوں کو خدا تعالیٰ دوست رکھتا ہے اور تین قسم کے لوگوں کو وہ دشمن رکھتا ہے۔ تو فرمانے لگے ہاں! یہ حدیث میں نے بیان بھی کی ہے اور میں نے حضور ﷺ سے سنی بھی ہے۔ میں نے پوچھا: کس کس کو دوست رکھتا ہے۔ فرمایا: ایک تو وہ جو مردانگی سے دشمنانِ خدا کے مقابلے میں میدانِ جہاد میں کھڑا ہو جائے یا تو اپنا سینا چھدوادے یا فتح کر کے لوٹے۔ دوسرا وہ شخص جو کسی قافلے کے ساتھ مسافری میں ہے، بہت رات گئے تک قافلہ چلتا رہا جب تھک کر چور ہو گئے تو اترے، سب تو پڑ سور ہے مگر یہ جاگتا رہا اور نماز میں مشغول رہا یہاں تک کہ کوچ کے وقت سب کو جگا دیا۔ تیسرا وہ شخص جس کی عادت ہو کہ جو اسے ایذا پہنچائے یہ اس پر صبر و سہار کرے یہاں تک کہ موت ان دونوں میں جدائی کرے یا سفر۔ میں نے کہا اور وہ تین کون ہیں جن سے خدا تعالیٰ ناخوش ہے؟ فرمایا: بہت قسمیں کھانے والا تاجر، تکبر کرنے والا فقیر اور وہ بخیل جس سے کبھی احسان ہو گیا تو جتانے بیٹھے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اوّل صفحہ ۴۲۵)

⑰ مؤمن، کافر اور منافق کی عجیب مثال

ابن ابی حاتم میں ہے: مومن، کافر اور منافق کی مثال ان تین شخصوں جیسی ہے جو ایک دریا پر گئے۔ ایک تو کنارے ہی کھڑا رہ گیا، دوسرا اتر کر پار ہو کر منزلِ مقصود کو پہنچ گیا، تیسرا اُترا چلا، جب بیچوں بیچ پہنچا تو ادھر والے نے پکارنا شروع کیا کہ کہاں ہلاک ہونے چلا، ادھر آ، واپس چلا آ۔ ادھر والے نے آواز دی کہ آجاؤ! نجات کے ساتھ منزل مقصود پر میری طرح پہنچ جاؤ، آدھا راستے طے کر چکے ہو۔ اب یہ حیران ہو کر کبھی ادھر دیکھتا ہے کبھی ادھر نظر ڈالتا ہے، تذبذب میں ہے کہ کدھر جاؤں، کدھر نہ جاؤں؟ جو ایک زبردست موج آئی اور بہا کر لے چلی، غوطے کھا کھا کر مر گیا۔ پس پار ہو جانے والا تو مسلمان ہے، کنارے کھڑا رہ جانے والا کافر ہے اور موج میں ڈوب مرنے والا منافق ہے اور حدیث میں ہے کہ منافق کی مثال اس بکری جیسی ہے جو ہرے بھرے ٹیلوں پر بکریوں کو دیکھ کر آئی اور سونگھ کر چل دی، پھر دوسرے ٹیلے پر چڑھی اور سونگھ کر آگئی۔ پھر فرمایا جسے خدا ہی راہِ حق سے پھیر دے اس کا ولی و مرشد کون؟ اس کے گمراہ کردہ کو راہ کون دکھا سکے؟ اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو ان کی بدترین بدعملی کے باعث راستی سے دھکیل دیا ہے۔ اب نہ کوئی انہیں راہِ راست پر لا سکے نہ چھٹکارا دلا سکے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کون کر سکتا ہے وہ سب پر حاکم ہے۔ اس پر کسی کی حکومت نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اوّل صفحہ ٦٥٥)

⑱ اپنے مجرم کو معاف کر دیجئے، آپ کے گناہ معاف

ایک قریشی نے ایک انصاری کو زور سے دھکا دے دیا جس سے اُس کے آگے کے دانت ٹوٹ گئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس مقدمہ گیا اور جب وہ بہت سر ہو گیا تو آپ نے فرمایا: اچھا جا تجھے اختیار ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ وہیں تھے فرمانے لگے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس مسلمان کے جسم کو کوئی ایذا پہنچائی جائے اور وہ صبر کر لے بدلہ نہ لے تو اللہ تعالیٰ اس کے درجے بڑھاتا ہے اور اس کی خطائیں معاف فرماتا ہے۔ اس انصاری نے یہ سن کر کہا، کیا سچ مچ آپ نے خود ہی اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں: میرے ان کانوں نے سنا ہے اور میرے دل نے یاد کیا ہے۔ اس نے کہا پھر گواہ رہو کہ میں نے اپنے مجرم کو معاف کر دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اسے انعام دیا۔ (ابن جریر)، ترمذی میں بھی یہ روایت ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد اوّل صفحہ ٧٦١)

⑲ جو شخص مسلمانوں کا غلہ گراں بھاؤ بیچنے کے لئے روک رکھے اللہ تعالیٰ اُسے مفلس کر دے گا یا جذامی

مسند احمد کی ایک اور روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد سے نکلے تو اناج

پھیلا ہوا دیکھا، پوچھا: یہ غلہ کہاں سے آیا؟ لوگوں نے کہا بکنے کے لئے آیا ہے۔ آپ نے دعا کی کہ خدایا! اس میں برکت دے۔ لوگوں نے کہا یہ غلہ گراں بھاؤ بیچنے کے لئے پہلے ہی سے جمع کر لیا تھا۔ پوچھا کس نے جمع کیا تھا؟ لوگوں نے کہا ایک تو فروخ نے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مولیٰ ہیں اور دوسرے آپ کے آزاد کردہ غلام نے۔ آپ نے دونوں کو بلوایا اور فرمایا تم نے ایسا کیوں کیا؟ جواب دیا کہ ہم اپنے مالوں سے خریدتے ہیں لہٰذا جب چاہیں بیچیں، ہمیں اختیار ہے۔ آپ نے فرمایا سنو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص مسلمانوں میں مہنگا بیچنے کے خیال سے غلہ روک رکھے اُسے خدا تعالیٰ مفلس کر دے گا یا جذامی۔ یہ سن کر حضرت فروخ تو فرمانے لگے کہ میری توبہ ہے میں خدا تعالیٰ سے پھر آپ سے عہد کرتا ہوں کہ پھر یہ کام نہ کروں گا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام نے پھر یہی کہا کہ ہم اپنے مال سے خریدتے ہیں اور نفع اٹھا کر بیچتے ہیں اس میں کیا حرج ہے۔ راویٔ حدیث حضرت ابویحییٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے پھر یہ دیکھا کہ اسے جذام ہو گیا اور جذامی بنا پھرتا تھا۔ ابن ماجہ میں ہے کہ جو شخص مسلمانوں کا غلہ گراں بھاؤ بیچنے کے لئے روک رکھے اللہ تعالیٰ اُسے مفلس کر دے گا یا جذامی۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اوّل صفحہ ۳۷۲)

⑳ مقروض کو مہلت دیجئے اور بہت بہت نیکیاں کمائیے

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جو شخص مفلس آدمی پر اپنا قرض وصول کرنے میں نرمی کرے اور اسے ڈھیل دے، اس کو جتنے دن وہ قرض کی رقم ادا نہ کر سکے اُتنے دنوں تک ہر دن اُتنی رقم خیرات کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر دن اس سے دگنی رقم کے صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔ یہ سن کر حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: حضور! پہلے تو آپ نے ہر دن اُس کے مثل ثواب ملنے کا فرمایا تھا آج دو مثل فرماتے ہیں۔ فرمایا ہاں جب میعاد ختم نہیں ہوئی تو مثل کا ثواب، میعاد گزرنے کے بعد دو مثل کا۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا قرض ایک شخص کے ذمہ تھا۔ یہ تقاضا کرنے کو آتے لیکن وہ چھپ رہتے اور نہ ملتے، ایک دن، گھر سے ایک بچہ نکلا، آپ نے اُس سے پوچھا، اس نے کہا: ہاں گھر میں موجود ہیں، کھانا کھا رہے ہیں۔ اب حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے اونچی آواز سے انہیں پکارا اور فرمایا: مجھے معلوم ہو گیا کہ تم گھر میں موجود ہو آؤ، باہر آؤ، جواب دو۔ وہ بیچارے باہر نکلے۔ آپ نے کہا کیوں چھپ رہے ہو؟ کہا: حضرت! بات یہ ہے کہ میں مفلس ہوں اس وقت میرے پاس رقم نہیں، بوجہ شرمندگی کے آپ سے نہیں ملتا۔ آپ نے کہا: قسم کھاؤ۔ اس نے قسم کھالی۔ آپ رو دیئے اور فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جو شخص نادار قرض دار کو ڈھیل دے یا اپنا قرضہ معاف کر دے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے سائے تلے ہوگا۔ (صحیح مسلم)۔ ابویعلیٰ نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: قیامت کے دن ایک بندہ خدا تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا اللہ

تعالیٰ اس سے سوال کرے گا کہ بتلا! میرے لئے تو نے کیا نیکی کی ہے؟ وہ کہے گا خدایا! ایک ذرّے کے برابر بھی کوئی ایسی نیکی مجھ سے نہیں ہوئی جو آج میں اس کی جزا طلب کر سکوں۔ اللہ تعالیٰ اس سے پھر پوچھے گا وہ کہے گا کہ پروردگار! ایک چھوٹی سی بات البتہ یاد پڑتی ہے کہ تو نے اپنے فضل سے کچھ مال بھی مجھے دے رکھا تھا، میں تجارت پیشہ شخص تھا، لوگ اُدھار سدھار لے جاتے تھے۔ میں اگر دیکھتا کہ یہ غریب شخص ہے اور وعدہ پر قرض ادا نہ کر سکا تو میں اُسے اور کچھ مدت کی مہلت دے دیتا، مالداروں پر سختی نہ کرتا، زیادہ تنگی والا کسی کو پاتا تو معاف بھی کر دیتا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: پھر میں تجھ پر آسانی کیوں نہ کروں، میں تو سب سے زیادہ آسانی کرنے والا ہوں، جا میں نے تجھے بخشا، جنت میں داخل ہو جا۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے غازی کی مدد کرے یا قرضدار بے مال کی اعانت کرے یا غلام جس نے لکھ کر دیا ہو کہ اتنی رقم دے دوں تو آزاد ہوں، اس کی مدد کرے اللہ تعالیٰ اُسے اُس دن سایہ دے گا جس دن اُس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ مسند احمد میں ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اُس کی دعائیں قبول کی جائیں اور اُس کی تکلیف و مصیبت دور ہو جائے اُسے چاہئے کہ تنگی والے لوگوں پر کشادگی کرے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اوّل صفحہ ۳۷۴)

(۲۱) نیک بخت وہ لوگ ہیں جو فتنوں سے بچ جائیں

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد آتے ہوئے زمین کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: جو شخص کسی نادار پر آسانی کرے یا اُسے معاف کر دے اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی گرمی سے بچا لے گا۔ سنو! جنت کے کام غم والے ہیں اور خواہش کے خلاف ہیں اور جہنم کے کام آسانی والے اور خواہش نفس کے مطابق ہیں۔ نیک بخت وہ لوگ ہیں جو فتنوں سے بچ جائیں اور وہ گھونٹ جو انسان غصے کا پی لے اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو کوئی اور گھونٹ پسندیدہ نہیں، ایسا کرنے والے کا دل اللہ تعالیٰ ایمان سے پُر کر دیتا ہے۔ طبرانی میں ہے کہ جو شخص کسی مفلس شخص پر رحم کر کے اپنے قرض کی وصولی میں اُس پر سختی نہ کرے اللہ تعالیٰ بھی اس کے گناہوں پر اُسے نہیں پکڑتا یہاں تک کہ وہ توبہ کرے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد اوّل صفحہ ۳۷۵)

(۲۲) سورۂ یوسف کی خاص فضیلت

اس سورت کی فضیلت میں ایک حدیث وارد ہوئی ہے کہ اپنے ماتحتوں کو سورۂ یوسف سکھاؤ۔ جو مسلمان اسے پڑھے یا اسے اپنے گھر والوں کو سکھائے یا اپنے ماتحت لوگوں کو سکھائے اس پر اللہ تعالیٰ سکرات موت آسان کرتا ہے اور اسے اتنی قوت بخشتا ہے کہ وہ کسی مسلمان سے حسد نہ کرے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد دوم صفحہ ۵۲۰)

⑳ جنت میں داخل ہونے کا ایک عجیب نبوی نسخہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ مسکرا رہے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کون سی چیز ہنسی کا سبب ہوئی؟ فرمایا: ''کہ میرے دو امتی خدا کے سامنے گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ ایک خدا سے کہتا ہے کہ یا رب! اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے میں بدلہ چاہتا ہوں۔ اللہ پاک اس سے فرماتا ہے کہ اپنے ظلم کا بدلہ ادا کرو۔ ظالم جواب دیتا ہے، یا رب اب میری کوئی نیکی باقی نہیں رہی کہ ظلم کے بدلے میں اسے دے دوں۔ تو وہ مظلوم کہتا ہے کہ اے خدا! میرے گناہوں کا بوجھ اس پر لاد دے۔ یہ کہتے ہوئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آبدیدہ ہو گئے اور فرمانے لگے کہ وہ بڑا ہی سخت دن ہوگا۔ لوگ اس بات کے حاجتمند ہوں گے کہ اپنے گناہوں کا بوجھ کسی اور کے سر دھر دیں۔ اب اللہ پاک طالبِ انتقام سے فرمائے گا کہ نظر اُٹھا کر جنت کی طرف دیکھ! وہ سر اُٹھائے گا، جنت کی طرف دیکھے گا اور عرض کرے گا، یا رب! اس میں تو چاندی اور سونے کے محل ہیں موتیوں کے بنے ہوئے ہیں۔ یا رب! یہ محل کس نبی اور کس صدیق اور شہید کے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جو اس کی قیمت ادا کرتا ہے اس کو دے دیئے جاتے ہیں۔ وہ کہے گا: یا رب! کون اس کی قیمت ادا کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو اس کی قیمت ادا کر سکتا ہے۔ اب وہ عرض کرے گا یا رب کس طرح؟ اللہ جل شانہٗ ارشاد فرمائے گا، وہ اس طرح کہ تو اپنے بھائی کو معاف کر دے۔ وہ کہے گا: یا رب میں نے معاف کیا۔ اللہ پاک فرمائے گا۔ اب تم دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو، آپس میں صلح قائم رکھو، کیونکہ قیامت کے روز اللہ پاک بھی مومنین کے درمیان آپس میں صلح کرانے والا ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر جلد دوّم صفحہ ۲۶۹)

㉔ ایک عجیب خواب اور اس کی تعبیر

ایک دفعہ عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اپنا خواب بیان کیا کہ گویا ایک رسّی آسمان میں لٹکی ہوئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کھینچ لیا۔ پھر وہ آسمان سے معلق ہو گئی تو اب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھینچ لیا۔ پھر لوگ منبر کے اطراف اس کو ناپنے لگے اور عمر رضی اللہ عنہ کے ناپ میں وہ منبر سے تین ہاتھ لمبی نکل آئی۔ وہاں عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا ''ارے تمہارا خواب چھوڑو بھی، کہاں کا خواب اور ہمیں اس سے کیا واسطہ۔'' لیکن جب عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو عوف رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: عوف! تم اپنا خواب تو سناؤ، عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: اَب خواب کی کیا پڑی ہے، تم نے تو مجھے اس کے سنانے پر جھڑک دیا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا خدا تمہارا بھلا کرے، میں ہرگز یہ نہیں چاہتا تھا کہ تم حضرت صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر مرگ سناؤ۔ پھر عوف رضی اللہ عنہ نے خواب بیان کیا حتی کہ جب یہاں

تک پہنچے کہ لوگ منبر تک تین تین ہاتھ اُسے ناپنے لگے تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک تو ان تین میں سے خلیفہ تھا یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دوسرا وہ جو خدا کے معاملہ میں کسی کی ملامت و ناراضگی کی پرواہ نہیں کرتا تھا اور تیسرے ہاتھ پر اختتام کا مطلب یہ ہے کہ وہ شہید ہوگا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ اب ہم تم کو خلیفہ بناتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ تم کیسا عمل کرتے ہو، چنانچہ اے عمر! اب تو خلیفہ بنا ہے اور کرتے وقت سوچ کہ کیا کررہا ہے۔ لَوْمَةَ لَآئِمٍ سے نہ ڈرنے کا ذکر جو عمر رضی اللہ عنہ نے کیا وہ احکامِ خداوندی کے بارے میں تھا اور لفظ شہید سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ میرے لئے شہادت مقدر ہے اور اس وقت ہے کہ سارے لوگ میرے فرمانبردار ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد دوّم صفحہ ۴۳۹)

(۲۵) غزوۂ تبوک کی گرمی

قتادہ کہتے ہیں کہ جنگ تبوک کے لئے جب چل کھڑے ہوئے تو بڑی سخت گرمی تھی اللہ ہی جانتا ہے کہ کیسی سخت مصیبتیں مجاہدین کو پہنچیں، حتی کہ کہا جاتا ہے کہ ایک کھجور کے دو ٹکڑے کر کے دو آدمیوں میں بانٹ دیا جاتا تھا۔ کھجور دست بدست بڑھائی جاتی، ایک اس کو تھوڑا چوستا پھر پانی پی لیتا پھر دوسرا چوستا اور پانی پی کر تسلی حاصل کرلیتا۔ پھر اللہ نے ان کی سن لی، غزوے سے وہ واپس ہوئے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے تنگدستی کی کیفیت پوچھی گئی تو کہا کہ ہم جنگ تبوک کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے۔ سخت موسمِ گرما تھا۔ ہم نے ایک جگہ قیام کیا، وہاں ایسی زبردست تشنگی سے ہمیں سابقہ پڑا کہ ہم نے گمان کرلیا کہ ہمارا دم ہی نکل جائے گا۔ اگر کوئی آدمی پانی کی تلاش میں جاتا تو وہ یقین کرلیتا کہ واپس ہونے سے پہلے اس کو موت آجائے گی۔ لوگ اونٹوں کو ذبح کرتے، اس کے معدوں میں ایک مقام پر پیے ہوئے پانی کا ذخیرہ جمع رہتا تھا، اسکو نکال لیتے اور پی لیتے اور بچا ہوا کچھ حصہ اپنے جگر پر لگالیتے۔ تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبولیت کا شرف بخشا ہے ہمارے لئے دعا فرمایئے! حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم ایسا چاہتے ہو؟ صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا، ہاں۔ تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ دُعا کے لئے اٹھائے ابھی دُعا ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ بادل چھاگئے اور موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ پھر تھوڑی دیر بعد پانی تھم گیا۔ لوگوں نے اپنے برتن بھر لئے۔ اب ہم لشکر کے پڑاؤ سے باہر نکلے تو دیکھا کہ چھاؤنی سے آگے کہیں پانی نہیں برسا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد دوّم صفحہ ۴۱۹)

(۲۶) حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے پوری اُمّت کو خوشخبری

ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور یہ خوش

خبری دی کہ جو مر جائے اور اس نے شرک نہ کیا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے کہا اگر چہ اُس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو؟ تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا ہاں، زنا کیا ہو یا چوری کی ہو۔ تیسری بار کے پوچھنے پر جبرئیل علیہ السلام نے کہا ہاں اگر چہ شراب بھی پی لی ہو۔ بعض روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ سے یہ تین دفعہ سوال کرنے والے خود ابوذر رضی اللہ عنہ تھے اور تیسری دفعہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ ''ہاں! ابوذر کی ناک نیچی، خواہ زنا کیا ہو یا چوری کی ہو۔'' ابوذر رضی اللہ عنہ جب کبھی یہ حدیث سناتے تو حدیث پوری کرنے کے بعد ساتھ ہی یہ بھی ضرور فرما دیتے کہ ''ابوذر کی ناک نیچی۔'' ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! جب تک تو مجھ سے امید قائم رکھے گا اور دعا مانگتا رہے گا میں تجھے بخشتا رہوں گا۔ جو کچھ تجھ سے گناہ ہوا اور میں اس کی پروانہیں کروں گا کہ تو نے کیا گناہ کیا ہے۔ اگر تو میرے پاس زمین بھر کر خطائیں لائے گا تو میں بھی زمین بھر کر مغفرت دوں گا بشرطیکہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو۔ اگر تیری خطائیں آسمان بھر کے بھی ہوں اور تو نے مغفرت مانگی ہو تو میں مغفرت دوں گا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد دوم صفحہ ۱۳۹)

۲۷ مینڈک کو مت مارو

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مینڈک کو نہ مارا کرو، کیونکہ مینڈک کا عذاب جب قومِ فرعون پر بھیجا گیا تھا تو ایک مینڈک آگ کے ایک تنور میں خدا کی خوشنودی کی خاطر گر پڑا تھا۔ چنانچہ مینڈکوں کا مسکن اللہ تعالیٰ نے ٹھنڈی چیز بنائی ہے یعنی پانی کا مقام اور ان کی آواز کو تسبیح قرار دیا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد دوم صفحہ ۲۱۴)

۲۸ رنج وغم دور کرنے کی دعاء

مسند احمد میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جسے کبھی بھی کوئی غم و رنج پہنچے تو وہ یہ دعا کرے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَآؤُكَ اَسْاَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْاَنْزَلْتَهٗ فِيْ كِتَابِكَ اَوْعَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِاسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَنُوْرَ صَدْرِيْ وَجِلَآءَ حُزْنِيْ وَذَهَابَ هَمِّيْ۔

کہا گیا یا رسول اللہ! کیا ہم یاد نہ کر لیں۔ آپ نے فرمایا، بلکہ جو بھی اسے سنے چاہیے کہ یاد کر لے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد دوم صفحہ ۲۴۹)

۲۹ مال، زائل ہونے والا سایہ ہے

صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابن آدم کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال ہے لیکن تیرا مال تو صرف اتنا ہی تھا جتنا کہ تو نے کھایا اور فنا کر دیا، پہنا اور پرانا کر دیا یا دوسروں کو دیا اور گویا باقی رکھ لیا، اس کے سوا تیری ساری دولت دوسروں کے لئے ہے۔ اللہ پاک ابن آدم سے پوچھے گا: کہاں جمع کر رکھا ہے تو کہے گا: اے رب! جمع کیا اور بڑھا کر وہیں چھوڑ آیا۔ پھر فرمایا کہ اس دن کے لئے کیا آگے بھیجا۔ وہ دیکھے گا کہ کچھ بھی نہیں بھیجا۔ پھر فرمائے گا کہ تیرے وہ شفعاء کہاں ہیں جن کو تو سمجھتا تھا کہ وہ میرے ساتھ شریک ہیں اب وہ کیوں شفاعت نہیں کرتے۔ یہ اس کو ملامت اور سرزنش کی جا رہی ہے کیونکہ وہ دنیا میں اوثان و اصنام (بتوں) کو پوجتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ وہ اس کی حیاتِ دنیاوی اور حیاتِ آخرت میں فائدہ بخش ہوں گے۔ قیامت کے روز تو سارے تعلقات ٹوٹ جائیں گے، گمراہی ختم ہو جائے گی، بتوں کا راج جاتا رہے گا اور اللہ پاک انسانوں سے خطاب کرے گا کہ تمہارے وہ بت اب کہاں ہیں جنہیں تم میرے شرکاء قرار دیتے تھے اور ان سے کہا جائے گا کہ اب تمہارے وہ معبودانِ باطل کہاں ہیں وہ کیا تمہاری اس وقت کوئی مدد کر سکتے ہیں یا تم ان کی مدد کر سکتے ہو۔ (تفسیر ابن کثیر جلد دوم صفحہ ۹۶)

۳۰ کالا کتا شیطان ہوتا ہے

صحیح مسلم میں ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سیاہ کتا شیطان ہوتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد دوم صفحہ ۱۱۲)

۳۱ میدانِ حشر میں مسلمان کو بھی تولا جائے گا

صحیح حدیث میں ہے کہ قرآن پڑھتے رہنے والے کے پاس قرآن ایک نوجوان خوش رنگ کی شکل میں آئے گا۔ قاری پوچھے گا: تم کون ہو؟ وہ کہے گا: میں قرآن ہوں، رات بھر تمہیں جگاتا رہا اور دن بھر تمہیں تعمیلِ حکمِ صوم میں پیاسا رکھا۔ قصۂ سوالِ قبر میں ہے کہ مومن کے پاس قبر میں ایک خوبصورت نوجوان خوشبودار آئے گا۔ صاحبِ قبر اس سے پوچھے گا: تم کون ہو؟ وہ کہے گا میں تمہارا عملِ صالح ہوں۔ حدیثِ بطاقہ میں ہے کہ ایک آدمی کو کاغذ کا پرزہ دیا جائے گا اور وہ ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے گا اور دوسرے پلڑے میں ننانوے کاغذ کے طومار رکھے جائیں گے۔ ہر ایک اتنا بڑا ہوگا کہ جہاں تک نظر کام کرتی ہے اس بطاقہ میں لکھا ہوگا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ وہ کہے گا کہاں یہ کاغذ کا ٹکڑا اور کہاں یہ پورے کے پورے دفتر تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مگر تمہارے ساتھ ظلم نہیں کیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ گناہوں کے طومار دفتر کے دفتر ترازو میں ہلکے ہو جائیں گے اور وہ کاغذ کا چھوٹا سا بطاقہ

وزنی ہو جائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عمل یا اعمال نامہ وزن نہیں کیا جائے گا بلکہ صاحبِ عمل وزن کیا جائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز ایک موٹا سا آدمی لایا جائے گا لیکن وہ اللہ کے نزدیک پر پشہ کے برابر بھی وزن نہ رکھتا ہوگا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ستائش کرتے ہوئے فرمایا کہ تم کو ابن مسعود کی پتلی پتلی ٹانگوں پر تعجب کیوں ہے۔ خدا کی قسم یہ میزان میں تلے گا تو اس کی پتلی ٹانگیں اُحد پہاڑ سے زیادہ وزنی ثابت ہوں گی۔ ان تینوں روایتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ کبھی اعمال تولے جائیں گے اور کبھی اعمال نامے اور کبھی عمل کرنے والا۔

(تفسیر ابن کثیر جلد دوم صفحہ ۱۵۷)

(۳۲) ماں حوّا کی وجہ سے ساری عورتیں پریشانی میں آ گئیں

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے گندم کھا لیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب میں نے تمہیں اس درخت سے منع کیا تھا تو تم نے کیوں کھایا؟ تو کہنے لگے کہ حوا نے مجھے ایسا مشورہ دیا تھا۔ تو کہا کہ میں حوا کو یہ سزا دیتا ہوں کہ حمل کے زمانے میں بھی اسکو تکلیف اور وضعِ حمل کے وقت بھی اس کو درد و کرب لاحق رہیں گے۔ یہ سن کر حوّا رونے لگیں تو کہا گیا کہ ولادت کے وقت تم اور تمہارا بچہ دونوں رویا کرو گے۔

آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ کلمات سیکھے تھے رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (تفسیر ابن کثیر جلد دوم صفحہ ۱۶۳)

(۳۳) دیندار اور بے دین کی موت کا منظر

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم ایک انصاری کے جنازے کی مشایعت کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے جب قبر تک پہنچے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں بیٹھ گئے۔ ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اطراف بیٹھے تھے اور ایسے خاموش گویا پرندے ہمارے سروں پر بیٹھ گئے (ہمیں خاموش و بے حرکت دیکھ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی زمین پر اس سے ایک شغل کے طور پر لکیریں کھینچ رہے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر اٹھایا اور فرمانے لگے: عذابِ قبر سے خدا کے پاس پناہ مانگو! دو یا تین دفعہ فرمایا۔ پھر ارشاد ہوا کہ مومن جب دنیا سے اٹھنے لگتا ہے اور آخرت کا رخ کرتا ہے تو آسمان سے روشن چہرے والے فرشتے اترتے ہیں۔ جنت کا کفن لئے ہوئے ہوتے ہیں اور جنت کی خوشبوئیں ساتھ لاتے ہیں۔ اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ جہاں تک نظر کام کرتی ہے فرشتے ہی فرشتے ہوتے ہیں۔ پھر ملک

الموت آکراس کے سرہانے بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں: ''اے مطمئن روح! مغفرتِ خداوندی کی طرف چل! یہ سنتے ہی روح نکل پڑتی ہے جیسے کہ مشک کے منہ سے پانی کے قطرے نکلنے لگتے ہیں۔ روح نکلتے ہی چشم زدن میں وہ اس کو جنتی کفن پہنا دیتے ہیں اور جنتی خوشبو میں اُس کو بساتے ہیں وہ مشک کی ایسی بہتر خوشبو ہوتی ہے کہ دنیا میں جو بہترین ہوسکتی ہے۔ اس کو لے کر آسمان پر چڑھنے لگتے ہیں۔ جہاں کہیں سے گزرتے ہیں فرشتے کہتے ہیں کہ یہ کس کی پاک روح لے جارہے ہو؟ کہا جاتا ہے کہ فلاں ابن فلاں کی۔ آسمان تک پہنچ کر دروازہ کھولنے کے لئے کہتے ہیں، دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ دوسرے تمام فرشتے بھی آسمانِ دوم تک ساتھ آتے ہیں۔ اسی طرح آسمان بہ آسمان، ساتویں آسمان تک پہنچتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس بندے کو علّیین کے دفتر میں لکھ لو اور زمین کی طرف واپس کردو کیونکہ میں نے اس کو مٹی ہی سے پیدا کیا ہے۔ اسی کے اندر اس کو واپس کرتا ہوں اور پھر دوسری بار اُسی کے اندر سے اس کو اٹھاؤں گا۔ اب اس کی روح واپس کی جاتی ہے۔ یہاں دو فرشتے آتے ہیں۔ اُس کے پاس بیٹھتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے۔ پھر پوچھتے ہیں تمہارا دین کون سا ہے؟ وہ کہتا ہے اسلام میرا دین ہے۔ پھر پوچھتے ہیں وہ کون شخص ہیں جو تمہاری طرف بھیجے گئے تھے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ خدا کے رسول تھے۔ پھر پوچھتے ہیں تمہارا ذریعۂ علم کیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی تھی اس پر ایمان لایا تھا۔ اب آسمان سے ایک ندا آتی ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا۔ اُس کے لئے جنت کا فرش لاؤ۔ جنت کے کپڑے پہناؤ اور جنت کا ایک دروازہ اسکے لئے کھول دو تاکہ جنت کی ہوا اور خوشبو اس کو پہنچتی رہے۔ اس کی قبر تا حدِ نگاہ کشادہ ہو جاتی ہے۔ ایک خوبصورت شخص اچھے لباس میں خوشبو میں بسا ہوا اس کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے خوش ہو جاؤ کہ آج تم سے جو وعدہ کیا گیا تھا پورا کیا جاتا ہے۔ وہ پوچھے گا: تم کون ہو؟ وہ شخص کہے گا میں تمہارا عمل صالح ہوں۔ تو متوفی کہے گا اے خدا! اسی وقت قیامت قائم کردے۔ میں اپنے اہل اور مال سے ملوں گا۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ بندۂ کافر دنیا سے منہ موڑنے لگتا ہے تو سیاہ رنگ کے فرشتے ٹاٹ لئے ہوئے آپہنچتے ہیں اور تاحد نظر ہوتے ہیں۔ اب ملک الموت آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے خبیث روح! نکل اور خدا کی ناراضی اور غضب کی طرف جاتو وہ جسم کے اندر گھسنے لگتی ہے، فرشتے اس کو کھینچ کر نکالتے ہیں جیسے کہ لوہے کی سیخ بھیگے ہوئے بالوں کے اندر سے نکالی جاتی ہے۔ وہ اس کو لیتے ہی طرفۃ العین میں اس کو ٹاٹ کے اندر لپیٹ لیتے ہیں۔ اُس کے اندر سے سڑے ہوئے مردار کی طرح بدبو نکلتی ہے، اس کو لے کر آسمان پر چڑھتے ہیں اور جہاں کہیں سے گزرتے ہیں: فرشتے پوچھتے ہیں: یہ کس کی روحِ خبیث ہے؟ کہا جاتا ہے کہ فلاں ابن فلاں کی۔ اور جب آسمان تک پہنچ کر کہتے ہیں کہ دروازہ کھولو! تو نہیں کھولا جاتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے لَا تُفَتَّحُ والی آیت پڑھی۔ اب اللہ پاک فرماتا ہے کہ اس کو زمین کے طبقۂ زیرین کی سجّین میں لے جاؤ چنانچہ اس کی روح وہاں پھینک دی جاتی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ

آیت تلاوت فرمائی کہ "جو اللہ کا شرک کرتا ہے گویا آسمان سے گر پڑا اور پرندے اس کا گوشت نوچ رہے ہوں یا ہوائیں دور دراز اس کو لئے اڑ رہی ہوں۔" اس کی روح اس کے جسم میں واپس کر دی جاتی ہے۔ دو فرشتے آ کر پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے افسوس میں نہیں جانتا۔ پھر پوچھتے ہیں تیرا دین کون سا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے ہائے میں واقف نہیں۔ اب دریافت کرتے ہیں کہ تیری طرف کون بھیجا گیا تھا۔ وہ کہتا ہے حیف مجھے علم نہیں۔ اب آسمان سے ندا آتی ہے کہ میرا بندہ جھوٹ کہتا ہے۔ اس کے لئے دوزخ کا فرش لاؤ اور دوزخ کا دروازہ اس پر کھول دو تا کہ اس کو دوزخ کی حرارت اور بادِ گرم پہنچتی رہے اس کی قبر اس پر تنگ ہو جاتی ہے اور اتنا دباتی ہے کہ ہڈی پسلی مل جاتی ہے۔ ایک قبیح چہرے والا میلے کچیلے کپڑے پہنے بد بودار اس کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ تجھے اپنی بدبختیوں کی بشارت ہے۔ یہ وہی دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ تھا۔ وہ پوچھتا ہے تو کون ہے؟ وہ کہتا ہے میں تیرا عملِ بد ہوں۔ کافر کہنے لگتا ہے کہ خدا کرے قیامت قائم نہ ہو (تا کہ مجھے دوزخ میں نہ جانا پڑے)۔

(تفسیر ابن کثیر جلد دوّم صفحہ ۱۷۲)

(۳۴) حشر کے میدان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا مضمون پڑھ لیجئے

قیامت کے روز جب سب بندوں کے فیصلے ہو چکیں گے تو اللہ تعالیٰ شفاعت کرنے کی اجازت دے گا۔ لوگ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے، آپ ہمارے باپ ہیں اللہ کے پاس ہماری شفاعت کیجئے۔ وہ کہیں گے کہ کیا تم جانتے ہو کہ کسی کو بھی اللہ تعالیٰ نے میرے سوا اپنے ہاتھوں سے بنایا ہو اور اس میں خاص اپنی روح پھونکی ہو اور کیا ملائکہ نے میرے سوا کسی اور کو بھی سجدہ کیا ہے۔ لوگ کہیں گے نہیں۔ آدم علیہ السلام کہیں گے لیکن پھر بھی میں کنہِ ذاتِ خداوندی سے واقف نہیں، میں تو شفاعت کی طاقت نہیں رکھتا۔ تم میرے بیٹے ابراہیم کے پاس جاؤ۔ لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے شفاعت کے خواستگار ہوں گے۔ وہ کہیں گے کیا خدا نے میرے سوا کسی کو خلیل قرار دیا ہے اور میرے سوا کیا کسی کو اس کی قوم نے آگ میں جھونکا ہے؟ لوگ کہیں گے نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کہیں گے میں شفاعت نہیں کر سکتا۔ اللہ کی کنہ سے واقف نہیں۔ تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام کہیں گے کیا میرے سوا خدا نے کسی سے براہِ راست باتیں کی ہیں مگر پھر بھی میں حقیقتِ خداوندی سے واقف نہیں، تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے کیا میرے سوا خدا نے کسی کو بغیر باپ کے پیدا کیا ہے اور کیا کسی نے کوڑھی اور جذامی جیسے لاعلاج مریض کو چنگا کیا ہے اور میرے سوا کیا کسی نے مردے کو

زندہ کیا ہے؟ کہیں گے نہیں۔ پھر بھی میں اس کی ذات سے واقف نہیں۔ مجھے اپنی فکر ہے۔ تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ لوگ میرے پاس آئیں گے۔ میں سینے پر ہاتھ مار کر کہوں گا ہاں! میں تمہاری سفارش کروں گا۔ پھر میں خدا کے عرش کے آگے آ کر کھڑا ہوں گا اور میری زبان خدا کی تعریف میں ایسی کھل جائے گی کہ کبھی تم نے ایسی تعریف نہ سنی ہوگی۔ پھر میں سجدے میں گر جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے محمد! سر اٹھاؤ! بولو کیا چاہتے ہو، شفاعت کرتے ہو تو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ اب میں سر اٹھاؤں گا اور پھر خدا کی حمد و ثنا کروں گا۔ پھر سجدے میں گر پڑوں گا۔ پھر کہا جائے گا کہ اٹھو! درخواست کرو۔ میں سر اٹھا کر عرض کروں گا "یارب میری امت کو بخش دے۔" اللہ تعالیٰ فرمائے گا "ہاں بخش دیا۔" اس کیفیت کو دیکھ کر کوئی نبی مرسل اور کوئی فرشتہ نہ ہوگا جس کو رشک نہ ہو۔ یہی مقامِ محمود ہے۔ اب میں سب امتیوں کو لے کر جنت کی طرف آؤں گا۔ جنت کا دروازہ میرے لئے کھل جائے گا۔ اب ان سب امتیوں کو نہر کی طرف لے جایا جائے گا جس کو "نہر حیوان" کہتے ہیں۔ جس کے دونوں کنارے موتی، ہیرے اور زر سے مرصع ہوں گے۔ اس کی مٹی مشک ہوگی، اس کے کنکر پتھر یاقوت ہوں گے۔ اس نہر میں یہ لوگ نہائیں گے اور ان کے رنگ جنتیوں کے سے ہو جائیں گے اور ان سے جنتیوں کی خوشبو پیدا ہو جائے گی۔ ایسے معلوم ہوں گے گویا چمکتے تارے ہیں لیکن ان کے سینوں پر روشن نشانات ہوں گے جن سے وہ پہچانے جائیں گے۔ انہیں مساکینِ اہل الجنۃ کہا جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد دوم صفحہ ۱۷۸)

(۳۵) ایک یہودی لڑکا مرنے سے پہلے مسلمان ہوا، ایک بھی نماز نہیں پڑھی اور جنت کا مستحق بن گیا

مسند امام احمد میں ہے کہ ایک بدوی نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ کے زمانے میں، میں دودھ بیچنے کے لئے مدینے گیا۔ بیع سے فارغ ہونے کے بعد میں نے کہا چلو اُن سے بھی (محمد ﷺ سے) مل لوں اور اُن سے کچھ باتیں سنوں، میں نے دیکھا کہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا رہے ہیں، میں بھی پیچھے ہولیا، یہ تینوں ایک یہودی کے گھر پہنچے جو تورات جانتا تھا۔ اس کا لڑکا قریب الموت تھا نوجوان اور خوبصورت۔ وہ اس کے پاس بیٹھا تعزیت نفس کی خاطر توریت پڑھ رہا تھا۔ حضرت ﷺ اس یہودی سے باتیں کرنے لگے اور کہا کہ تمہیں توریت نازل کرنے والے کی قسم! سچ بتاؤ اس میں میرا ذکر اور میری بعثت کی خبر بھی ہے کہ نہیں۔ اس نے سر ہلا کر کہا "نہیں" تو اس کا قریب الموت جوان لڑکا بول اٹھا کہ توریت نازل کرنے والے کی قسم! کہ ہم اپنی کتابوں میں آپ کی صفت اور بعثت کی خبر پاتے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ جب وہ مر گیا تو آپ نے کہا کہ یہ مسلمان ہے

یہودیوں کو یہاں سے ہٹا دو۔ پھر آپ نے کفن اور نماز کا انتظام کیا۔ یہ حدیث جید اور قوی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد دوم صفحہ ۲۲۷)

(۳۶) اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت پڑھ لیجئے

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے دریافت کرتا ہے کہ کیا آج کوئی ایسا شخص بھی تجھ پر چڑھا جس نے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا ہو؛ وہ خوشی سے جواب دیتا ہے کہ ہاں۔ پس پہاڑ بھی باطل اور جھوٹی بات کو اور بھلی بات کو سنتے ہیں اور دوسرا کلام نہیں سنتے۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ مروی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب زمین کو اور اس کے درختوں کو پیدا کیا تو ہر درخت ابن آدم علیہ السلام کو پھل پھول اور نفع دیتا تھا مگر جب زمین میں رہنے والے لوگوں نے خدا کے لئے اولاد کا لفظ بولا تو زمین ہل گئی اور درختوں میں کانٹے پڑ گئے۔ کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ملائکہ غضبناک ہو گئے اور جہنم زور شور سے بھڑک اُٹھی۔ مسند احمد میں فرمانِ رسول ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ ایذا دہندہ باتوں پر خدا تعالیٰ سے زیادہ صابر کوئی نہیں، لوگ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں، اس کی اولادیں مقرر کرتے ہیں اور وہ انہیں عافیت دے رہا ہے، روزیاں پہنچا رہا ہے، برائیاں ان سے ٹالتا رہتا ہے۔ پس ان کی اس بات سے کہ خدا تعالیٰ کی اولاد ہے، زمین و آسمان اور پہاڑ تک تنگ ہیں۔ خدا تعالیٰ کی عظمت وشان کے لائق نہیں کہ اس کے ہاں اولاد ہو، اس کے لڑکے لڑکیاں ہوں۔ اس لئے کہ تمام مخلوق اس کی غلامی میں ہے۔ اس کی جوڑ کا یا اس جیسا کوئی اور نہیں، زمین و آسمان میں جو ہیں سب اس کے زیرِ فرمان اور حاضر باش غلام ہیں۔ وہ سب کا آقا، سب کا پالنہار، سب کا خبر گیر ہے۔ سب کی گنتی اسکے پاس ہے۔ سب کو اس کے علم نے گھیر رکھا ہے۔ سب اس کی قدرت کے احاطے میں ہیں، ہر مرد و عورت چھوٹے بڑے کی اسے اطلاع ہے۔ شروع پیدائش سے ختم دنیا تک کا اسے علم ہے۔ اس کا کوئی مددگار نہیں، نہ شریک وساجھی۔ ہر ایک بے یار و مددگار اس کے سامنے قیامت کے روز پیش ہونے والا ہے۔ ساری مخلوق کے فیصلے اس کے ہاتھ میں ہیں۔ وہی وحدہٗ لاشریک لہٗ سب کی چکوتیاں کرے گا، جو چاہے گا کرے گا۔ عادل ہے ظالم نہیں۔ کسی کی حق تلفی اس کی شان سے بعید ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد سوم صفحہ ۳۲۰)

(۳۷) بھلائی کر بھلا ہوگا، برائی کر برا ہوگا

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿١٠١﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٢﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿١٠٣﴾ تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ ﴿١٠٤﴾

"پس جب کہ صور پھونک دیا جائے گا اس دن نہ تو آپس کے رشتے ہی رہیں گے نہ آپس کی پوچھ گچھ، جن کا ترازو کا پلہ بھاری ہو گیا وہ تو نجات والے ہو گئے اور جن کا ترازو کا پلہ ہلکا ہو گیا یہ

ہیں وہ جنہوں نے اپنا نقصان آپ کر لیا جو ہمیشہ کے لئے جہنم واصل ہوئے۔ ان کے چہروں کو آگ جھلستی رہے گی اور وہ وہاں بدشکل بنے ہوئے ہوں گے۔''

جب جی اٹھنے کا صور پھونکا جائے گا اور لوگ اپنی قبر سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے، اس دن نہ تو رشتے ناتے باقی رہیں گے نہ کوئی کسی سے پوچھے گا۔ نہ باپ کو اولاد پر شفقت ہوگی، نہ اولاد باپ کا غم کھائے گی۔ عجب آپا دھاپی ہوگی۔ جیسے فرمان ہے کہ کوئی دوست کسی دوست سے باوجود ایک دوسرے کے دیکھنے کے، کچھ نہ پوچھے گا۔ صاف دیکھے گا کہ قریبی شخص ہے، مصیبت میں ہے، گناہوں کے بوجھ میں دب رہا ہے، لیکن اس کی طرف التفات تک نہ کرے گا۔ نہ کچھ پوچھے گا، بلکہ آنکھ پھیر لے گا، جیسے خود قرآن میں ہے کہ اس دن آدمی اپنے بھائی سے، اپنی ماں سے، اپنے باپ سے، اپنی بیوی سے، اور اپنے بچوں سے بھاگتا پھرے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اگلوں پچھلوں کو جمع کرے گا پھر ایک منادی ندا کرے گا کہ جس کسی کا کوئی حق کسی دوسرے کے ذمے ہو وہ آئے اور اس سے اپنا حق لے جائے۔ تو اگرچہ کسی کا کوئی حق اپنے باپ کے ذمے یا اپنی اولاد کے ذمے یا اپنی بیوی کے ذمے ہو وہ بھی خوش ہوتا ہوا اور دوڑتا ہوا آئے گا اور اپنے حق کے تقاضے شروع کرے گا، جیسے اس آیت میں ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جو چیز اسے ناخوش کرے وہ مجھے بھی ناخوش کرتی ہے اور جو چیز اسے خوش کرے وہ مجھے بھی خوش کرتی ہے۔ قیامت کے روز سب رشتے ناتے ٹوٹ جائیں گے لیکن میرا نسب، میری رشتے داری نہ ٹوٹے گی۔ اس حدیث کی اصل بخاری و مسلم میں بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے اسے ناراض کرنے والی اور اسے ستانے والی چیز مجھے ناراض کرنے والی اور مجھے تکلیف پہنچانے والی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا: لوگوں کا کیا حال ہے کہ کہتے ہیں رسول اللہ کا رشتہ بھی آپ کی قوم کو کوئی فائدہ نہ دے گا۔ بخدا میرا رشتہ دنیا میں اور آخرت میں ملا ہوا ہے۔ اے لوگو! میں تمہارا میر سامان ہوں۔ جب تم آؤ گے، ایک شخص کہے گا کہ یا رسول اللہ میں فلاں ابن فلاں ہوں۔ میں جواب دوں گا کہ ہاں! نسب تو میں نے پہچان لیا لیکن لوگوں نے میرے بعد بدعتیں ایجاد کی تھیں اور ایڑیوں کے بل مرتد ہو گئے تھے۔ مسند امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما میں کئی سندوں سے یہ روایت وارد کی ہے کہ جب آپ نے اُمّ کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا تو فرمایا کرتے تھے واللہ! مجھے اس نکاح سے صرف یہ غرض تھی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر حسب و نسب قیامت کے دن کٹ جائے گا مگر میرا نسب اور سبب۔ یہ بھی مذکور ہے کہ آپ نے ان کا مہر از روئے تعظیم و بزرگی چالیس ہزار مقرر کیا تھا۔ ابن عساکر میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل رشتے ناطے اور سسرالی تعلقات

بجز میرے ایسے تعلقات کے قیامت کے دن کٹ جائیں گے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ جہاں میرا نکاح ہوا ہے اور جس کا نکاح میرے ساتھ ہوا ہے وہ سب جنت میں بھی میرے ساتھ رہیں تو خدا تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی۔ جس کی ایک نیکی بھی گناہوں سے بڑھ گئی وہ کامیاب ہوگیا، جہنم سے آزاد اور جنت میں داخل ہوگیا، اپنی مراد کو پہنچ گیا اور جس سے ڈرتا تھا اس سے بچ گیا اور جس کی برائیاں بھلائیوں سے بڑھ گئیں وہ ہلاک ہوئے، نقصان میں آ گئے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: قیامت کے دن ترازو پر ایک فرشتہ مقرر ہوگا جو ہر ایک انسان کو لاکر ترازو کے پاس بیچوں بیچ کھڑا کرے گا۔ پھر نیکی بدی تولی جائے گی۔ اگر نیکی بڑھ گئی تو بہ آوازِ بلند اعلان کرے گا کہ فلاں ابن فلاں نجات پا گیا۔ اب اس کے بعد ہلاکت اس کے پاس بھی نہیں آنے کی اور اگر بدی بڑھ گئی تو ندا کرے گا سب کو سنا کر کہے گا کہ فلاں کا بیٹا فلاں ہلاک ہوا۔ اب وہ بھلائی سے محروم ہوگیا۔ ایسے لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، دوزخ کی آگ ان کے منہ جھلس دے گی چہروں کو جلا دے گی کمر کو سلگا دے گی۔ یہ بے بس ہوں گے، آگ کو ہٹا نہ سکیں گے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: پہلے ہی شعلے کی لپیٹ ان کا سارا گوشت و پوست ہڈیوں سے الگ کر کے ان کے قدموں میں ڈال دے گی۔ وہ وہاں بدشکل ہوں، گے دانت نکلے ہوئے ہوں گے، ہونٹ اوپر چڑھا ہوا اور نیچے گرا ہوا ہوگا۔ اوپر کا ہونٹ تو تالو تک پہنچا ہوا ہوگا اور نیچے کا ہونٹ ناف تک آجائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد سوم صفحہ ۴۰۷)

(۳۸) محرمات کو نہ دیکھنے سے دل پاک ہوتا ہے دین صاف ہوتا ہے

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝

''مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں۔ یہی ان کے لئے پاکیزگی ہے۔ لوگ جو کچھ کریں اللہ سب سے خبردار ہے۔''

حکم ہوتا ہے کہ جن چیزوں کا دیکھنا میں نے حرام کر دیا ہے ان پر نگاہیں نہ ڈالو۔ حرام چیزوں سے آنکھیں نیچی کر لو۔ اگر بالفرض اچانک نظر پڑ جائے تو بھی دوبارہ یا نظر بھر کر نہ دیکھو۔ صحیح مسلم میں ہے: حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے اچانک نگاہ کے جانے کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا اپنی نگاہ فوراً ہٹا لو۔ نیچی نگاہ کرنا یا ادھر ادھر دیکھنے لگ جانا، خدا تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو نہ دیکھنا آیت کا مقصود ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ نے فرمایا علی! نظر پر نظر نہ جماؤ، اچانک جو پڑ گئی وہ تو معاف ہے، قصداً معاف نہیں۔ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا: راستوں

پر بیٹھنے سے بچو، لوگوں نے کہا حضور! کام کاج کے لئے وہ تو ضروری ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا تو راستوں کا حق ادا کرتے رہو۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا: نگاہ نیچی رکھنا، کسی کو ایذا نہ دینا، سلام کا جواب دینا، اچھی باتوں کی تعلیم کرنا، بری باتوں سے روکنا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ چھ چیزوں کے تم ضامن ہو جاؤ میں تمہارے لئے جنت کا ضامن ہوتا ہوں: بات کرتے ہوئے جھوٹ نہ بولو، امانت میں خیانت نہ کرو، وعدہ خلافی نہ کرو، نظر نیچی رکھو، ہاتھوں کو ظلم سے بچائے رکھو، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو۔ صحیح بخاری میں ہے: جو شخص زبان اور شرمگاہ کو خدا تعالیٰ کے فرمان کے ماتحت رکھے میں اسکے لئے جنت کا ضامن ہوں۔ عبیدہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جس چیز کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو وہ کبیرہ گناہ ہے۔ چونکہ نگاہ پڑنے کے بعد دل میں فساد کھڑا ہوتا ہے اس لئے شرمگاہ کو بچانے کے لئے نظریں نیچی رکھنے کا فرمان ہوا۔ نظر بھی ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ پس زنا سے بچنا بھی ضروری ہے اور نگاہ نیچی رکھنا بھی ضروری ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو مگر اپنی بیویوں اور لونڈیوں سے۔ محرمات کو نہ دیکھنے سے دل پاک ہوتا ہے اور دین صاف ہوتا ہے۔ جو لوگ اپنی نگاہ حرام چیزوں پر نہیں ڈالتے اللہ تعالیٰ ان کی آنکھوں میں نور بھر دیتا ہے اور ان کے دل بھی نورانی کر دیتا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: جس کی نظر کسی عورت کے حسن و جمال پر پڑ جائے پھر وہ اپنی نگاہ ہٹا لے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ایک ایسی عبادت اسے عطا فرماتا ہے جس کی لذت وہ اپنے دل میں پاتا ہے۔ طبرانی میں ہے کہ یا تو تم اپنی نگاہیں نیچی رکھو گے اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو گے اور اپنے منہ سیدھے رکھو گے یا اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں بدل دے گا (اعاذنا اللہ من کل عذابہ)۔ نظر ابلیسی تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ جو شخص خوفِ خدا تعالیٰ سے اپنی نگاہ روک رکھے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایسا نور ایمان پیدا کر دیتا ہے کہ اسے مزا آنے لگتا ہے۔ لوگوں کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ پر پوشیدہ نہیں، وہ آنکھوں کی خیانت کو، دل کے بھیدوں کو جانتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ابن آدم کے ذمے اس کا زنا کے حصہ لکھ دیا گیا ہے جسے وہ لامحالہ پالے گا۔ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، زبان کا زنا بولنا ہے، کانوں کا زنا سننا ہے، ہاتھوں کا زنا تھامنا ہے، پیروں کا زنا چلنا ہے، دل خواہش تمنا اور آرزو کرتا ہے، پھر شرمگاہ یا تو سب کو سچا کر دیتی ہے یا سب کو جھوٹا بنا دیتی ہے۔ (رواہ البخاری تعلیقاً) اکثر سلف لڑکوں کو گھورا گھوری سے بھی منع کرتے تھے۔ ائمہ صوفیہ میں کے بہتوں نے اس بارے میں بہت کچھ سختی کی ہے۔ اہلِ علم کی جماعت نے اسے مطلق حرام کہا ہے اور بعضوں نے اسے کبیرہ گناہ فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ہر آنکھ قیامت کے دن روئے گی مگر وہ آنکھ جو خدا تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کے دیکھنے سے بند رہے اور وہ آنکھ جو خدا تعالیٰ کی راہ میں جاگتی رہے اور وہ آنکھ جو خوفِ خدا تعالیٰ سے روئے گو اس میں سے آنسو صرف

مکھی کے سر کے برابر ہی نکلا ہو۔ (تفسیر ابن کثیر جلد سوم صفحہ ۵۰۰)

(۳۹) منافق کی زبان مومن ہوتی ہے اور دل کافر ہوتا ہے

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

''بڑی پختگی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ آپ کا حکم ہوتے ہی یہ نکل کھڑے ہوں گے۔ کہہ دے کہ بس قسمیں نہ کھاؤ، تمہاری اطاعت کی حقیقت معلوم ہے، جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔''

اہل نفاق کا حال بیان ہو رہا ہے کہ وہ پیغمبر خدا ﷺ کے پاس آ کر اپنی ایمانداری اور خیر خواہی جتاتے ہوئے قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتے تھے کہ ہم جہاد کے لئے تیار بیٹھے ہیں بلکہ بے قرار ہیں، آپ کے حکم کی دیر ہے، فرمان ہوتے ہی گھر بار بال بچے چھوڑ کر میدانِ جنگ میں پہنچ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان سے کہہ دو کہ قسمیں نہ کھاؤ۔ تمہاری اطاعت کی حقیقت تو روشن ہے۔ زبانی ڈینگیں بہت ہیں، عملی حصہ صفر ہے۔ تمہاری قسموں کی حقیقت بھی معلوم ہے۔ دل میں کچھ ہے زبان پر کچھ ہے۔ جتنی زبان مؤمن ہے اتنا ہی دل کافر ہے۔ یہ قسمیں صرف مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے ہیں۔ ان قسموں کو تو یہ لوگ ڈھال بنائے ہوئے ہیں تم سے ہی نہیں بلکہ کافروں کے سامنے بھی ان کی موافقت کی اور ان کی امداد کی قسمیں کھاتے ہیں لیکن ہیں اتنے بزدل کہ ان کا ساتھ بھی خاک نہیں دے سکتے۔ اس جملے کے ایک معنیٰ یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تمہیں تو معقول اور پسندیدہ اطاعت کا شیوہ چاہئے نہ کہ قسمیں کھانے اور ڈینگیں مارنے کا۔ تمہارے سامنے مسلمان موجود ہیں۔ دیکھو نہ! وہ قسمیں کھاتے ہیں، نہ بڑھ بڑھ کر باتیں بناتے ہیں۔ ہاں کام کے وقت سب سے آگے نکل آتے ہیں اور فعلی حصہ بڑھ چڑھ کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی عمل مخفی نہیں اور اپنے بندوں کے ایک ایک فعل سے باخبر ہے۔ ہر عاصی اور مطیع اُس پر ظاہر ہے۔ ہر ایک کے باطن پر بھی اسکی نگاہیں ویسی ہی ہیں جیسی ظاہر پر گو تم ظاہر کچھ کرو لیکن وہ باطن پر بھی آگاہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد سوم صفحہ ۵۱۸)

(۴۰) حضرت یعقوب علیہ السلام کا دل دہلا دینے والا درد بھرا خط

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف کو اس موقع پر جب کہ بنیامین قید میں تھے، ایک خط لکھا تھا جس میں انہیں رحم دلانے کے لئے لکھا تھا کہ ہم مصیبت زدہ لوگ ہیں۔ میرے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے، میرے دادا حضرت اسحٰق علیہ السلام ذبح کے ساتھ آزمائے گئے، میں خود

فراقِ یوسف میں مبتلا ہوں۔ بچوں نے باپ کا یہ حال دیکھ کر انہیں سمجھانا شروع کیا کہ اباجی! آپ تو اسی کی یاد میں اپنے تئیں گھلا دیں گے بلکہ ہمیں تو ڈر ہے کہ اگر آپ کا یہی حال کچھ دنوں اور رہا تو کہیں زندگی سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں جواب دیا کہ میں تم سے تو کچھ نہیں کہہ رہا، میں تو اپنے رب کے پاس اپنا دکھ رو رہا ہوں اور اس کی ذات سے بہت کچھ امیدوار ہوں۔ وہ بھلائیوں والا ہے، مجھے یوسف کا خواب یاد ہے جس کی تعبیر ظاہر ہو کر رہے گی۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک مخلص دوست نے ایک مرتبہ آپ سے پوچھا کہ آپ کی بینائی کیسے جاتی رہی اور آپ کی کمر کیسے کبڑی ہوگئی۔ آپ نے فرمایا۔ یوسف کو رو رو کر آنکھیں کھو بیٹھا اور بنیامین کے صدمے نے کمر توڑ دی۔ اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کے بعد کہتا ہے کہ میری شکایتیں دوسروں کے سامنے کرنے سے شرماتے نہیں؟ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسی وقت فرمایا کہ میری پریشانی اور غم کی شکایت اللہ ہی کے سامنے ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: آپ کی شکایت کا خدا کو خوب علم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد سوم صفحہ ۱۱)

(۴۱) گناہ کی وجہ سے بندہ روزی سے محروم ہو جاتا ہے

پس خدا کا حتمی وعدہ ہوا اور اس کا اعلان بھی کہ شکر گذاروں کی نعمتیں اور بڑھ جائیں گی اور ناشکروں کی، نعمتوں کے منکروں اور ان کے چھپانے والوں کی نعمتیں اور چھن جائیں گی اور انہیں سخت سزا ہوگی۔ حدیث میں ہے: بندہ بوجہِ گناہ کے خدا کی روزی سے محروم ہو جاتا ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک سائل گذرا۔ آپ نے اسے ایک کھجور دی، وہ بڑا بگڑا اور کھجور نہ لی۔ پھر دوسرا سائل گزرا۔ آپ نے اسے بھی وہی کھجور دی۔ اس نے اسے بہ خوشی لے لیا اور کہنے لگا: ''اللہ کے رسول کا عطیہ ہے۔'' آپ نے اسے بیس درہم دینے کا حکم دیا اور روایت میں ہے کہ آپ نے لونڈی سے فرمایا کہ اسے لے جاؤ اور امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس چالیس درہم ہیں وہ اسے دلوا دو۔

(تفسیر ابن کثیر جلد سوم صفحہ ۵۷)

(۴۲) صدقہ کیجئے، ستر شیطانوں کے جبڑے توڑیئے

صحیحین کی حدیث میں ہے: بخیل اور سخی کی مثال ان دو شخصوں جیسی ہے جن پر دو لوہے کے جبے ہوں سینے سے گلے تک۔ سخی تو جوں جوں خرچ کرتا ہے اس کی کڑیاں ڈھیلی ہو جاتی ہیں اور اس کے ہاتھ کھلتے جاتے ہیں اور وہ جبہ بڑھ جاتا ہے یہاں تک کہ اسکی پوریوں تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے اثر کو مٹاتا ہے اور بخیل جب کبھی خرچ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے جبے کی کڑیاں اور سمٹ جاتی ہیں، وہ ہر چند اسے وسیع کرنا چاہتا ہے لیکن اس میں کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔ صحیحین میں ہے کہ آپ نے حضرت اسماء

بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ادھر ادھر خدا کی ہر راہ میں خرچ کرتی رہ۔ جمع نہ رکھا کر ورنہ اللہ بھی روک لے گا۔ بند باندھ کر روک نہ لیا کر ورنہ پھر خدا بھی سر بند کر لے گا۔ ایک اور روایت میں ہے، شمار کر کے نہ رکھا کر ورنہ اللہ تعالیٰ بھی گنتی کر کے روک لے گا۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تو راہ خدا میں خرچ کیا کر، اللہ تعالیٰ تجھے دیتا رہے گا۔ صحیحین میں ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر صبح دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں۔ ایک دعا کرتا ہے کہ خدایا! سخی کو بدلہ دے اور دوسرا دعا کرتا ہے کہ بخیل کا مال تلف کر۔ مسلم شریف میں ہے: صدقے خیرات سے کسی کا مال نہیں گھٹتا اور سخاوت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ ذی عزت کر دیتا ہے اور جو شخص اللہ کے حکم کی وجہ سے دوسروں سے عاجزانہ برتاؤ کرے اللہ اسے بلند درجے کا کر دیتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے: طمع سے بچو! اسی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا ہے۔ طمع کا پہلا حکم یہ ہوتا ہے کہ بخیلی کرو، انہوں نے بخیلی کی۔ پھر اس نے انہیں صلہ رحمی توڑنے کو کہا انہوں نے وہ بھی کیا، پھر فسق و فجور کا حکم دیا، یہ اس پر بھی کاربند ہوئے، بیہقی میں ہے کہ جب انسان خیرات کرتا ہے، ستر شیطانوں کے جبڑے ٹوٹ جاتے ہیں۔ مسند کی حدیث میں ہے: میانہ خرچ رکھنے والا کبھی فقیر نہیں ہوتا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد سوم صفحہ ۱۹۷)

(۴۳) پوشیدہ دعا خدا کو زیادہ پیاری ہوتی ہے

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی کا پیشہ کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ رب سے دعا کرتے تھے لیکن اس وجہ سے کہ لوگوں کے نزدیک یہ انوکھی دعا تھی، کوئی سنتا تو خیال کرتا کہ لو بڑھاپے میں اولاد کی چاہت ہوئی ہے اور یہ وجہ بھی تھی کہ پوشیدہ دعا خدا کو زیادہ پیاری ہوتی ہے اور قبولیت سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ متقی دل کو بخوبی جانتا ہے اور آہستگی کی آواز کو پوری طرح سنتا ہے۔ بعض سلف کا قول ہے کہ جو شخص اپنے والوں کی پوری نیند کے وقت اُٹھے اور پوشیدگی سے خدا کو پکارے کہ اے میرے پروردگار! اے میرے پالنہار! اے میرے رب! اللہ تعالیٰ اسی وقت جواب دیتا ہے کہ لبیک! میں موجود ہوں، میں تیرے پاس ہوں۔ دعا میں کہتے ہیں کہ خدایا! میرے قویٰ کمزور ہو گئے ہیں، میری ہڈیاں کھوکھلی ہو گئی ہیں، اندرونی اور بیرونی ضعف نے گھیر لیا ہے۔ میں تیرے دروازے سے کبھی خالی ہاتھ نہیں گیا۔ جب تجھ کریم سے کچھ مانگا تو نے عطا فرمایا۔

(تفسیر ابن کثیر جلد سوم صفحہ ۲۸۷)

(۴۴) رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کیجئے

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

''اللہ تعالیٰ عدل کا، بھلائی کا اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں سے، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم و زیادتی سے روکتا ہے، وہ تمہیں نصیحتیں کر رہا ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو۔''

اس آیت کے شانِ نزول میں ایک حسن حدیث مسند امام احمد میں وارد ہوئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگنائی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ عثمان بن مظعون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیٹھتے نہیں ہو؟ وہ بیٹھ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہو کر باتیں کر رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دفعۃً اپنی نظریں آسمان کی جانب اُٹھائیں۔ کچھ دیر اوپر ہی کو دیکھتے رہے، پھر نگاہیں آہستہ آہستہ نیچی کیں اور اپنی دائیں جانب زمین کی طرف دیکھنے لگے اور اسی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رخ بھی کر لیا اور اس طرح سر ہلانے لگے گویا کسی سے کچھ سمجھ رہے ہیں اور کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کہہ رہا ہے۔ تھوڑی دیر تک یہی حالت طاری رہی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہیں اونچی کرنی شروع کیں یہاں تک کہ آسمان تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں پہنچیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھیک ٹھاک ہو گئے او اسی پہلی بیٹھک پر عثمان کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔ وہ یہ سب دیکھ رہے تھے اُن سے صبر نہ ہو سکا، پوچھا کہ حضرت! آپ کے پاس کئی بار بیٹھنے کا اتفاق ہوا لیکن آج جیسا منظر تو کبھی نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم نے کیا دیکھا؟ کہا: یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی، پھر نیچے کر لی اور اپنے دائیں طرف دیکھنے لگے اور اسی طرف گھوم کر بیٹھ گئے، مجھے چھوڑ دیا، پھر اس طرح سر ہلانے لگے جیسے کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کہہ رہا ہو اور آپ اچھی طرح ان سے سن سمجھ رہے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا تم نے یہ سب کچھ دیکھا! انہوں نے کہا برابر دیکھتا ہی رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس خدا تعالیٰ کا بھیجا ہوا فرشتہ وحی لے کر آیا تھا۔ انہوں نے کہا خدا تعالیٰ کا بھیجا ہوا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ہاں! خدا تعالیٰ کا بھیجا ہوا۔ پوچھا: پھر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کہا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اسی وقت میرے دل میں ایمان بیٹھ گیا اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت نے میرے دل میں گھر کر لیا اور روایت میں حضرت عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگاہیں اوپر کو اٹھائیں اور فرمایا: جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے حکم دیا کہ میں اس آیت کو اس سورۃ کی اس جگہ رکھوں۔ یہ روایت بھی صحیح ہے، واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر جلد سوم صفحہ ۳۹)

⑮ حضرت نوح علیہ السلام شکر بہت کرتے تھے

مروی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام چونکہ کھا کر، پی کر، پہن کر غرض ہر وقت خدا کی حمد و ثنا بیان فرماتے

رہتے تھے اس لئے آپ کو شکر گزار بندہ کہا گیا ہے۔ مسند احمد وغیرہ میں فرمانِ رسول اللہ ﷺ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے سے بہت ہی خوش ہوتا ہے جو نوالہ کھائے تو شکرِ خدا بجالائے اور پانی کا گھونٹ پیے تو خدا کا شکر ادا کرے۔ یہ بھی مروی ہے کہ آپ ہر حال میں خدا کا شکر ادا کرتے رہتے۔ شفاعت والی لمبی حدیث جو بخاری وغیرہ میں ہے اُس میں ہے کہ جب لوگ طلبِ شفاعت کے لئے حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو ان سے کہیں گے کہ زمین والوں کی طرف آپ ہی پہلے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام شکر گزار بندہ رکھا ہے، آپ اپنے رب سے ہماری سفارش کیجئے الخ۔

(تفسیر ابن کثیر جلد سوم صفحہ ۱۸۲)

۴۶ آخری زمانے میں حافظوں کے دلوں میں سے قرآن سلب ہو جائے گا

اللہ تعالیٰ اپنے زبردست احسان اور عظیم الشان نعمت کو بیان فرما رہا ہے جو اس نے اپنے حبیب محمد مصطفےٰ ﷺ پر انعام کی ہے یعنی آپ پر وہ پاک کتاب نازل فرمائی جس میں کہیں سے بھی کسی وقت باطل کی آمیزش ناممکن ہے، اگر وہ چاہے تو اس وحی کو سلب بھی کر سکتا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آخر زمانے میں ایک سرخ ہوا چلے گی، شام کی طرف سے یہ اٹھے گی، اس وقت قرآن کے ورقوں میں سے اور حافظوں کے دلوں میں سے قرآن سلب ہو جائے گا۔ ایک حرف بھی باقی نہیں رہے گا۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾

”اگر ہم چاہیں تو جو وحی تیری طرف ہم نے اُتاری ہے سب سلب کر لیں، پھر تجھے اس کے لئے ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی بھی میسر نہ آ سکے۔“

پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی، پھر اپنا فضل و کرم اور احسان بیان کر کے فرماتا ہے کہ اس قرآن کریم کی بزرگی ایک یہ بھی ہے کہ تمام مخلوق اس کے مقابلے سے عاجز ہے کسی کے بس میں اس جیسا کلام نہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ بے مثل، بے نظیر، بے شریک ہے، اسی طرح اس کا کلام مثلیت سے، نظیر سے اپنے جیسے سے پاک ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد سوم صفحہ ۲۲۶)

۴۷ نیکوں اور بروں کا انجام

صفوان بن محرز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن دو شخصوں کو لایا جائے گا۔ ایک تو وہ جو ساری دنیا کا بادشاہ تھا، اس سے حساب لیا جائے گا تو اس کی پوری عمر میں ایک نیکی بھی نہ نکلے گی۔ پس

اسے جہنم کے داخلے کا حکم ملے گا۔ پھر دوسرا شخص آئے گا جس نے ایک کمبل میں دنیا گزاری تھی، جب اس سے حساب لیا جائے گا تو یہ کہے گا کہ خدایا! میرے پاس دنیا میں تھا ہی کیا جس کا حساب لیا جائے گا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ سچا ہے اسے چھوڑ دو۔ اسے جنت میں جانے کی اجازت دی جائے گی۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد دونوں کو بلایا جائے گا تو جہنمی بادشاہ تو مثل سوختہ کوئلے کے ہو گیا ہوگا۔ اس سے پوچھا جائے گا کہو! کس حال میں ہو؟ یہ کہے گا: نہایت برے حال میں اور نہایت خراب جگہ میں۔ پھر جنتی کو بلایا جائے گا، اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا۔ اس سے پوچھا جائے گا: کہو کیسی گزرتی ہے؟ یہ کہے گا: الحمدللہ! بہت اچھی اور نہایت بہتر جگہ میں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جاؤ؟ اپنی جگہ پھر چلے جاؤ۔ سعید صواف رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ مومن پر تو قیامت کا دن ایسا چھوٹا ہوگا جیسے عصر سے مغرب کا وقت۔ یہ جنت کی کیاریوں میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ اور مخلوق کے حساب ہو جائیں۔ پس جنتی بہتر ٹھکانے والے اور عمدہ جگہ والے ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد چہارم صفحہ ۴)

۴۸ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں آسمان زمین کی کنجیاں ہیں

مسند کی حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے میرے بندو! تم سب گنہگار ہو مگر جسے میں معاف کر دوں، تم سب فقیر ہو مگر جسے میں غنی کر دوں، میں جواد ہوں، میں ماجد ہوں، میں واجد ہوں، جو چاہتا ہوں کرتا ہوں، میرا انعام بھی ایک کلام ہے اور میرا عذاب بھی کلام ہے۔ میں جس چیز کو کرنا چاہتا ہوں، کہہ دیتا ہوں کہ 'ہو جا' وہ ہو جاتی ہے۔'' ہر برائی سے اُسی حیّ و قیوم کی ذات پاک ہے۔ جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے، جس کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمینوں کی کنجیاں ہیں۔ وہ سب کا خالق ہے وہی اصلی حاکم ہے، اسی کی طرف قیامت کے دن سب لوٹائے جائیں گے اور وہی عادل و منعم خدا تعالیٰ اُنہیں سزا و جزا دے گا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد چہارم صفحہ ۳۵۷)

۴۹ دو شریکوں کا درد بھرا قصہ پڑھیے

دو شخص آپس میں شریک تھے، اُن کے پاس آٹھ ہزار اشرفیاں جمع ہو گئیں، ایک چونکہ پیشے، حرفے سے واقف تھا اور دوسرا ناواقف تھا اس لئے اس واقف کار نے ناواقف سے کہا کہ اب ہمارا نباہ مشکل ہے، آپ اپنا حق لے کر الگ ہو جایئے، آپ کام کاج سے ناواقف ہیں۔ چنانچہ دونوں نے اپنے اپنے حصے الگ الگ کر لئے اور جدا جدا ہو گئے۔ پھر اس حرفے والے نے بادشاہ کے مر جانے کے بعد اس کا شاہی محل ایک ہزار دینار میں خریدا اور اپنے ساتھی کو بلا کر اسے دکھایا اور کہا: بتلاؤ میں نے کیسی چیز خریدی؟ اس نے بڑی تعریف کی اور یہاں سے باہر چلا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور کہا خدایا! اس میرے ساتھی نے تو ہزار دینار کا قصرِ دنیوی خرید کیا ہے اور میں تجھ سے جنت کا محل چاہتا ہوں۔ میں تیرے نام پر تیرے

مسکین بندوں پر ایک ہزار دینار خرچ کرتا ہوں۔ چنانچہ اس نے ایک ہزار دینار راہِ خدا میں خرچ کر دیئے۔ پھر اُس دنیا دار شخص نے ایک زمانے کے بعد ایک ہزار دینار خرچ کر کے اپنا نکاح کیا۔ دعوت میں اپنے اس پرانے شریک کو بھی بلایا اور اس سے ذکر کیا کہ میں نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے اس عورت سے شادی کی ہے۔ اس نے اس کی بھی تعریف کی۔ باہر آ کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک ہزار دینار دیئے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اے بارِ الٰہا! میرے ساتھی نے اتنی ہی رقم خرچ کر کے یہاں کی عورت حاصل کی ہے اور میں اس رقم سے تجھ سے حورعین کا طالب ہوں اور پھر وہ رقم راہ خدا میں صدقہ کر دی۔ پھر کچھ مدت کے بعد اُس دنیا دار نے اس کو بلا کر کہا کہ دو ہزار کے دو باغ میں نے خرید کیے ہیں دیکھ لو کیسے ہیں؟ اُس نے دیکھ کر بہت تعریف کی اور باہر آ کر اپنی عادت کے مطابق جنابِ باری تعالیٰ میں عرض کیا کہ "خدایا! میرے ساتھی نے دو ہزار کے دو باغ یہاں کے خریدے ہیں میں تجھ سے جنت کے دو باغ چاہتا ہوں اور یہ دو ہزار دینار تیرے نام پر صدقہ ہیں۔" چنانچہ اس رقم کو مستحقوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر جب فرشتہ ان دونوں کو فوت کر کے لے گیا، اس صدقہ کرنے والے کو جنت کے محل میں پہنچایا گیا، جہاں پر ایک حسین عورت بھی اسے ملی اور اسے دو باغ بھی دیئے گئے اور وہ وہ نعمتیں ملیں جنہیں بجز خدا تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ تو اُسے اُس وقت اپنا وہ ساتھی یاد آ گیا۔ فرشتے نے بتلایا کہ وہ تو جہنم میں ہے۔ تم اگر چاہو تو جھانک کر اُسے دیکھ سکتے ہو۔ اُس نے جب اُسے جہنم کے اندر جلتا دیکھا تو اُس سے کہا کہ "قریب تھا کہ تو مجھے بھی چکمہ دے جاتا اور یہ تو رب تعالیٰ کی مہربانی ہوئی کہ میں بچ گیا۔"

اور روایت میں ہے کہ تین تین ہزار دینار تھے، ایک کافر تھا اور ایک مومن تھا۔ جب یہ مومن اپنی کل رقم راہِ خدا میں خرچ کر چکا تو جھلی سر پر رکھ کر، کدال پھاوڑا لے کر مزدوری کے لئے چلا۔ اُسے ایک شخص ملا اور کہا کہ اگر تو میرے جانوروں کی سائیسی کرے اور گوبر اُٹھائے تو میں تجھے کھانے پینے کو دے دوں گا۔ اس نے منظور کر لیا اور کام شروع کر دیا لیکن یہ شخص بڑا بے رحم اور بدگمان تھا۔ جہاں اس نے کسی جانور کو بیمار یا کمزور دیکھا تو اس مسکین ملازم کی گردن توڑتا، خوب مارتا پیٹتا اور کہتا کہ اس کا دانہ تو چرا لیتا ہو گا۔ اس مسلمان سے یہ بے جا سختی برداشت نہ کی گئی تو ایک دن اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میں اپنے کافر شریک کے ہاں چلا جاؤں، اس کی کھیتی ہے باغات ہیں۔ میں وہاں کام کاج کر دوں گا اور وہ مجھے روٹی کا ٹکڑا دے دیا کرے گا اور مجھے کیا لینا دینا ہے؟ وہاں جو پہنچا تو شاہی ٹھاٹھ دیکھ کر حیران ہو گیا، ایک بلند و بالا محل ہے، دربان اور پہرے دار ڈیوڑھی پر، اور چوکی دار، غلام اور لونڈیاں سب موجود ہیں۔ یہ ٹھٹکا اور دربانوں نے اُسے روکا۔ اس نے ہر چند کہا کہ تم اپنے مالک سے میرا ذکر کرو۔ انہوں نے کہا اب وقت نہیں، تم ایک کونے میں پڑے رہو، صبح جب وہ نکلیں تو خود سلام کر لینا۔ اگر تم سچے ہو تو وہ تمہیں پہچان لیں گے ورنہ پھر ہمارے ہاتھوں تمہاری پوری مرمت ہو جائے گی۔" اس

مسکین کو یہی کرنا پڑا۔ جو کمبل کا ٹکڑا یہ جسم سے لپیٹے ہوئے تھا اُسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا اور ایک کونے میں دبک کر پڑ گیا۔ صبح کے وقت اُس کے راستے پر جا کھڑا ہوا۔ جب وہ نکلا اور اس پر نگاہ پڑی تو متعجب ہو کر پوچھا کہ ''ہیں! یہ کیا حالت ہے، مال کیا ہوا؟'' اس نے کہا وہ کچھ نہ پوچھو! اس وقت تو میرا کام جو ہے اُسے پورا کر دو، یعنی مجھے موقع دو کہ میں تمہاری کھیتی باڑی کا کام مثل اور نوکروں کے انجام دوں اور آپ مجھے کھانا دے دیا کیجئے اور جب یہ کمبل بوسیدہ ہو کر پھٹ جائے تو ایک کمبل اور خرید دینا۔ اس نے کہا، نہیں نہیں، میں اس سے بہتر سلوک تمہارے ساتھ کرنے کے لئے تیار ہوں، لیکن یہ بتلاؤ کہ اس رقم کو تم نے کیا کیا؟ جواب دیا کہ میں نے وہ رقم ایک شخص کو قرض دی ہے۔ اس نے سوال کیا کہ کسے؟ کہا ''ایسے کو جو نہ لے کر مکرے، نہ دینے سے انکار کرے۔'' اس نے کہا وہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا ''وہ اللہ تعالیٰ ہے جو میرا اور تیرا رب ہے۔'' یہ سنتے ہی اس کافر نے اس مسلمان سے ہاتھ چھڑا لیا، اور اس سے کہا: ''احمق ہوا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم مر کر جب مٹی ہو جائیں تو پھر دوبارہ زندہ ہو سکیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں بدلے دے؟ جا! جب تو ایسا ہی بودا اور ایسے عقیدوں والا ہے تو مجھے تجھ سے کوئی سروکار نہیں۔'' پس وہ کافر تو گلچھرے اُڑاتا رہا اور یہ مومن سختی سے دن گزارتا رہا یہاں تک کہ دونوں کو موت آ گئی۔ مسلمان کو جنت میں جو جو نعمتیں اور رحمتیں ملیں وہ انداز وشمار سے زائد تھیں۔ اُس نے جو دیکھا کہ حدِ نظر سے بلکہ ساری دنیا سے زیادہ تو زمین ہے اور بے شمار درخت اور باغات ہیں اور جا بجا نہریں اور چشمے ہیں، تو پوچھا یہ سب کس کا ہے؟ جواب ملا کہ یہ سب آپ کا ہے۔ کہا سبحان اللہ! یہ تو اللہ تعالیٰ کی بڑی مہربانی ہے۔ اب جو آگے بڑھا تو اس قدر لونڈی غلام دیکھے کہ گنتی نہیں ہوسکتی۔ پوچھا یہ کس کے ہیں؟ کہا گیا کہ سب آپ کے۔ اسے اور زیادہ تعجب اور خوشی ہوئی۔ پھر جو آگے بڑھتا ہے تو سرخ یاقوت کے محل نظر آتے ہیں۔ ایک موتی کا ایک محل اور ہر ہر محل میں کئی کئی حورِ عین، ساتھ ہی اطلاع ہوئی کہ یہ سب کچھ بھی آپ ہی کا ہے۔ پھر تو اس کی باچھیں کھل گئیں۔ کہنے لگا کہ خدا جانے میرا وہ کافر ساتھی کہاں ہوگا؟ خدا تعالیٰ نے اسے دکھایا کہ وہ جہنم میں جل رہا ہے، اب ان میں وہ باتیں ہوئیں جن کا ذکر یہاں ہوا ہے۔ پس مومن پر دنیا میں جو بلائیں آئی تھیں، اُنہیں وہ یاد کرے گا تو موت سے زیادہ بھاری بلا اُسے کوئی نظر نہ آئے گی۔ (تفسیر ابن کثیر جلد چہارم صفحہ ۳۶۷)

۵۰ آپ ﷺ کا خواب میں اللہ تعالیٰ سے بات کرنا، یہ سراسر حق ہے اسے پڑھو، پڑھاؤ، سیکھو اور سکھاؤ

مسند احمد میں ہے کہ ایک دن صبح کی نماز میں حضور ﷺ نے بہت دیر کر دی یہاں تک کہ سورج طلوع ہونے کا وقت آ گیا۔ پھر بہت جلدی کرتے ہوئے آپ ﷺ تشریف لائے، تکبیر کہی گئی اور آپ

نے ہلکی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد ہم سے فرمایا، تھوڑی دیر ٹھہرے رہو۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا، رات میں نمازِ تہجد پڑھ رہا تھا کہ مجھے اونگھ آنے لگی، یہاں تک کہ میں جاگا اور میں نے دیکھا کہ گویا اپنے رب تعالیٰ کے پاس ہوں۔ میں نے اپنے پروردگار کو بہترین عمدہ صورت میں دیکھا۔ مجھ سے جنابِ باری تعالیٰ نے دریافت فرمایا۔ جانتے ہو کہ عالمِ بالا کے فرشتے اس وقت کس امر میں گفتگو اور سوال و جواب کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا: میرے رب! مجھے کیا خبر؟ تین مرتبہ کے سوال و جواب کے بعد میں نے دیکھا کہ میرے دو مونڈھوں کے درمیان اللہ عز وجل نے ہاتھ رکھا یہاں تک کہ انگلیوں کی ٹھنڈک مجھے میرے سینے میں محسوس ہوئی اور مجھ پر ایک چیز روشن ہو گئی۔ پھر مجھ سے فرمایا اب بتاؤ! ملأ اعلیٰ میں کیا بات چیت ہو رہی ہے؟ میں نے کہا: گناہوں کے کفارے کی۔ فرمایا: پھر تم بتاؤ! کفارے کیا کیا ہیں؟ میں نے کہا نماز باجماعت کے لئے قدم اُٹھا کر جانا، نمازوں کے بعد مسجدوں میں بیٹھے رہنا اور دل کے نہ چاہنے پر بھی کامل وضو کرنا۔ پھر مجھ سے میرے خدا تعالیٰ نے پوچھا: درجے کیا ہیں؟ میں نے کہا کھانا کھلانا، نرم کلامی اختیار کرنا اور راتوں کو جب کہ لوگ سوئے پڑے ہوں نماز پڑھنا۔ اب مجھ سے میرے رب تعالیٰ نے فرمایا: مانگ کیا مانگتا ہے؟ میں نے کہا: میں نیکیوں کا کرنا، برائیوں کا چھوڑنا، مسکینوں سے محبت رکھنا اور تیری بخشش اور تیرا رحم اور جب تیرا ارادہ کسی قوم کے ساتھ فتنے کا ہو تو اس فتنے میں مبتلا ہونے سے پہلے ہی موت اور تیری محبت اور تجھ سے محبت رکھنے والوں کی محبت اور ان کاموں کی چاہت جو تیری محبت کے قریب کرنے والے ہوں، مانگتا ہوں۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا یہ سراسر حق ہے اسے پڑھو پڑھاؤ، سیکھو سکھاؤ!

(تفسیر ابن کثیر جلد چہارم صفحہ ۴۰۸)

(۵۱) سورۂ اعلیٰ کی خاص فضیلت

مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ کو یہ سورت بہت محبوب تھی۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تو نے سورہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی اور وَالشَّمْسِ وَضُحٰھَا اور وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی کے ساتھ نماز کیوں نہ پڑھائی؟ مسند احمد میں مروی ہے کہ حضور رسولِ خدا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی اور ھَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَۃِ دونوں عید کی نمازوں میں پڑھا کرتے تھے اور جمعہ والے دن اگر عید ہوتی تو عید میں اور جمعہ میں دونوں میں انہی دونوں سورتوں کو پڑھتے۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں بھی ہے۔ ابن ماجہ وغیرہ میں بھی مروی ہے۔ مسند احمد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وتر نماز میں رسول اللہ ﷺ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی اور قُلْ یٰۤاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ اور قُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ پڑھتے تھے۔ یہ حدیث بھی بہت سے صحابیوں سے بہت سے طرق کے ساتھ مروی ہے۔ ہمیں اگر کتاب کے مطوّل ہو جانے کا خوف نہ ہوتا تو ان سندوں کو اور ان تمام روایتوں کے الفاظ کو جہاں تک میسر ہوتے وارد کرتے لیکن جتنا کچھ اختصار کے ساتھ بیان کر دیا یہ بھی کافی ہے، واللہ اعلم۔

(تفسیر ابن کثیر جلد پنجم صفحہ ۵۳۹)

(۵۲) دیندار بننا آسان ہے، دین پر جمنا مشکل ہے

مسند احمد میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پڑوسی اپنے کسی سفر سے واپس آئے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ ان سے ملاقات کرنے کے لئے گئے۔ اُنہوں نے لوگوں کی پھوٹ اور ان کے اختلافات کا حال بیان کیا اور ان کی نو ایجاد بدعتوں کا تذکرہ کیا تو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور روتے ہوئے فرمانے لگے کہ میں نے حبیبِ خدا شافعِ روزِ جزا حضرت محمد مصطفیٰ فِداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ لوگوں کی فوجوں کی فوجیں خدا کے دین میں داخل ہوئیں لیکن عنقریب جماعتوں کی جماعتیں ان میں سے نکلنے بھی لگ جائیں گی۔ (تفسیر ابن کثیر جلد پنجم صفحہ ۶۱۱)

(۵۳) معاف کردینے والا میٹھی نیند سوتا ہے اور بدلے کی دھن والا غمگین رہتا ہے

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ جب تم سے آکر کوئی شخص کسی اور کی شکایت کرے تو اسے تلقین کرو کہ بھائی معاف کردو۔ معافی میں ہی بہتری ہے اور یہی پرہیزگاری کا ثبوت ہے۔ اگر وہ نہ مانے اور اپنے دل کی کمزوری کا اظہار کرے تو خیر کہہ دو کہ جاؤ بدلہ لے لو لیکن اس صورت میں کہ پھر کہیں تم بڑھ نہ جاؤ، ورنہ ہم تو اب بھی یہی کہیں گے کہ معاف کردو۔ یہ دروازہ بہت وسعت والا ہے اور بدلے کی راہ بہت تنگ ہے۔ سنو! معاف کردینے والا تو بآرام میٹھی نیند سو جاتا ہے اور بدلے کی دھن والا دن رات متفکر رہتا ہے اور توڑ جوڑ سوچتا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں تشریف فرما تھے، آپ مسکرانے لگے، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ خاموش تھے لیکن جب اس نے بہت گالیاں دیں تو آپ نے بھی بعض کا جواب دیا، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو کر وہاں سے چل دیئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ مجھے برا کہتا رہا تو آپ بیٹھے سنتے رہے اور جب میں نے اس کی ایک دو باتوں کا جواب دیا تو آپ ناراضی سے اُٹھ چلے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! جب تک تم خاموش تھے فرشتہ تمہاری طرف سے جواب دیتا تھا جب تم آپ بولے تو فرشتہ ہٹ گیا اور شیطان بیچ میں آ گیا پھر بھلا میں شیطان کی موجودگی میں کیسے بیٹھا رہتا؟ پھر فرمایا: سنو! ابوبکر! تین چیزیں بالکل برحق ہیں (۱) جس پر کوئی ظلم کیا جائے اور وہ اس سے چشم پوشی کرے تو ضرور اللہ تعالیٰ اسے عزت دے گا اور اس کی مدد کرے گا۔ (۲) جو شخص سلوک اور احسان کا دروازہ کھولے گا اور صلہ رحمی کے ارادے سے لوگوں کو دیتا رہے گا اللہ تعالیٰ اسے برکت دے گا اور زیادتی عطا فرمائے گا۔ (۳) جو شخص بڑھانے کے لئے سوال کا دروازہ کھول

لے گا تو وہ اُس سے مانگتا پھرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاں بے برکتی دے گا اور کمی میں ہی مبتلا رکھے گا۔ یہ روایت ابوداؤد میں بھی ہے اور مضمون کے اعتبار سے یہ بڑی پیاری حدیث ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد پنجم صفحہ ۲۲)

۵۴ ابن عباس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجیب نصیحت کی

ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے: جو شخص ہر طرف سے کھنچ کر اللہ کا ہو جائے۔ اللہ اس کی ہر مشکل میں اس کی کفالت کرتا ہے اور بے گمان روزیاں دیتا ہے اور جو خدا سے ہٹ کر دنیا ہی کا ہو جائے، اللہ بھی اُسے اسی کی طرف سونپ دیتا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی سواری پر آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا: بچے! میں تمہیں چند باتیں سکھاتا ہوں: سنو! تم اللہ کی یاد رکھو وہ تمہیں یاد رکھے گا، اللہ کے حکم کی حفاظت کرو تو اللہ کو اپنے پاس بلکہ اپنے سامنے پاؤ گے، جب کچھ مانگنا ہو تو اللہ ہی سے مانگو، جب مدد طلب کرنی ہو اسی سے مدد چاہو کہ تمام امت مل کر تمہیں نفع پہنچانا چاہے اور خدا کو منظور نہ ہو تو ذرا سا بھی نفع نہیں پہنچا سکتی اور اسی طرح سارے کے سارے جمع ہو کر تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو بھی نہیں پہنچا سکتے اگر تقدیر میں نہ لکھا ہو، قلمیں اٹھ چکیں اور صحیفے خشک ہو گئے۔ ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ مسند احمد کی اور حدیث میں ہے جسے کوئی حاجت ہو اور وہ لوگوں کی طرف لے جائے تو بہت ممکن ہے کہ وہ سختی میں پڑ جائے اور کام مشکل ہو جائے اور جو اپنی حاجت اللہ کی طرف لے جائے اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مراد پوری کرتا ہے یا تو جلدی اسی دنیا میں ہی یا دیر کے بعد یعنی موت کے بعد۔

(تفسیر ابن کثیر جلد پنجم صفحہ ۳۷۶)

۵۵ داعی کی دس صفات ہونی چاہئیں

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝

”پس تو لوگوں کو اسی طرف بلاتا رہ اور جو کچھ تجھ سے کہا گیا ہے اس پر مضبوطی سے جم جا اور ان کی خواہشوں پر نہ چل، اور کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میرا ان پر ایمان ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تم میں انصاف کرتا رہوں۔ ہمارا اور تم سب کا پروردگار اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں۔ ہم تم میں کوئی گفتگو نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔“

اس آیت میں ایک لطیفہ ہے جو قرآن کریم کی صرف ایک اور آیت میں پایا جاتا ہے باقی کسی اور آیت میں نہیں۔ وہ یہ کہ اس میں دس کلمے ہیں جو سب مستقل ہیں۔ الگ الگ ایک ایک کلمہ اپنی ذات میں ایک مستقل حکم ہے۔ یہی بات دوسری آیت یعنی آیت الکرسی میں بھی ہے۔ پس ❶ پہلا حکم تو یہ ہوتا ہے کہ وحی تجھ پر نازل کی گئی ہے اور وہی وحی تجھ سے پہلے کے تمام انبیاء پر آتی رہی ہے اور جو شرع تیرے لئے مقرر کی گئی ہے اور وہی تجھ سے اگلے تمام انبیائے کرام کے لئے بھی مقرر کی گئی تھی تو تمام لوگوں کو اس کی دعوت دے۔ ہر ایک کو اسی کی طرف بلا اور اس کے منوانے اور پھیلانے کی کوشش میں لگا رہ۔ ❷ خدائے تعالیٰ کی عبادت و وحدانیت پر تو آپ استقامت کر اور اپنے ماننے والوں سے استقامت کرا۔ ❸ مشرکین نے جو کچھ اختلاف کر رکھے ہیں، جو تکذیب و افترا ان کا شیوہ ہے، جو عبادتِ غیر خدا ان کی عادت ہے۔ خبردار! تو ہرگز ہرگز ان کی خواہشوں اور ان کی چاہتوں میں مت آجانا۔ ان کی ایک بھی نہ ماننا۔ ❹ اور علی الاعلان اپنے اس عقیدے کی تبلیغ کر کہ خدا کی نازل کردہ تمام کتابوں پر میرا ایمان ہے۔ میرا یہ کام نہیں کہ ایک کو مانوں اور دوسری سے انکار کروں، ایک کو لوں اور ایک کو چھوڑوں۔ ❺ میں تم میں وہی احکام جاری کرنا چاہتا ہوں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے میرے پاس پہنچائے گئے ہیں اور جو سراسر عدل اور یکسر انصاف پر مبنی ہیں۔ ❻ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ہمارا تمہارا معبود برحق وہی ہے اور وہی سب کا پالنہار ہے۔ گرچہ کوئی اپنی خوشی سے اس کے سامنے نہ جھکے لیکن دراصل ہر شخص بلکہ ہر چیز اس کے آگے جھکی ہوئی ہے اور سجدے میں گر پڑی ہوتی ہے۔ ❼ ہمارے عمل ہمارے ساتھ، تمہاری کرنی تمہیں بھرنی۔ ہم تم میں کوئی تعلق نہیں۔ جیسے اور آیت میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: اگر تجھے جھٹلائیں تو کہہ دے کہ میرے لئے میرے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں۔ تم میرے اعمال سے بری اور میں تمہارے اعمال سے بری اور میں تمہارے اعمال سے بیزار۔ ❽ ہم تم میں کوئی خصومت اور جھگڑا نہیں، کسی بحث مباحثے کی ضرورت نہیں۔ حضرت سُدّی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حکم تو مکہ میں تھا لیکن مدینہ میں جہاد کے احکام اترے۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو کیونکہ یہ آیت مکیہ ہے اور جہاد کی آیتیں ہجرت کے بعد کی ہیں۔ ❾ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہم سب کو جمع کرے گا۔ جیسے اور آیت میں ہے قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا الخ یعنی تو کہہ دے کہ ہمیں ہمارا رب تعالیٰ جمع کرے گا پھر ہم میں حق کے ساتھ فیصلے کرے گا اور وہی فیصلے کرنے والا اور علم والا ہے۔ ❿ پھر فرماتا ہے: لوٹنا خدا تعالیٰ کی طرف ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد پنجم صفحہ ۹)

(۵۶) اغراض سے دین کا کام کرنے والوں کی عجیب وغریب علامتیں

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: منافقوں کی بہت سی علامتیں ہیں جن سے وہ

پہچان لئے جاتے ہیں۔ ان کا سلام لعنت ہے اور ان کی خوراک لوٹ مار ہے، ان کی غنیمت حرام اور خیانت ہے، وہ مسجدوں کی نزدیکی ناپسند کرتے ہیں، وہ نمازوں کے لئے آخری وقت آتے ہیں، تکبر اور نخوت والے ہوتے ہیں، نرمی اور سلوک، تواضع و انکساری سے محروم ہوتے ہیں، نہ خود ان کاموں کو کریں، نہ دوسروں کے ان کاموں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھیں، رات کی لکڑیاں اور دن کے شور وغل کرنے والے اور روایت میں ہے دن کو خوب کھانے پینے والے اور رات کو خشک لکڑی کی طرح پڑ رہنے والے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد پنجم صفحہ ۳۶۰)

۵۷ سوال: حضرت! آپ کے بیان میں میاں بیوی کا قصہ سنا تھا، حوالہ دیجئے

مسند احمد کی حدیث اس جگہ وارد کرنے کے قابل ہے جس میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کسی زمانے میں ایک میاں بیوی تھے جو فقر و فاقہ سے اپنی زندگی گزار رہے تھے۔ پاس کچھ بھی نہ تھا۔ ایک مرتبہ یہ شخص سفر سے آیا اور سخت بھوکا تھا، بھوک کے مارے بیتاب تھا۔ آتے ہی بیوی سے پوچھا: کھانے کو ہے؟ اس نے کہا: آپ خوش ہو جایئے، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روزی ہمارے ہاں آپہنچی ہے۔ اس نے کہا: پھر لاؤ جو کچھ ہو: دے دو، میں بہت بھوکا ہوں۔ بیوی نے کہا: اور ذرا دیر صبر کرلو، اللہ کی رحمت سے ہمیں بہت کچھ امید ہے، پھر جب کچھ دیر اور ہوگئی تو اس نے بیتاب ہو کر کہا: جو کچھ تمہارے پاس ہے، دیتی کیوں نہیں؟ مجھے تو بھوک سے سخت تکلیف ہو رہی ہے۔ بیوی نے کہا: اتنی جلدی کیوں کرتے ہو؟ اب تنور کھولتی ہوں۔ تھوڑی دیر بعد پھر تقاضا کرنا چاہتے ہیں تو خود بخود کہنے لگیں: اب اٹھ کر تنور دیکھتی ہوں۔ اٹھ کر جو دیکھتی ہیں تو قدرتِ خدا سے ان کے توکل کے بدلے وہ بکری کے پہلو کے گوشت سے بھرا ہوا ہے اور دیکھتی ہیں کہ گھر کی دونوں چکیاں از خود چل رہی ہیں اور برابر آٹا نکل رہا ہے۔ انہوں نے تنور میں سے سب گوشت نکال لیا اور چکیوں میں سے سارا آٹا اٹھا لیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اگر وہ صرف آٹا لیتیں اور چکی نہ جھاڑتیں تو قیامت تک چلتی رہتیں اور روایت میں ہے کہ ایک شخص اپنے گھر پہنچا دیکھا کہ بھوک کے مارے گھر والوں کا برا حال ہے، آپ جنگل کی طرف نکل کھڑے ہوئے، یہاں ان کی نیک بخت بیوی صاحبہ نے جب دیکھا کہ میاں بھی پریشان حال ہیں اور یہ منظر نہیں دیکھ سکے اور چل دیئے تو چکی کو ٹھیک ٹھاک کیا، تنور سلگایا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگیں کہ اے اللہ! ہمیں روزی دے۔ دعا کر کے اٹھیں تو دیکھا کہ ہنڈیا گوشت سے پُر ہے، تنور میں روٹیاں لگ رہی ہیں اور چکی سے برابر آٹا ابلا چلا آتا ہے۔ اتنے میں میاں بھی تشریف لائے۔ پوچھا کہ میرے بعد تمہیں کچھ ملا؟ بیوی صاحبہ نے کہا ہاں! ہمارے رب نے ہمیں بہت کچھ عطا فرما دیا، اس نے جا کر چکی کے دوسرے پاٹ کو اٹھا لیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم

سے واقعہ بیان ہوا تو آپ نے فرمایا: اگر وہ اسے نہ اٹھاتا تو قیامت تک یہ چکی چلتی ہی رہتی۔
(تفسیر ابن کثیر جلد پنجم صفحہ ۳۸۰)

۵۸ خدا آپ کو بیوقوفوں کی سرداری سے بچائے

مسند احمد میں ہے کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا تجھے بیوقوفوں کی سرداری سے بچائے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کیا ہے؟ فرمایا: وہ میرے بعد کے سردار ہوں گے جو میری سنتوں پر عمل نہ کریں گے، نہ میرے طریقے پر چلیں گے۔ پس جو لوگ ان کے جھوٹ کی تصدیق کریں اور ان کے ظلم کی امداد کریں، وہ نہ میرے ہیں اور نہ میں ان کا ہوں۔ یاد رکھو! وہ میرے حوضِ کوثر پر بھی نہیں آسکتے اور جو ان کے جھوٹ کو سچا نہ کرے اور ان کے ظلموں میں ان کا مددگار نہ بنے، وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔ یہ لوگ میرے حوضِ کوثر پر مجھ سے ملیں گے۔ اے کعب! روزہ ڈھال ہے اور صدقہ خطاؤں کو مٹا دیتا ہے اور نماز قربِ خدا کا سبب ہے یا فرمایا کہ دلیلِ نجات ہے۔ اے کعب! وہ گوشت پوست جنت میں نہیں جا سکتا جو حرام سے پلا ہو، وہ تو جہنم میں ہی جانے کے قابل ہے۔ اے کعب! لوگ ہر صبح اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتے ہیں، کوئی تو اُسے آزاد کرالیتا ہے اور کوئی ہلاک کر گزرتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد پنجم صفحہ ۴۷۹)

۵۹ گھر سے دین کی نیت سے نکلیے

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جو نکلنے والا نکلتا ہے، اس کے دروازے پر دو جھنڈے ہوتے ہیں۔ ایک فرشتے کے ہاتھ میں، دوسرا شیطان کے ہاتھ میں۔ پس اگر وہ اس کام کے لئے نکلا جو خدا کی مرضی کا کام ہوتا ہے تو فرشتہ اپنا جھنڈا لئے ہوئے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے اور یہ واپسی تک فرشتے کے جھنڈے تلے ہی رہتا ہے اور اگر یہ خدا کی ناراضگی کے کام کے لئے نکلا ہے تو شیطان اپنا جھنڈا لگائے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے اور واپسی تک یہ شیطانی جھنڈے تلے رہتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد پنجم صفحہ ۴۷۹)

۶۰ مدت حمل کے متعلق حضرت علی کا عجیب وغریب فیصلہ

حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ یہ استدلال بہت قوی اور بالکل صحیح ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور صحابۂ کرام کی جماعت نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔ حضرت معمر ابن عبداللہ جہنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے قبیلے کے ایک شخص نے جہینہ کی ایک عورت سے نکاح کیا، چھ مہینے پورے ہوتے ہی اسے بچہ تولد ہوا، اس کے خاوند نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا۔ آپ نے اس عورت کے پاس آدمی بھیجا، وہ تیار ہو کر آنے لگی تو ان کی بہن نے گریہ وزاری شروع کردی۔ اس بیوی صاحبہ نے اپنی بہن کو تسکین دی اور فرمایا: کیوں روتی ہو، خدا کی قسم! مخلوقِ خدا میں سے کسی سے میں نہیں ملی۔ میں نے کبھی کوئی برا فعل

نہیں کیا، تو دیکھو کہ خدا کا فیصلہ میرے بارے میں کیا ہوتا ہے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس یہ آئیں تو آپ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے جواب دیا کہ اس عورت کو نکاح کے چھ مہینے کے بعد بچہ ہوا ہے جو ناممکن ہے۔ یہ سن کر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا آپ نے قرآن نہیں پڑھا؟ فرمایا ہاں پڑھا ہے۔ فرمایا کیا یہ آیت نہیں پڑھی؟ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا اور ساتھ ہی یہ آیت بھی حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ پس مدتِ حمل اور مدتِ دودھ پلائی دونوں کے مل کر تیس مہینے اور اس میں سے جب دودھ پلائی کی کامل مدت دو سال کے چوبیس مہینے وضع کر دیئے جائیں تو باقی چھ مہینے رہ جاتے ہیں تو قرآن کریم سے معلوم ہوا کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے اور اسکی بیوی صاحبہ کو بھی اتنی ہی مدت میں بچہ ہوا، پھر اس پر زنا کا الزام کیسے قائم کر رہے ہو؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واللہ! یہ بات بہت ٹھیک ہے۔ افسوس! میرا خیال ہی اس طرف نہیں گیا۔ جاؤ اس عورت کو لے آؤ۔ پس لوگوں نے اس عورت کو اس حال پر پایا کہ سے فراغت حاصل ہو چکی تھی۔ حضرت معمر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: واللہ! ایک کوا دوسرے کوے سے اور ایک انڈا دوسرے انڈے سے بھی اتنا مشابہ نہیں ہوتا جتنا اس عورت کا یہ بچہ اپنے باپ سے مشابہ تھا۔ خود اس کے والد نے بھی اسے دیکھ کر کہا خدا کی قسم! اس بچے کے بارے میں اب کوئی شک نہیں رہا اور اُسے اللہ تعالیٰ نے ایک ناسور کے ساتھ مبتلا کیا جو اس کے چہرے پر تھا، وہ ہی اسے گھلاتا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔

(تفسیر ابن کثیر جلد پنجم صفحہ ۷۶)

⑥١ پیاسے کو پانی پلانے کی، بھوکے کو کھانا کھلانے کی اور ننگے کو کپڑا پہنانے کی عجیب وغریب فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے اُسے اللہ تعالیٰ ''رحیق مختوم'' پلائے گا یعنی جنت کی مہر والی شراب اور جو کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلائے اُسے اللہ تعالیٰ جنت کے میوے کھلائے گا اور جو کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنائے اللہ تعالیٰ اُسے جنتی سبز ریشم کے جوڑے پہنائے گا۔ (مسند احمد) (تفسیر ابن کثیر جلد پنجم صفحہ ۵۲۴)

⑥٢ اپنے رب سے ہی مانگنے کا تجربہ کیجئے

دہلی کا بادشاہ جنگل میں تنہا گھوڑا دوڑا رہا تھا، تیز رفتار گھوڑے پر سوار، ہرن کے تعاقب میں اپنے ساتھیوں سے بہت دور نکل گیا تھا۔ کئی میل تک گھوڑے نے برق رفتار ہرن کا تعاقب کیا لیکن آخر کار وہ گھنی جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ سخت گرمی کا زمانہ تھا، دوپہر کا وقت تھا، گرم ہوا سے جسم جھلس رہا تھا، پیاس کی شدت سے ہونٹ خشک تھے اور حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ شاہجہاں نے گھوڑا روک کر

جسم سے پسینہ پونچھا اور سوچنے لگا کہ اب پانی کی تلاش میں کدھر جائے۔ گھوڑا بھی گرمی کی شدت سے ہانپ رہا تھا۔

کئی میل چلنے کے بعد کسی بستی کے آثار نظر نہ آئے...... البتہ بہت دور کچھ جانور چرتے نظر پڑے اور بانسری کی آواز بھی تیز جھونکوں کے ساتھ محسوس ہوئی۔ بادشاہ نے اسی سمت اپنے گھوڑے کی باگ موڑ دی۔ چند میل چلنے کے بعد وہ جانوروں کے قریب پہنچے۔ بانسری کی آواز اب صاف سنائی دے رہی تھی۔ کوئی منچلا بڑی دردناک آواز میں بانسری بجا رہا تھا۔ بادشاہ نے گھوڑا روکا۔ کچھ فاصلے پر دیکھا کہ ایک نوجوان شکستہ اور میلے کپڑے پہنے ایک درخت کے نیچے بڑی بے نیازی کے ساتھ ریت پر نیم دراز ہے اور دنیا کی ہر فکر سے آزاد بڑی مستی کے ساتھ بانسری بجا رہا ہے...... بادشاہ دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ کیا اس جنگل کا بادشاہ یہی شکستہ حال نوجوان ہے، شاہ جہاں نے سوچا۔ نوجوان بانسری بجانے میں مگن تھا۔ اس نے سر اٹھا کر ایک نظر دیکھا۔ ہونہہ، کوئی شکاری ہوگا۔ دل میں سوچا اور بانسری بجانے لگ گیا۔ بادشاہ اس کے قریب پہنچا اور پوچھا:

''میاں صاحبزادے! یہاں کہیں پینے کے لئے پانی بھی مل جائے گا'' شاہ جہاں کا شاہانہ لباس اور شاندار گھوڑا دیکھ کر چرواہا ذرا چونکا مگر جلد ہی سنبھل کر بولا: ''یہاں پانی کہاں، پانی تو بستی میں ملے گا۔ تھوڑی ہی دور بستی ہے''، ہاتھ کے اشارے سے چرواہے نے رہنمائی کی اور پھر بے نیازی کے ساتھ بانسری بجانے لگا۔ جانور چر رہے تھے اور وہ بانسری بجانے میں مست تھا۔ شاہجہاں گھوڑے پر سوار ہو کر جانے کی سوچ ہی رہا تھا کہ نوجوان نے پوچھا: کیا تمہیں پیاس لگی ہے؟

ہاں بھئی! پیاس سے برا حال ہے شاہ جہاں نے اس عاجزی سے کہا کہ گویا آج چرواہا ہی بادشاہ ہو۔

چرواہا اُٹھا اور درخت کی جڑ میں رکھا ہوا میلا کچیلا برتن اٹھا لایا، لو یہ پی لو۔ اس میں پانی ہے۔

شاہجہاں نے بےقراری کے ساتھ پانی اپنے حلق میں انڈیل لیا۔ پیاس کی شدت سے شاہ جہاں بوکھلا گیا تھا۔ پانی تو اس نے پہلے بھی پیا تھا لیکن آج تو اسے ایسا محسوس ہوا کہ شاید ایسی نعمت اسے کبھی نہ ملی تھی۔ وہ احسان مندی اور پیار کی نظروں سے چرواہے کو دیکھتے ہوئے بولا:

میاں صاحبزادے! تم رہتے کہاں ہو؟

اسی بستی میں رہتا ہوں، چند میل دور اسی بستی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چرواہے نے بتایا۔

تم کبھی شہر بھی گئے ہو؟ شاہجہاں نے پوچھا۔

کیا تم شہر میں رہتے ہو؟...... دہلی میں لال قلعہ ہے نا، وہاں ایک بہت بڑی مسجد ہے، وہ ہمارے بادشاہ نے بنوائی ہے، کیا تم وہیں رہتے ہو، میں ایک بار باپ کے ساتھ وہاں گیا تھا، چرواہے نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

تم کل وہاں آجانا...... لال قلعہ میں...... اور دیکھو کوئی چیز لاؤ تو میں تمہیں کچھ لکھ کر دے دوں...... بادشاہ نے انعام سے نوازنا چاہا۔

کیا تم لال قلعے میں رہتے ہو، تب تو تم نے شاہجہاں بادشاہ کو ضرور دیکھا ہوگا۔ چرواہے نے حیرت سے شاہجہاں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

میں شاہجہاں ہوں، بادشاہ نے جواب دیا۔

تم بادشاہ ہو، ہمارے بادشاہ۔ حیرت سے چرواہا بادشاہ کو دیکھتا رہ گیا...... اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ واقعۃً شاہجہاں کو دیکھ رہا ہے...... آج چرواہا اپنے بادشاہ سے باتیں کررہا تھا۔ اسے اپنی قسمت پر رشک آرہا تھا، آج بادشاہ اس کا مہمان تھا مگر وہ ڈر رہا تھا کہ اس نے بادشاہ کو بڑی بے رخی سے جواب دیا تھا۔ وہ کچھ سوچ میں پڑ گیا۔

بادشاہ نے اس کا سکوت توڑتے ہوئے کہا: تم ہمارے پاس آنا، ہم تمہیں انعامات دیں گے۔ دیکھو پیڑ کی چھال اٹھالاؤ اور بادشاہ نے پیڑ کی چھال پر کوئلے سے کچھ لکھ کر اس کو دیا۔ تم یہ لے کر لال قلعہ میں آنا، میں تمہارا انتظار کروں گا اور شاہجہاں وہاں سے لوٹ آیا۔

کئی دن گزر گئے۔ شاہجہاں اپنے میزبان کا بے چینی سے انتظار کرتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا، میں اپنے میزبان کو انعام دے کر مالامال کردوں گا۔

جمعہ کا دن تھا۔ بادشاہ جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے جامع مسجد جاچکا تھا۔ لال قلعہ میں کئی روز سے چرواہے کا انتظار تھا۔ آج دوپہر کے وقت چرواہا قلعہ کے پھاٹک پر پیڑ کی چھال لیے ہوئے پہنچا تو قلعے کے محافظوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اسی وقت دو سپاہیوں کے ساتھ اسے شاہجہاں کی خدمت میں جامع مسجد بھجوادیا۔

چرواہا ڈرتا، سہمتا جامع مسجد کے اندر داخل ہوا۔ جمعے کی نماز ہوچکی تھی، لوگ جاچکے تھے، کچھ جا رہے تھے، بادشاہ کے درباری جامع مسجد میں موجود تھے۔ سپاہی چرواہے کو کچھ درباریوں کے حوالے کر کے واپس ہوگئے۔ چرواہے نے پوچھا، بادشاہ کہاں ہے؟

دیکھو! وہ جو محراب کے قریب بیٹھے ہیں، وہی بادشاہ ہیں۔ درباریوں نے ایک شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ شاہجہاں اس وقت بڑی عاجزی اور لجاجت سے دعا مانگ رہا تھا۔

نہیں! میں تو شاہ جہاں بادشاہ کو پوچھ رہا ہوں جنہوں نے لال قلعہ بنوایا ہے اور جو لال قلعہ میں رہتے ہیں۔ چرواہے نے نہایت سادگی سے اپنی الجھن صاف کرنا چاہی۔

ہاں بھائی! یہی شاہ جہاں بادشاہ ہیں...... درباریوں نے اسے اطمینان دلانے کی کوشش کی۔

وہ کچھ دیر بادشاہ کو دیکھتا رہا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ ایک شخص دونوں ہاتھ پھیلائے،

گڑگڑا کر فقیروں کی طرح کیا مانگ رہا ہے اور کیوں مانگ رہا ہے۔ اس سے رہا نہ گیا۔ اس نے پوچھا:
یہ بادشاہ کیا مانگ رہے ہیں اور کس سے مانگ رہے ہیں؟ یہ تو بادشاہ ہیں، لال قلعے والے بادشاہ۔
ہاں یہ خدا سے مانگ رہے ہیں، خدا سے ہر ایک مانگتا ہے، چاہے وہ بادشاہ ہو یا فقیر۔ چرواہا ایک دم خاموش ہو گیا۔ پھر یکا یک وہ ایک طرف کو چل دیا۔ درباریوں نے اسے جاتے دیکھ کر روکنا چاہا لیکن وہ کسی طرح نہ رکا۔ لوگوں نے اسے بہت روکا، جانے کی وجہ پوچھی لیکن اس نے کچھ نہ بتایا اور اپنی راہ کو ہولیا۔

شاہ جہاں دعا سے فارغ ہوئے۔ خادم بادشاہ کو لینے دوڑے، خادموں نے شاہجہاں کو بتایا کہ چرواہا آیا تھا۔ بادشاہ نے بڑی بے چینی سے پوچھا، کہاں ہے وہ؟ شاہ جہاں تو کئی دن سے اپنے میزبان کا بڑی بے قراری سے انتظار کر رہا تھا۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ واپس چلا گیا۔ ہم نے اسے بہت روکا لیکن وہ رکا نہیں۔

بادشاہ نے اسی وقت کچھ لوگوں کو گھوڑوں پر دوڑا دیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ لوگ اس نوجوان کو لے کر واپس آ گئے۔ بادشاہ نے عزت کے ساتھ نوجوان چرواہے کو اپنے پاس بٹھایا۔ دیر تک اس کی خاطر تواضع کرتے رہے...... لیکن چرواہا جیسے ہر عزت و اکرام سے بے نیاز تھا۔

شاہجہاں نے اس سے پوچھا:

میاں! تم مجھ سے ملنے آئے تھے اور پھر ملے بغیر ہی واپس ہو گئے۔ آخر کیوں؟ وہ خاموش رہا۔

شاہجہاں نے دوبارہ اسے متوجہ کیا، میاں میں تو تمہارا بڑی شدت سے انتظار کر رہا تھا اور تم ملے بغیر ہی واپس جا رہے تھے۔ بتاؤ تو سہی آخر بات کیا ہوئی؟

''میں آپ سے انعام لینے آیا تھا مگر میں نے دیکھا کہ آپ تو خود ہاتھ پھیلا پھیلا کر مانگ رہے تھے، جب آپ خود مانگ رہے تھے تو بھلا مجھے کیا دیتے۔ میں نے دل میں فیصلہ کیا کہ میں بھی کیوں نہ اسی سے مانگوں جس سے آپ مانگ رہے تھے''...... چرواہے نے بڑی سادگی اور جرأت سے کہا۔

اس کہانی کی تاریخی حیثیت کیا ہے اور کہاں تک یہ صحیح ہے ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں۔ ہمیں تو مطلب اس ایمان افروز سبق کا ہے جو اس واقعے سے ملتا ہے۔ اگر یہ واقعہ من گھڑت ہے تو بھی یہ حقیقت ہے کہ چرواہے کی زبانی ایسی تعلیم دی گئی ہے جس پر جتنا غور کریں گے، ایمان و یقین میں اضافہ ہی محسوس کریں گے۔

اس دنیا میں کون ایسا ہے جس کی کوئی نہ کوئی ضرورت نہ ہو اور قدرتی بات ہے کہ جب آدمی کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں تو وہ پریشان ہوتا ہے۔ پریشانی دور کرنے کی تدبیریں سوچتا ہے اور ہر طرف نظر دوڑاتا ہے کہ کس سے اپنی پریشانی بیان کرے، کس کے سامنے اپنی ضرورت رکھے...... ضرورت اور حاجت ایک نادار فقیر کو بھی پیش آتی ہے اور ایک خوشحال کروڑ پتی کو بھی۔ کسی کو رہنے بسنے کے لئے مکان کی ضرورت ہے، کسی کو بدن ڈھانپنے کے لئے کپڑے کی ضرورت ہے، کسی کو اپنے بچوں کی شادی کرنا

ہے اور واجبی خرچ کے لیے بھی کچھ نہیں ہے، کسی کا کاروبار نہیں چل رہا ہے، کسی کے پاس اتنا نہیں ہے کہ بچوں کو تعلیم دلا سکے، کوئی بیمار ہے اور صحت کے لئے ترس رہا ہے..... کسی کو ملازمت کی ضرورت ہے، اور کسی کو ملازم درکار ہے۔ غرض دنیا میں خدا کے بندوں کی ضرورتیں گوناگوں ہیں۔ دوسروں کو چھوڑیئے خود اپنی زندگی ہی پر غور کیجئے..... آپ کی کتنی ضرورتیں ہیں جن کے لئے ہم پریشان رہتے ہیں۔

ہم بہت بڑے غنی ہیں اور ہمارا مقام بہت ہی بلند ہے اگر آپ کو یہ یقین فی الواقع حاصل ہو جائے کہ آپ کی ضرورتیں صرف خدا ہی پوری کر سکتا ہے اور ہم اس کے سوا کبھی کسی کے سامنے دامن نہ پھیلائیں گے۔

یہ واقعہ ہے کہ دینے والا صرف خدا ہے، وہ نہ دینا چاہے تو ساری دنیا مل کر بھی ہم کو ایک ذرّہ نہیں دے سکتی اور وہ دینا چاہے تو ساری دنیا مل کر بھی اس کی نوازش کو روک نہیں سکتی۔

بندے کے پاس ہمیں دینے کے لئے کچھ نہیں ہے، ہر بندہ محتاج ہے اور جو جتنا بڑا ہے اتنا ہی زیادہ محتاج ہے۔ لال قلعے کا بادشاہ بھی اسی کی درگاہ کا فقیر ہے اور جنگل کا چرواہا بھی اسی کا محتاج ہے۔ پھر یہ کہاں کی دانائی ہے کہ ہم فقیر اور محتاج بندوں کے سامنے اپنی ضرورتیں رکھیں اور ان تہی دستوں سے مانگیں جو خود اپنی ضرورتوں کے لئے خدا کے حضور ہاتھ پھیلاتے ہیں اور گڑگڑا کر اس سے بھیک مانگتے ہیں۔

ہم یہ فیصلہ فرمالیں اور اس پر جم جائیں کہ کبھی اپنی کوئی ضرورت کسی بندے کے سامنے نہیں رکھیں گے۔ ضرورت چھوٹی ہو یا بڑی، دینی ہو یا دنیوی، صرف اپنے رب کے سامنے رکھیں گے اور صرف اسی سے مانگیں گے۔ اپنے رب سے مانگنے کا تجربہ تو کریں، جتنی بار تجربہ کریں گے اپنے ایمان ویقین میں اور زیادہ پختگی پائیں گے..... خدا کبھی ہم کو اپنے دربار سے مایوس نہیں کرے گا۔ جس کو جو کچھ ملا ہے اسی کے دربار سے ملا ہے۔ اس کے سوا کوئی دینے والا نہیں ہے۔ ہمیں جو ضرورت ہو اس سے کہیے، جو پریشانی ہو اس سے فریاد کیجیے، جو تکلیف اور مصیبت ہو اس کے حضور گڑگڑایئے۔ جو کچھ درکار ہو اس سے مانگیے..... جو کچھ مل سکتا ہے اسی کے در سے مل سکتا ہے..... کوئی وجہ نہیں کہ وہ ہارون الرشید کو زبردست سلطنت سے نوازے اور شاہ بہلول کو شام کی روٹی بھی نہ دے..... یہ تو وہی جانتا ہے کہ کس کے مقدر میں کیا لکھا ہے اور کس کو کیا ملنا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ جو کچھ بھی ملے گا، اسی کے دربار سے ملے گا..... اس کے حکم کے بغیر کسی کو ایک گھونٹ پانی بھی نہیں مل سکتا۔ اسی سے مانگنے کا تجربہ کیجئے۔ اس کے خزانوں میں نہ کمی کے آنے کا خطرہ ہے اور نہ یہ اندیشہ ہے کہ اس کے خزانے کبھی ختم ہوں گے۔

ہم جب بھی کسی پریشانی میں مبتلا ہوں، جب بھی کوئی حاجت اور ضرورت ہو، ضرورت چھوٹی ہو یا بڑی، دینی ہو یا دنیوی..... اپنے رب کی طرف رجوع کریں۔ اس کے سامنے اپنی حاجت رکھیں اور اس یقین کے ساتھ کہ وہ ہم کو مایوس اور نامراد نہ لوٹائے گا۔ اس انداز فکر وعمل سے ہمیں وہ استغنا، اطمینان

اور بے نیازی حاصل ہوگی کہ اس دولت کا مقابلہ دنیا کی کوئی دوسری دولت نہیں کرسکتی۔

خدا سے مانگنے کا طریقہ اور اس کے آداب سکھاتے ہوئے خدا کے رسول ﷺ نے اپنی امت کو صلوٰۃ الحاجت پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے یعنی وہ دو رکعت نفل نماز جس کے بعد بندہ خدا کے حضور اپنی حاجت رکھے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّ السَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَاتَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

’’خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ انتہائی بردبار اور بہت ہی کرم فرمانے والا ہے۔ پاک و برتر ہے۔ خدا عرش عظیم کا مالک ہے، شکر و تعریف خدا کے لئے ہی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے (خدایا!) میں تجھ سے ان چیزوں کی بھیک مانگتا ہوں جو تیری رحمت کو واجب کرنے والی اور تیری مغفرت کو لازم کرنے والی ہیں۔ ہر بھلائی میں حصہ اور ہر گناہ سے سلامتی چاہتا ہوں، (خدایا) تو میرا کوئی گناہ بخشے بغیر اور کوئی دکھ اور غم دور کیے بغیر نہ چھوڑ اور میری کوئی حاجت جو تیرے نزدیک پسندیدہ ہو پوری کیے بغیر نہ رہنے دے۔ اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے!‘‘

۶۳ دعوت کے کام کو اپنا کام بنائیں

بے شک ہم پابندی سے نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، زکوٰۃ کا بھی اہتمام کرتے ہیں، استطاعت ہو تو حج کو بھی جاتے ہیں، ہم اسلامی وضع قطع کے بے حد پابند ہیں، حلال و حرام کی تمیز میں بھی نہایت حساس ہیں، ہم تقویٰ و طہارت کے لوازم کا بھی التزام کرتے ہیں اور نوافل و اذکار، صدقہ و خیرات کا بھی زیادہ سے زیادہ خیال رکھتے ہیں اس لئے کہ ہمیں اپنے مسلمان ہونے کا احساس ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ اس احساس میں ہم تنہا بھی نہیں ہیں، ہماری طرح شریعت کے احکام و آداب کی اتباع اور پیروی کرنے والے امت میں ہزاروں نہیں لاکھوں ہیں اور اگر میں یہ دعویٰ کروں تو اس کی تردید نہیں کی جاسکتی کہ اپنی عبرتناک پستی کے باوجود آج بھی مسلمان مذہب کی پیروی اور عبادات سے شغف میں ہر مذہب کے پیروں سے آگے ہیں۔ امت مسلمہ میں لاکھوں افراد اب بھی موجود ہیں جن کی

زندگیاں قابل رشک حد تک خدا ترسی اور فرض شناسی کا نمونہ ہیں۔ جن کی سیرت اور کردار آئینے کی طرح صاف ہے، جن کا تقویٰ ہر شبے سے بالا ہے اور جن پر سوسائٹی اعتماد کرتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی مذہبی گروہ ان کی ٹکر کے انسان پیش کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا۔

یہ بھی واقعہ ہے کہ مسلمان تعداد کے اعتبار سے بھی دنیا میں دوسری عظیم اکثریت ہیں۔ ان کے پاس ہر طرح کے وسائل وذرائع بھی ہیں۔ ان کے پاس کوئلہ بھی ہے، پیٹرول بھی ہے، لوہا بھی ہے، سونا بھی ہے، یہ دولت مند بھی ہیں اور دنیا کے کتنے ہی حصوں میں ان کی اپنی حکومتیں بھی ہیں۔

مگر تلخ سہی یہ بھی حقیقت ہے کہ اس مذہبی تقدس اور دولت وحکومت کے باوجود سب سے زیادہ ذلیل وخوار اور بے وزن یہی مسلمان قوم ہے، نہ ان کی اپنی کوئی رائے ہے، نہ کوئی منصوبہ، نہ ان کا کوئی وقار ہے اور نہ کوئی اعتبار، انفرادی حیثیت سے ان میں یقیناً لاکھوں ایسے ہیں جن پر انسانیت فخر کرسکتی ہے لیکن اجتماعی حیثیت سے دنیا میں ان کا کوئی مقام نہیں ہے۔

ہم اسی امت کے ایک فرد ہیں۔ ہمارا مستقبل امت کے مستقبل سے وابستہ ہے، کیا ہمیں یہ احساس پریشان کرتا ہے کہ امت کو اس ذلت سے نکالا جائے اور اس کو عظمت رفتہ حاصل کرنے کے لیے پھر بے تاب کردیا جائے۔

کبھی ہم نے غور کیا ہے کہ اس بے قدری اور ذلت کی وجہ کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ امت نے اپنا وہ فرض بھلا دیا ہے جس کے لئے خدا نے اس کو پیدا کیا تھا۔ امت مسلمہ عام امتوں کی طرح کوئی خود روامت نہیں ہے۔ اس کو خدا نے ایک خاص منصوبے کے تحت ایک عظیم مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ خدا نے اس کی زندگی کا وہی مشن قرار دیا ہے جو اپنے اپنے دور میں خدا کے پیغمبروں کا مشن رہا ہے۔ نبوت کا سلسلہ نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا...... خدا کے بندوں تک خدا کا دین پہنچانے کا کام اب رہتی زندگی تک اسی امت کو انجام دینا ہے، یہی اس کی زندگی کا مقصد ہے، اسی کی خاطر خدا نے اسے ایک امت بن کر رہنے کی تاکید کی ہے اور اسی فرض کی ادائیگی سے اس کی تقدیر وابستہ ہے، خدا کا ارشاد ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ (سورۃ آل عمران: ۱۰۴)

"تم کو ایک ایسی امت بن کر رہنا چاہئے جو خیر کی طرف لوگوں کو دعوت دے۔"

خیر سے مراد ہر وہ نیکی اور بھلائی ہے جس کو نوع انسانی نے ہمیشہ نیکی اور بھلائی سمجھا ہے اور خدا کی وحی نے بھی اس کو نیکی اور بھلائی قرار دیا ہے، الخیر سے مراد وہ ساری نیکیاں ہیں جن کے مجموعے کا نام دین ہے اور جو ہمیشہ خدا کے پیغمبر خدا کے بندوں تک پہنچاتے رہے ہیں۔ امت کا کام یہ ہے کہ وہ خدا کے بندوں کو کسی امتیاز کے بغیر اس دین کی دعوت دے اور اسی سوز اور تڑپ کے ساتھ دعوت کا کام کرے جس طرح خدا کے پیغمبروں نے کیا ہے۔ اس لئے کہ وہی مشن خدا نے اس امت کے سپرد کیا ہے۔

امت کی زندگی میں دعوت دین کے کام کی وہی حیثیت ہے جو انسانی جسم میں دل کی حیثیت رکھتی ہے۔ انسانی جسم اسی وقت تک کارآمد ہے جب تک اس کے اندر دھڑکنے والا دل موجود ہو، اگر یہ دل دھڑکنا بند کردے تو پھر انسانی جسم، انسانی جسم نہیں ہے، مٹی کا ڈھیر ہے۔ اس لیے کہ جسم کو صالح خون پہنچانے والا اور اس کو زندہ رکھنے والا دل ہے۔

ٹھیک یہی حیثیت دعوت دین کی بھی ہے۔ اگر امت یہ کام سرگرمی سے انجام دے رہی ہے، خدا کے منصوبے اور منشا کے مطابق امت میں صالح عنصر کا اضافہ ہو رہا ہے اور غیر صالح عنصر چھٹ رہا ہے، نیکیاں پنپ رہی ہیں اور برائیاں دم توڑ رہی ہیں تو امت زندہ ہے اور عظمت وعزت اور وقار وسربلندی اس کی تقدیر ہے لیکن امت اگر اس فرض سے غافل ہو جائے۔ دعوتِ دین کے کام کا اسے احساس ہی نہ رہے تو وہ زندگی سے محروم ہے...... اور مردہ ملت بھلا عزت وعظمت کا مقام کیسے پاسکتی ہے۔

خدا کے نزدیک بھی امت کی تمام تر اہمیت اسی وقت ہے جب وہ اس منصب کے تقاضے پورے کرے جس پر خدا نے اسے سرفراز فرمایا ہے۔ اگر وہ اس منصب ہی کو فراموش کردے اور اسے احساس ہی نہ رہے کہ خدا نے مجھے کس کام کے لئے پیدا کیا ہے تو پھر خدا کو اس کی کیا پروا کہ کون اسے پیروں میں روند رہا ہے اور کون اس کی عزت سے کھیل رہا ہے۔

(۶۴) ایک عجیب مثال

ہمارے ہاتھ میں بندھی ہوئی یہ قیمتی گھڑی یقیناً ہماری نظر میں ایک نعمت ہے۔ ہم نے اس کو اس لیے اپنے ہاتھ پر جگہ دی ہے کہ یہ ہمیں صحیح وقت بتائے اور آپ اپنے اوقات کو منظم کر کے ٹھیک وقت پر اپنے سارے کام انجام دے سکیں۔ اگر یہ گھڑی اپنا کام ٹھیک ٹھیک انجام دے تو ہم اسے اپنے ہاتھ کی زینت بنائے رکھتے ہیں، اہتمام کے ساتھ اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہم کو گوارا نہیں ہوتا کہ اس پر پانی کی ایک بوند پڑے، اس کے نازک شیشے کو ذرا سی ٹھیس لگے یا کسی چیز سے یہ ٹکرائے۔ لیکن گھڑی کی یہ ساری قدر ومنزلت اور اس کی حفاظت اور دیکھ بھال کا یہ اہتمام اس وقت تک ہے، جب تک وہ صحیح وقت بتاتی ہے۔ اگر وہ بار بار بند ہونے لگے، کبھی آدھا گھنٹہ تیز ہو جائے اور کبھی ایک گھنٹہ سست چلنے لگے۔ ہم بار بار اس سے دھوکہ کھائیں۔ ہمارے پروگرام اس سے متاثر ہونے لگیں اور وہ مقصد اس سے پورا نہ ہو جس کی خاطر ہم نے اسے اپنے ہاتھ پر جگہ دی تھی تو کیا آپ اسی طرح اس کی حفاظت کرتے رہیں گے یقیناً آپ کا فیصلہ یہ ہوگا کہ یہ گھڑی نہیں، چند پرزوں کا مجموعہ ہے اور پیتل کے چند ٹکڑے ہیں، اس کی مناسب جگہ انسان کا قابل احترام ہاتھ نہیں بلکہ کباڑیے کی دکان ہے اور پھر ہمیں اس کی کیا پروا کہ کباڑی اس کو کہاں ڈالتا ہے اور اس کو کس بے دردی کے ساتھ کوٹتا اور توڑتا ہے یا کوئی اس کو بھٹی میں گلاتا ہے۔ ہمارے نزدیک تو بجا طور پر اس کی جو کچھ قدر ومنزلت تھی اسی بنا پر تھی کہ وہ صحیح وقت بتائے

اس لئے کہ بنانے والے نے اسے اسی لئے بنایا تھا اور ہم نے ایک بڑی رقم دے کر اسی لیے خریدا تھا۔
خدا نے امت مسلمہ کو اسی لیے پیدا کیا تھا کہ وہ دوسروں تک خدا کا دین پہنچائے۔ سوسائٹی میں نیکیوں کا پرچار کرے اور برائیوں کو مٹائے۔ جب تک وہ اپنے اس فرض کو انجام دیتی رہے گی، خدا کی نصرت وحمایت بھی اسے حاصل رہے گی، وہ اس کا محافظ اور نگہبان بھی ہوگا اور اسے عظمت و وقار کی بلندیوں سے سرفراز بھی فرمائے گا لیکن امت اگر اس فرض سے غافل ہو جائے تو پھر نہ اس کی کثرت تعداد اسے کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے، نہ دولت وحکومت اس کے کام آسکتی ہے، نہ تسبیح وتہلیل اور نوافل واذکار کی کثرت سے وہ عظمت رفتہ کو پا سکتی ہے اور نہ یہ انفرادی دینداری اس کو خدا کے غضب سے بچا سکتی ہے۔ اگر دنیا میں ہر طرف بگاڑ ہو اور خدا کے بندے خدا کو بھول کر اپنی من مانی کر رہے ہوں اور ہم ان سے بے فکر صرف اپنی فکر میں لگے ہوئے ہوں تو سمجھ لیجیے کہ خدا کا عذاب بہت قریب ہے اور پھر اس کی پکڑ سے کوئی بچ نہیں سکے گا...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَوْحَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِلٰى جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنِ اقْلِبْ مَدِيْنَةَ كَذَا وَكَذَا فَقَالَ يَارَبِّ اِنَّ فِيْهِمْ عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ قَالَ فَقَالَ اِقْلِبْهَا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ فَاِنَّ وَجْهَهٗ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ۔

(مشکوۃ، باب الامر بالمعروف عن جابر رضی اللہ عنہ)

”خدائے بلند و برتر نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ ایسی، ایسی بستی کو الٹ دو، جبرئیل علیہ السلام نے کہا، پروردگار! ان میں تو تیرا ایک ایسا نیک بندہ ہے جس نے پلک جھپکانے کی حد تک بھی کبھی تیری نافرمانی نہیں کی ہے۔ پروردگار نے کہا، ہاں جبرئیل علیہ السلام! بستی کو اس پر بھی الٹ دو اور دوسروں پر بھی۔ اس لیے کہ ان بستیوں میں علی الاعلان میری نافرمانی ہوتی رہی اور اس کے ماتھے پر شکن تک نہیں آئی۔“

یہ حدیث اگر ہمارے اندر کوئی بے تابی پیدا کرے تو اس کی قدر کیجیے اور خدا سے دعا کیجیے کہ وہ اس بے تابی میں اور اضافہ کرے۔ ہمارا فرض آپ کو پکار رہا ہے، اور یہی بے تابی آپ کو اپنا فرض ادا کرنے پر آمادہ کر سکتی ہے۔

سکوں مجھ کو نہیں درکار آقا
بڑھا دیجیے میری بے تابیٔ دل

۶۵ دعوت کا کام کیجیے، روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا لیجیے

کس مومن کے دل میں یہ آرزو نہ ہوگی کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبول دعا کا مستحق بنے اور

نبی ﷺ کی یہ دعا کہ ''اے اللہ! تو اس بندے کو خوش وخرم اور شاداب رکھ!'' اس کے حق میں بھی خدا کے یہاں شرف قبول پائے۔

کیسا خوش نصیب ہے وہ بندہ جس کے لیے خدا کے رسول ﷺ دعا فرمائیں، اس بات میں کسے تردد ہوسکتا ہے کہ خدا کے رسول ﷺ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی دعا شرف قبول پائے گی اور خدا اپنے حبیب کی فرمائش ہرگز رد نہ فرمائے گا۔

نبی ﷺ کی دعا کا مستحق دنیا میں بھی خوش وخرم اور شاداب رہے گا لیکن اصل خوشی اور شادابی تو اس کو اس دن حاصل ہوگی جب وہ حشر کے میدان میں خدا کے حضور پہنچے گا۔ ذرا تصور تو کیجیے اس بندے کی خوش نصیبی کا جو حشر کے میدان میں اس طرح آئے گا کہ اسکا چہرہ مسرت وکامرانی سے چمک رہا ہو اور اس کی نگاہیں دیدارِ الٰہی میں محو ہوں۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ (القیامہ)

''اس دن بہت سے (خوش نصیبوں کے) چہرے تروتازہ اور بارونق ہوں گے اور اپنے رب کے دیدار میں محو ہوں گے۔''

جب کہ اسی دن بہت سے بدنصیب وہ بھی ہوں گے جن کے چہرے شرم وندامت اور گناہوں کی تپش سے جھلسے ہوئے، ہیبت ناک حد تک سیاہ اور اداس ہوں گے۔

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ۝ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝ (القیامہ)

''اور بہت سے (بدنصیبوں کے) چہرے اداس اور بے رونق ہوں گے اس آفت کے اندیشے سے جو ان پر آنے والی ہے۔''

ذرا اپنے دل کو ٹٹولیے! کیا آپ کے دل میں یہ تڑپ نہیں ہے کہ آپ بھی اپنے رسول اللہ ﷺ کی اس دعا کے مستحق بنیں کہ ''اے اللہ! تو اس بندے کو خوش وخرم اور شاداب رکھ!'' اور آپ بھی چمکتے چہرے کے ساتھ خدا کے حضور پہنچیں اور اس کے دیدار سے اپنی آنکھیں روشن کریں۔

رسول اکرم ﷺ نے کن لوگوں کے لئے یہ دعا فرمائی ہے اور کون لوگ اس کے مستحق ہیں، یقیناً آپ جاننا چاہتے ہوں گے اور بڑی بے تابی کے ساتھ؟ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا ان لوگوں کے حق میں فرمائی ہے جو رسول ﷺ کا پیغام رسول سے سن کر خدا کے بندوں تک پہنچائیں اور دعوت وتبلیغ کا کام کریں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''خدا اس بندے کو شاداب ومسرور رکھے جس نے مجھ سے میرا پیغام سنا اور اسے ٹھیک ٹھیک دوسروں تک پہنچایا۔''

بلاشبہ آپ نبی ﷺ کا پیغام نبی ﷺ کی زبان سے نہیں سن سکتے لیکن یہ موقع بہر حال آپ کو حاصل ہے کہ آپ نبی ﷺ کا پیغام دوسروں تک ٹھیک ٹھیک پہنچائیں اور قلب کی لگن کے ساتھ دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیں اور نبی ﷺ کی دعا کے مستحق بنیں۔

نبی ﷺ کی یہ دعا یقیناً آپ کے حق میں بھی ہے کہ اگر آپ دعوت وتبلیغ کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور حسن وخوبی کے ساتھ یہ عمل کر رہے ہیں۔ یہی آپ کی زندگی کا مشن ہے اور یہی شب وروز کی سرگرمی۔

پھر دعوت وتبلیغ کے اجر اور انعام کی کوئی حد اور انتہا نہیں۔ بالکل ممکن ہے کہ آپ جن لوگوں تک خدا کے رسول کا پیغام پہنچائیں، وہ آپ کے مقابلے میں اس پیغام کی زیادہ حفاظت کریں۔ آپ سے زیادہ اس کے تقاضوں کو سمجھیں، آپ سے زیادہ اس کا حق ادا کریں اور آپ سے زیادہ شوق ومحنت کے ساتھ دوسروں تک اسے منتقل کریں لیکن خدا کا فضل واحسان تو دیکھیے چونکہ ان تک دین کا پیغام پہنچنے کا واسطہ آپ بنے ہیں، اس لئے اب رہتی دنیا تک اس واسطے سے جن لوگوں کو بھی یہ پیغام پہنچے گا، ان سب کے اجر وانعام کے برابر ہم کو اجر وانعام ملتا رہے گا۔ ہمارے ساتھ بھی خدا تعالیٰ یہ بے پایاں فضل وکرم فرمائے گا اور ان لوگوں کے اجر وانعام میں بھی کوئی کمی نہ کرے گا۔

البتہ دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے وقت یہ بنیادی بات ضرور پیش نظر رکھنی چاہیے کہ نبی ﷺ کی دعا کے مستحق صرف وہی لوگ ہوں گے جو ٹھیک آپ ﷺ کی دعوت کو منتقل کریں۔ آپ ﷺ سے سننے والوں نے جس طرح آپ ﷺ سے سنا، جس طرح سمجھا اور جس طرح اپنے بعد کی امت کو پہنچایا، ٹھیک اسی طرح ہم بھی دوسروں تک وہ دعوت پہنچائیں، اس میں ہمیں نہ کسی کمی کی اجازت ہے اور نہ کسی اضافے کا اختیار، اگر ہم اسی آرزو کے ساتھ دعوت دین کا کام کر رہے ہیں کہ نبی ﷺ کی دعا کے مستحق بنیں، خدا کا دیدار ہمیں نصیب ہو اور قیامت کے دن آپ کامیاب وشاداں خدا کے حضور پہنچیں تو ہم نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا کریں، نہ کسی لالچ سے مرعوب ہوں، نہ کسی قوت سے خوف کھائیں اور نہ کسی آزمائش سے ہراساں ہوں۔ ہر آنے والی آفت کا مردانہ وار مقابلہ کریں اور خدا کا دین بے کم وکاست ٹھیک ٹھیک خدا کے بندوں تک پہنچائیں اور اس تمنا کے ساتھ یہ سب کچھ کریں کہ نبی ﷺ کی دعا ہمارے حق میں قبول ہو، دنیا میں بھی ہم کامیاب وشاداں ہوں اور کل قیامت کے روز بھی ہمارا چہرہ مسرت وکامرانی سے دمک رہا ہو۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَءً اسَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَ كَمَا سَمِعَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى لَهَا مِنْ سَامِعٍ (ابوداؤد، ترمذی)

''خدا اس بندے کو مسرور وشاداب رکھے جس نے مجھ سے کچھ سنا اور پھر اس کو ٹھیک اسی طرح دوسروں تک پہنچایا جس طرح مجھ سے سنا تھا، بہت سے وہ لوگ جن تک واسطوں سے بات پہنچتی ہے وہ ان سے زیادہ اس پیغام کی حفاظت کرتے ہیں جو براہِ راست سننے والے ہوتے ہیں۔''

⑥⑥ ایک انگریز پلاؤ کھا کر مسلمان ہوا

''ممبئی میں کسی خوش حال مسلمان نے اپنے حلقۂ تعارف کے کچھ اونچے لوگوں کو کھانے پر مدعو کیا، ان میں ایک عیسائی انگریز بھی تھا۔ دستر خوان پر طرح طرح کے کھانے چنے ہوئے تھے اور قاب میں پلاؤ بھی تھا۔ عیسائی انگریز نے پلاؤ نہایت شوق سے کھایا۔ کھانے سے جب سب فارغ ہو گئے اور گفتگو چھڑی تو انگریز عیسائی نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ صاحب خانہ سے درخواست کی کہ مجھے کلمۂ توحید پڑھا کر دائرۂ اسلام میں شامل کر لیجیے۔

صاحب خانہ حیران تھے کہ اس عام قسم کی دعوت میں کس چیز نے اس انگریز کے دل کی دنیا بدل دی اور اس نے حیرت ومسرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ سوال کیا۔ آپ کو کس چیز نے اس وقت متاثر کیا؟

''پلاؤ نے''...... پلاؤ کھاتے وقت میرے ذہن نے یہ سوچا کہ جس قوم کا ذوق کھانے کے معاملے میں اتنا اچھا اور اونچا ہے، دین کے معاملے میں اس کا ذوق کتنا حسین اور بلند ہوگا اور میرے دل نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا...... انگریز نے جواب دیا۔

حاضرین کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی اور سبحان اللہ کی صدائیں بلند ہوئیں۔ صاحب خانہ نے خوشی میں کہا...... ''پلاؤ زندہ باد!''

انگریز نے جواب دیا نہیں، ''اسلام زندہ باد!''

خدا کے رسول ﷺ کا فرمان ہے ''جس نے سچے دل سے کلمۂ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' پڑھا وہ جنت میں جائے گا۔'' اور یہ بھی آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ بھلائی کی طرف متوجہ کرنے والے کو ان تمام انسانوں کے برابر اجر وانعام ملے گا جو قیامت تک اس بھلائی کو اختیار کرتے رہیں گے۔ کلمہ پڑھنے والا اگر جنت کا مستحق ہے تو خدا کے فضل وکرم سے یہی توقع ہے کہ کلمہ پڑھنے کا سبب بننے والا بھی جنت کا مستحق قرار پائے گا۔

۶۷ ایک غریب دھوبن کی برکت سے مالدار عورت نے اسلام قبول کرلیا

''ایک غیر مسلم کسی اونچے عہدے پر فائز تھے۔ گھر میں عیش وعشرت اور آرام وآسائش کا ہر سامان موجود تھا، اونچی سوسائٹی میں عزت حاصل تھی۔ ایک دن یہی آفیسر گھر میں آئے تو ان کی بیوی نے کہا: میں نے تو اسلام کا کلمہ پڑھ لیا، آپ بھی پڑھ لیجیے اور اپنے خدا سے ہی بندگی کا عہد کیجئے۔

آفیسر دیر تک اپنی بیوی کا منہ تکتے رہے، پھر بولے آخر کیوں؟ اس انقلاب کی وجہ؟ بیوی نے کہا: ''ہمیں دنیا کی ہر نعمت حاصل ہے، نہ زیور کی کمی ہے، نہ زرق برق لباس کی، پھر جن لوگوں سے ہمارا ربط ہے، وہ بھی خوش حال اور دولت مند ہیں، میں جس تقریب میں بھی گئی بے فکری کے قہقہے سنے، زرق برق لباس دیکھے، سونے کے زیور دیکھے، عیش کے نغمے سنے لیکن یہ عجیب وغریب بات ہے کہ پھٹے کپڑوں اور ٹوٹی چپلوں میں آنے والی غریب دھوبن کی زندگی میں جو اطمینان، جو سکون اور خوشی میں نے دیکھی وہ مجھے کہیں دیکھنے کو نہیں ملی۔ میں اس سے اس کی پریشاں حالی کی بات کرتی ہوں اور وہ نہایت اطمینان کے ساتھ مسکرا کر جواب دیتی ہے: ''خدا مالک ہے، اس کا بڑا شکر ہے، وہ بڑا مہربان ہے، اس کے شکر کا حق ادا نہیں ہوتا، بی بی کوئی فکر کی بات نہیں، سب کا خدا مالک ہے۔'' اور میں سوچنے لگتی ہوں کہ جو خوشی اور اطمینان اس غریب اور خستہ حال دھوبن کو حاصل ہے، دنیا کی ہر چیز ہوتے ہوئے بھی مجھے وہ حاصل نہیں ہے، ضرور یہ اس کے دین کی برکت ہے اور اس کا دین واقعی خدا کا سچا دین ہے...... اسی لئے میں نے اپنے خدا کا کلمہ پڑھا اور اس پر ایمان لائی، آپ بھی اپنے خدا کا کلمہ پڑھیں اور اس پر ایمان لائیں۔

آپ نے دیکھا، پھٹے پرانے کپڑے پہننے والی ایک غریب دھوبن بھی کوٹھیوں میں رہنے والیوں کو اسلام کی دولت سے مالا مال کرسکتی ہے۔ اسلام خدا کا دین ہے، اس میں بڑی کشش ہے، بے پناہ تاثیر ہے اور جذب کرنے کی غیر معمولی قوت ہے، سوچیے کہ آپ کس طرح اسلام کی نمائندگی کا حق ادا کر رہے ہیں اور آپ کی زندگی سے اسلام کی کیا ترجمانی ہو رہی ہے؟

۶۸ آپ ﷺ کو خواب میں دیکھنے کا ایک مجرب عمل

ایک بار حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ ''کوئی خاص درود شریف بتائیے جس سے رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہو۔'' فرمایا: ''کوئی خاص درود تو نہیں ہے بس خلوص پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔'' پھر کچھ تامل کے بعد فرمایا ''حضرت سید

حسن رضی اللہ عنہ کو اس درود کا علم کارگر ہوا۔"

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعِتْرَتِہٖ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ۔

"اے اللہ! رحمت نازل فرما محمد ﷺ اور ان کی آل پر اور ان تمام چیزوں کی تعداد کے مقدر جو تیرے علم میں ہیں۔"

۶۹ شکرِ خدا پر عجیب واقعہ ضرور ضرور پڑھیے

ہندوستان کے مایۂ ناز محدث حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک لائق شاگرد تھے مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ...... مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی حدیث پر اچھی نظر رکھتے تھے، آپ نہایت ہی معمولی اور کمزور جثّے کے مالک تھے، چھوٹا سا قد، سیاہی مائل رنگ، معمولی ناک نقشہ، کمزور وناتواں۔ بظاہر ان کی شخصیت میں کشش نہ تھی۔

ایک دن دورانِ درس بڑے تاثر کے ساتھ مزے لے لے کر اپنا ایک دلچسپ واقعہ سنایا۔ واقعہ اس قدر سبق آموز تھا کہ آج تک اس کا اثر دل پر باقی ہے۔ مولانا نے بیان فرمایا:

"میں اعظم گڑھ میں مقیم تھا، عصر کی نماز پابندی سے شہر کی جامع مسجد میں پڑھتا تھا۔ نماز پڑھ کر جب مسجد سے نکلتا تو مسجد کی سیڑھیوں پر ایک نوجوان کھڑا ملتا، میں بے اختیار چند لمحے اس کو دیکھنے کے لیے رک جاتا اور انتہائی رشک کے ساتھ اسے دیکھتا رہتا۔ نوجوان واقعی قدرت کا عجیب وغریب شاہکار تھا۔ بلند وبالا قد، متناسب اعضاء، سرخ وسفید کھلتا ہوا رنگ، دلکش ناک نقشہ، بہترین صورت۔ میں اسے دیکھتا تو اپنا وجود نہایت ہی حقیر معلوم ہونے لگتا اور احساس کمتری میں مبتلا، افسردہ اور مضمحل بوجھل قدموں کے ساتھ گھر کی راہ لیتا۔ راستے میں عجیب عجیب باتیں سوچتا۔ مجھے ایسا لگتا جیسے میرا دل میرے حقیر اور معمولی جثّے پر خدا سے شکایت کر رہا ہو۔ میں کوشش کر کے ان خیالات کو جھٹک دیتا مگر دوسرے روز یہ احساسات پھر کچھ اور زیادہ قوت کے ساتھ تازہ ہو جاتے۔

یہ سلسلہ ایک عرصے تک چلتا رہا۔ میں مسجد سے باہر آتا، نوجوان کھڑا ملتا اور میں اشتیاق سے اس پر نظریں جما دیتا...... نوجوان کی شخصیت بڑی ہی دل آویز تھی...... مگر اس دوران کبھی اس نوجوان نے مجھے نظر بھر کر نہ دیکھا نہ میری طرف متوجہ ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی خاص فکر میں ہے۔ کبھی وہ فضا میں تاکتا جیسے کسی کو تلاش کر رہا ہو، کبھی زمین پر نظریں گاڑے کھڑا ہوتا، جیسے اسے گہرے غم نے گھیر رکھا ہو، کبھی کسی سمت ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہتا، ایسا محسوس ہوتا کہ وہ آنے جانے والوں سے بالکل ہی بے نیاز اپنی فکر میں مگن ہے۔

کافی دنوں کے بعد ایک روز حسب معمول مسجد سے باہر آ رہا تھا کہ یکا یک وہ میری طرف لپکا،

میں ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ میرے دل کی دھڑکن کسی قدر تیز ہو گئی...... اور جب وہ میرے قریب آیا، تو مجھے اپنا بھدا اور کمزور وجود کچھ اور زیادہ حقیر معلوم ہونے لگا۔ نوجوان نے کسی تمہید کے بغیر، بڑی عاجزی اور لجاجت سے کہا: ''مولانا صاحب! آپ کی بڑی مہربانی ہوگی، مجھے کوئی دعا بتادیجئے یا کوئی تعویذ دے دیجئے۔ شاید خدا مجھ پر کرم فرمائے۔''

میں حیرت سے اس کے یہ خلاف توقع جملے سنتا رہا اور پھر میرے دل نے نہایت چابکدستی کے ساتھ فیصلہ کیا کہ نوجوان ضرور دل کے ہاتھوں مجبور ہے۔ مجھے دلچسپی ہوئی اور میں نے اس کے حسین چہرے کی طرف سر اٹھائے ہوئے اس سے پوچھا......: ''بھائی! آپ کس کام کے لئے دعا اور تعویذ مانگ رہے ہیں؟''

''مولانا صاحب! میرے جسم کے ایک ایک جوڑ میں درد ہے، نہ میں بیٹھ سکتا ہوں نہ کوئی کام کر سکتا ہوں...... برسوں سے علاج کرا رہا ہوں۔ سیکڑوں ڈاکٹروں اور حکیموں کو دکھا چکا ہوں، مگر کوئی افاقہ نہیں...... روز بروز حالت خراب ہوتی جا رہی ہے، گھر میں طبیعت گھبراتی ہے تو یہاں آکر کھڑا ہو جاتا ہوں۔ مولانا صاحب کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں، زندگی سے بیزار ہوں، مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا۔ میری زندگی میں کوئی سکھ اور کوئی لذت نہیں ہے۔'' اور نوجوان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو چھلک پڑے، آواز بھرّا گئی اور کچھ دیر کے لئے وہ خاموش ہو گیا۔

میں حیران و ششدر یہ سب سن رہا تھا، کچھ دیر تو میں بت بنا خاموش کھڑا رہا اور پھر اس کو کوئی جواب دیے بغیر اس طرح وہاں سے بھاگا جیسے میں نے کوئی بڑا جرم کیا ہو، میں نہایت تیز تیز قدموں سے چل رہا تھا اور بے اختیار میری زبان پر شکر کے کلمات جاری تھے، آج مجھے اپنا مختصر سا وجود بڑا قیمتی محسوس ہو رہا تھا، آج میری آنکھیں کھل گئی تھیں اور آج خدا کے شکر میں وہ لذت تھی جو اس سے پہلے مجھے کبھی میسر نہیں آئی تھی۔

اس عجیب وغریب واقعے میں نصیحت کا بڑا سامان ہے۔ بہت سی الجھنوں اور پریشانیوں کا تسکین بخش جواب ہے۔ بے شک خدا نے آپ کو سب کچھ نہیں دے رکھا ہے لیکن جو کچھ دیا ہے اس کی قدر پہچاننے کی کوشش کیجئے اور شکر بجالانے کی عادت ڈالئے۔ ہوسکتا ہے کہ اپنی کسی کمزوری، نقص اور پریشانی پر آپ کے اندر بھی خدا سے شکایت وفریاد کے جذبات ابھرتے ہوں اور دوسروں کو اپنے سے برتر دیکھ کر آپ بھی کچھ کڑھن محسوس کرتے ہوں، ایسے تمام مواقع پر قوی اندیشہ ہوتا ہے کہ آدمی صبر وشکر کا دامن چھوڑ بیٹھے اور ذہن وفکر کی کسی ایسی کجی میں مبتلا ہو جائے جو مؤمن کی شان کے خلاف ہے۔

(۷) اللہ کے فیصلے زبردست ہیں

دنیا میں خدا نے اپنے وسیع علم اور زبردست حکمت کے تحت اپنی نعمتوں کی تقسیم کی ہے۔ کسی کو

جسمانی توانائی سے نوازا مگر وہ فکر وفہم میں کمزور ہے۔ کسی کو مال و دولت عطا فرمایا لیکن وہ علم و دانش سے محروم ہے۔ کسی کو کسی جسمانی نقص میں مبتلا کیا ہے لیکن اسے اعلیٰ ذہنی اور فکری صلاحیت حاصل ہے۔ کسی کو زندگی کی ہر سہولت اور عیش و آرام کا سامان دیا ہے لیکن وہ اہل و عیال کی طرف سے دکھی ہے۔ کوئی انتہائی تنگ دست اور فقیر ہے لیکن اسے وہ ذہنی سکون اور قلبی اطمینان حاصل ہے جو بڑے بڑے دولت مندوں کو نصیب نہیں ہے۔ کوئی علم و دانش اور فہم و بصیرت کے نہایت اعلیٰ مرتبے پر فائز ہے لیکن وہ نان شبینہ کو محتاج ہے۔ کسی کو بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں لیکن اس پر مال و دولت کی بارش ہو رہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں بڑی حکمتیں ہیں، اور خدا ہی کو ان حکمتوں کا صحیح علم ہے۔

(۷۱) خدانخواستہ ہم آنکھوں سے محروم ہیں

بے شک ہم بہت بڑی نعمت سے محروم ہیں...... مگر یہ خدا کی ہم پر خصوصی مہربانی بھی تو ہے کہ اس نے ہمیں بطور خود ان بہت سے گناہوں سے محفوظ کر دیا ہے جن کا ارتکاب صرف آنکھوں والے ہی کرتے ہیں۔ پھر آنکھیں نہ ہونے کے باوجود ہمیں وہ عزت و احترام حاصل ہے جو بہت سے آنکھ والوں کو حاصل نہیں ہے اور اگر خدا نے اپنی توفیق سے ہمارے سینے میں اپنی کتاب بھی محفوظ کر دی ہے اور فہم و بصیرت سے بھی نوازا ہے تو سوچیے کہ کتنی بڑی دولت ہم کو حاصل ہے۔ ہمیں بینائی حاصل نہیں ہے لیکن بہت سی ایسی نعمتیں حاصل ہیں جن سے بہت سے بینا لوگ محروم ہیں۔

(۷۲) خدانخواستہ ہم پیروں سے معذور ہیں

پیدائشی مفلوج ہیں یا کسی حادثے کا شکار ہو گئے ہیں تو واقعی یہ دکھ کی بات ہے، لوگوں کو آزادی سے چلتے پھرتے اور دوڑ بھاگ کرتے دیکھ کر ہم بڑی کڑھن محسوس کرتے ہوں گے لیکن کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ خدا نے ہمیں بڑی فراوانی کے ساتھ مال و دولت سے نوازا ہے اور نہ جانے کتنے تندرست و توانا ہمارے دست نگر ہیں، کتنے ہیں جن کی روزی کا ذریعہ خدا نے ہم کو بنا دیا ہے اور کتنے ہیں جو اپنی گزر بسر کے لئے ہماری مدد کے محتاج ہیں...... بے شک ہم مفلوج ہیں لیکن ہم کو خدا نے علم و فہم کی اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا ہے اور نہ صرف یہ کہ ہم اپنی روزی خود کماتے ہیں بلکہ بہت سے تندرست و توانا لوگوں کی ہم کفالت کر رہے ہیں اور بہت سے قوی ہیکل ہمارے سامنے اس طرح عاجزی اور عقیدت سے بیٹھے ہوتے ہیں کہ ہمارے کمزور جثے میں انہیں کسی غیر معمولی قوت کا احساس ہوتا ہے۔

(۷۳) خدانخواستہ ہم انتہائی تنگ دست اور نادار ہیں

لیکن خدا نے ہم کو دین کا علم عطا فرمایا ہے۔ ہزاروں سینوں میں ہمارے لئے عقیدت و احترام

کے جذبات ہیں، کتنے ہیں جو ہماری سربراہی کو اپنے لئے سعادت سمجھتے ہیں، اہل وعیال کی ضرورتیں ہم کشادگی سے پوری نہیں کر پاتے اور وہ پریشان رہتے ہیں لیکن خدا کا کرم ہے کہ ہماری رفیقۂ حیات انتہائی وفادار، اطاعت شعار، پاک دامن اور قناعت پسند ہے، ہماری اولاد ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور ہمارا گھر جنت کا نمونہ ہے۔ ایسے افلاس پر ہزاروں خوش حالیاں قربان کی جاسکتی ہیں اور ہماری خوش نصیبی پر رشک کرنا بھی سعادت ہے۔

۴۷ خدانخواستہ ہم اعلیٰ تعلیم سے محروم ہیں

ہم خدانخواستہ اونچے عہدے سے محروم ہیں، سماج میں ہمیں کوئی امتیازی مقام بھی حاصل نہیں ہے، نہ ہمارے پیغام کی کوئی قیمت ہے، نہ ہماری سفارش کی کوئی حیثیت، لیکن خدا نے ہمیں اپنی عبادت اور بندگی کی توفیق دی ہے، لوگوں کے حقوق ادا کرنے کا احساس دیا ہے، حرام سے بچنے کا جذبہ بخشا ہے، خدا کی نافرمانی کے تصور سے ہم لرز اٹھتے ہیں، تو یقین مانیے کہ خدا کی نظر میں ہم ان کروڑوں انسانوں سے بہتر ہیں جن کی سفارش کی زبردست اہمیت ہے، جن کا پیغام لوگ دل وجان سے قبول کرتے ہیں اور جن کو سماج میں اونچا مقام حاصل ہے مگر نہ وہ خدا کا حق ادا کرتے ہیں نہ بندوں کا...... ہم ہرگز یہ نہ سوچیں کہ ہم معاشرے کے گرے پڑے انسان ہیں۔ خدا کا ہم پر بڑا کرم ہے اور ہمیں دونوں جہاں کی دولت حاصل ہے۔

یہ دنیا عبرت اور آزمائش کی جگہ ہے، یہاں خدا نے ایک کو ایک پر فضیلت دی ہے اور ایک کو ایک کا محتاج بنایا ہے۔ بے شک ہم بہت سی نعمتوں سے محروم ہیں، بہت سی چیزوں میں ہم دوسروں سے فروتر ہیں...... لیکن بہت سے ایسے بھی ہیں جن کو وہ کچھ بھی حاصل نہیں ہے جو ہمیں حاصل ہے، بہت سے ایسے بندے بھی ہیں جو بہت سے پہلوؤں سے ہمارے مقابلے میں کہیں زیادہ فروتر ہیں۔ ہمارے لیے سوچنے کا صحیح انداز وہی ہے جو ہمارے رسول ﷺ نے ہمیں بتایا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"تم میں سے جو لوگ دنیوی اعتبار سے کچھ چیزوں میں بالاتر ہیں انہیں نہ دیکھو، ان کو دیکھو جو بہت سے پہلوؤں سے تم سے فروتر ہیں۔ اس طرح تم میں یہ صلاحیت پیدا ہوگی کہ خدا نے تمہیں جو نعمتیں دے رکھی ہیں تم انہیں حقیر نہ سمجھو گے۔"

اور صحیح مسلم کی روایت ہے:

"جب تم میں سے کسی کی نظر کسی ایسے آدمی کی طرف اٹھے جو مال و دولت اور جسمانی قوت میں اس سے بڑھا ہوا ہے تو وہ اس شخص کو دیکھے جو جسمانی قوت و وجاہت اور مال و دولت میں اس سے فروتر ہے۔"

شکر کے جذبات پروان چڑھانے اور تسلیم و رضا کی عادت ڈالنے کے لئے نبی ﷺ کی بتائی

ہوئی یہ تدبیر انتہائی مؤثر اور بے خطا ہے۔ مصائب اور محرومیوں پر صبر اور نعمتوں پر شکر مومن کے دو ایسے امتیازی اوصاف ہیں جن کی بدولت مومن کا ہر معاملہ اس کے لئے خیر ہی خیر ہے...... اور یہ سعادت صرف مومن ہی کو حاصل ہوتی ہے جو خدا کی صفات پر پختہ یقین رکھتا ہے، جس کا ایمان ہے کہ کوئی چیز خدا کے علم سے باہر نہیں ہے اور خدا کا کوئی عمل حکمت سے خالی نہیں ہے۔ یہ یقین و ایمان ہی مومن کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ ایمان ہی سے صبر و شکر کی صفات پیدا ہوتی ہیں اور صبر و شکر ہی کے ذریعے مومن بلند سے بلند درجات پاتا ہے۔

۷۵ کوئی ایسی کوتاہی نہ کریں کہ کل ہمیں پچھتانا پڑے

ہم ذرا لاپرواہی برتیں تو دیمک ہماری قیمتی کتابوں کو برباد کر ڈالتی ہے۔ ذرا احتیاط نہ کریں تو گھن آپ کے غلے کے ذخیروں کو تباہ کر دیتا ہے۔ ذرا غفلت کریں تو بیماری ہماری صحت خراب کر دیتی ہے۔ بے شک دیمک، گھن اور بیماری ہمارے دشمن ہیں اور ہم ہر ممکن احتیاط کرتے ہیں کہ ہماری قیمتی کتابیں، ہمارا محنت سے حاصل کیا ہوا غلے کا ذخیرہ اور ہماری اچھی صحت ان دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رہیں۔ ہمیں ان دشمنوں کی دشمنی کا اندازہ ہے اور ان کے دشمنانہ حملوں کے عبرتناک نتائج ہمارے سر کی آنکھوں سے دیکھے ہیں...... ہماری دانائی اور دوراندیشی کا یہی تقاضہ ہے کہ ہم ان دشمنوں سے ہوشیار رہیں اور کوئی ایسی کوتاہی نہ کریں کہ کل ہمیں پچھتانا پڑے۔

۷۶ بہت نکلے مِرے ارماں
مگر پھر بھی وہ کم نکلے

اس دنیا میں نہ محروم انسانوں کی گنتی ممکن ہے، نہ محرومیوں کا شمار ہو سکتا ہے۔ ہزاروں حسرتیں پوری ہونے کے بعد بھی آدمی یہی کہتا ہے...... بہت نکلے مِرے ارماں۔ لیکن پھر بھی کم نکلے' اور یہ حقیقت ہے کہ کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو کسی نہ کسی چیز سے محروم نہ ہو۔ کون ہوگا جسے اپنی محرومی پر افسوس نہ ہو اور وہ شب و روز کوشاں نہ ہو کہ اس کی محرومی کا خاتمہ ہو۔ کوئی گوارا نہیں کرتا کہ وہ محروم رہے اور محرومی کی زندگی گزارے۔

مگر محروموں کی اس بھیڑ میں بدترین قسم کا محروم وہ ہے جو اپنے مخلص دوستوں اور ساتھیوں کی نصیحت و فہمائش اور تذکیر و تنقید سے محروم ہے، اس لیے نہیں کہ اسے ایسے ساتھی اور ایسے مخلص رفقائے سفر میسّر نہیں ہیں جو اس کو یاددہانی کراتے رہیں اور غلطیوں پر اسے ٹوک کر صحیح سمت سفر بتاتے رہیں بلکہ اس کی محرومی کی وجہ یہ غلط زعم ہے کہ وہ ان سب سے بلند ہے اور ان کی نصیحت و فہمائش اور تذکیر و

یاددہانی سے بالاتر ہے۔ ان کے اچھے ساتھی اسے اس لئے نہیں ٹوکتے کہ وہ بگڑ جاتا ہے، وہ نصیحت سننے کے بجائے اسے اپنی تحقیر سمجھتا ہے اور الٹا نصیحت کرنے والے کے درپے آزار ہوجاتا ہے۔ اس کے ہمدرد اسے بار بار ٹھوکریں کھاتے دیکھتے ہیں، بھٹکتا ہوا محسوس کرتے ہیں، کڑھتے ہیں لیکن اس کی بدمزاجی، کبرنفس اور برے طرز عمل کی وجہ سے مفید نہیں سمجھتے کہ اسے توجہ دلائیں۔ خیر خواہی کا جذبہ انہیں بار بار اکساتا ہے لیکن وہ بار بار ہمت کرنے کے باوجود اس لئے رک جاتے ہیں کہ انہیں حقِ نصح وخیر خواہی ادا کرنے میں مزید نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ کتنی عبرتناک ہے یہ بدمزاجی، اور کیسا بدترین محروم ہے وہ شخص جس کے مخلص ساتھی اس کو بھلی بات بتانے اور صحیح بات کی طرف متوجہ کرنے سے بھی کترانے لگیں۔

۷۷ کون نہیں چاہتا کہ اس کی محرومی دور ہو

محرومی کو دور کرنے کی کوشش وہی شخص تو کرے گا جس کو اپنے محروم ہونے کا احساس ہو۔ جس شخص کو اپنی محرومی کا شعور ہی نہ ہو وہ محرومی سے بچنے کی فکر و کوشش کیسے کرسکتا ہے۔ دوستوں کی نصیحت اور فہمائش سے محروم انسان کی محرومی کا ایک دردناک پہلو یہ بھی ہے کہ اس کو اپنے محروم ہونے کا شعور ہی نہیں ہوتا۔ ہم اگر اسے اس طرف متوجہ کریں تو اس یاددہانی کو بھی اپنی تحقیر تصور کرتا ہے اور اپنی روش پر غور کرنے کے بجائے وہ دوسروں کا مذاق اُڑاتا ہے۔ اس کو ہر ایک اپنے سے کم عقل اور کم مرتبہ نظر آتا ہے اور کسی کو بھی وہ اس لائق نہیں سمجھتا کہ وہ اس کے کسی عمل پر احتساب کرے۔

مرید باسعادت رورو کے ہوگیا تائب
خدا کرے یہ توفیق شیخ کو بھی مل جائے

۷۸ ہمارا دوست اور ساتھی دراصل ہمارا آئینہ ہے

انسان بہت کمزور ہے۔ وہ ہر وقت اپنے نفس، خواہشات اور شیطانی ذریت کے نرغے میں ہے، یہ شیطانی ذرّیت راہ حق سے بھٹکانے کی وہ وہ زمین دوز اور خفیہ تدبیریں کرتی ہے جہاں اکثر اوقات انسان کی نگاہ نہیں پہنچ پاتی اور اسے احساس بھی نہیں ہو پاتا کہ میں اپنے مقام سے بہت نیچے گرادیا گیا ہوں۔

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (سورۃ الاعراف ۷:۲۷)

''اور شیطان کی ذریت تمہیں وہاں وہاں سے دیکھتی ہے جہاں تمہاری نگاہیں نہیں پہنچ پاتیں۔''

یہ زندگی امتحان کی مہلت ہے، اس مہلت میں کوئی مرحلہ اور کوئی مقام ایسا نہیں آتا جہاں پہنچ کر آدمی یہ اطمینان کرلے کہ اب میں ہر پہلو سے محفوظ ہوگیا اور اب میرے بھٹکنے اور بہکنے کا کوئی امکان

نہیں۔ کسی کو یہ حق نہیں جو مجھے میرے کسی قول وعمل پر ٹوکے اور کسی کا یہ مقام نہیں جو مجھے نصیحت و فہمائش کرے۔ میں اپنی بہترین ریاضت اور اعلیٰ تربیت کی بدولت ہدایت واخلاق کے اس بلند مقام پر پہنچ گیا ہوں جہاں آدمی دوسروں کی نصیحت اور تذکیر وتلقین سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

۷۹ خدانخواستہ اگر آپ اس طرح کی خام خیالیوں میں مبتلا ہیں

تو کھرچ پھینکیں ان گمراہ کن خیالات کو، سچے دل سے خدا کے حضور گڑگڑائیں اور شیطان کے اس جال سے جلد از جلد نکل آئیں۔ اگر ہم اپنے خیر خواہ ہیں تو جواب دینے کے مؤثر انداز نہ سوچیں۔ خاموشی اختیار کریں اور تنہائی میں اپنے رویے پر غور کریں۔ زندگی بھر کی بہترین تربیت اور ریاضت کی بدولت بھی اس مہلت عمل میں کوئی مرحلہ ایسا نہیں آتا کہ آدمی خود کو کامل و اکمل سمجھنے لگے اور وہ دوسروں کی یاددہانی اور سمجھانے بجھانے سے بے نیاز ہو جائے۔ ایسا سوچنا صرف یہی نہیں کہ غلط ہے بلکہ یہ خیالات علامت ہیں اس حقیقت کی کہ آدمی ہدایت واخلاق کے بلند مرتبے سے بہت نیچے گر چکا ہے۔

حضرت شہر بن حوشب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: ام المؤمنین! جب خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس ہوتے ہیں، تو وہ اکثر کون سی دعا مانگتے رہتے ہیں؟

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا مانگتے رہتے ہیں:

یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ۔ (جامع ترمذی)

''اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر مضبوط جمادے۔''

اللہ اکبر! سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر تو اکثر یہ دعا ہو اور ہم یا آپ اس خام خیالی میں مبتلا ہوں کہ ہم دین کے ایسے اعلیٰ مقام پر ہیں جہاں ہمیں کسی کی تذکیر وتنقید کی ضرورت نہیں۔

اگر ہم اپنی تند مزاجی اور ناروا طرز عمل کے باعث دوستوں کی نصیحت و تذکیر سے محروم ہیں، ہم ساتھیوں کی تنقیدوں پر بھڑک اٹھتے ہیں، اپنی کوتاہیوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بجائے، غضب ناک ہو جاتے ہیں، تو بے شک ہم کبر نفس میں مبتلا ہیں، اپنی ذات کے بدترین دشمن ہیں۔ دنیا میں مخلص ساتھیوں کی رفاقت خدا کی عظیم نعمت ہے۔ اچھے ساتھیوں کی صحبت آدمی کی بہت بڑی سعادت ہے۔ غلطیوں پر ٹوکنے والے، کوتاہیوں پر متوجہ کرنے والے اور بھلائیوں کی تلقین کرنے والے ساتھی ہمارے محسن ہیں۔ ان کی خیر خواہی اور تذکیر و یاددہانی سے اگر ہم خود کو محروم کر رہے ہیں تو یہ بدترین قسم کی محرومی ہے، ہم اپنی ہلاکت کے لئے خود گڑھا کھود رہے ہیں اور اس عمل کے دوران اپنے دونوں کانوں میں ہم نے انگلیاں ٹھونس رکھی ہیں کہ کسی تنبیہ کرنے والے کی آواز ہمارے کان میں نہ پہنچ سکے۔

اپنی حالت زار پر رحم کھایئے! نفس کو پھلانے کے بجائے اسے روندنے کی کوشش کیجئے، خدا سے توبہ کیجئے، تہجد کی نماز کے ذریعے اپنے بدترین دشمن پر قابو پایئے۔ اپنے مخلص ساتھیوں کی قدر کیجئے۔ یہ اگر آپ کو متوجہ کریں تو ان کا احسان مانیے، ان کے حوصلے بڑھایئے۔ ان کے مشوروں پر اخلاص کے ساتھ غور کیجئے۔ ان کو جھڑکنے اور الزامی جواب دینے کے بجائے ان کی باتیں خندہ پیشانی سے سنیے۔ ان کی نصیحتوں، مشوروں، تنقیدوں کو خدا کا انعام تصور کیجئے۔ آدمی کو اپنے عیوب، اپنی کوتاہیاں اور اپنی کمزوریاں نظر نہیں آتیں، اپنے چہرے کے داغ آدمی اپنی آنکھوں سے کیسے دیکھ سکتا ہے۔ ہم آئینے کا احسان کیوں نہیں مانتے کہ وہ ہمارے سامنے ہمارے داغ دھبوں کو رکھ دیتا ہے اور ہمیں یہ موقع فراہم کر دیتا ہے کہ ہم اپنے ان داغ دھبوں کو صاف کر لیں۔

ہمارے دوست اور ساتھی دراصل ہمارا آئینہ ہیں، ان کے تعاون کے بغیر نہ آپ اپنے اخلاقی اور روحانی عیوب کو دور کر سکتے ہیں اور نہ اس راہ میں آگے بڑھ سکتے ہیں...... اور اگر آپ کے ناروا طرزِ عمل سے متاثر ہو کر آپ کے یہ ساتھی آپ کو ٹوکنے اور آپ کو توجہ دلانے سے کترانے لگیں تو یقین کیجیے کہ آپ اس دنیا کے بدترین محروم انسان ہیں۔

(۸۰) فہم دین

دو ساتھی گاؤں کے ایک راستے پر چلے جا رہے تھے۔ شیخ نصیر ادھیڑ عمر کے آدمی تھے اور اذکار اور وظیفے کے پابند تھے۔ شہاب خان جواں سال تھے لیکن دینی امور میں ان کی بھی خاص توجہ تھی، دونوں کو قریب کی ایک بستی میں جانا تھا۔ شہاب خان کے لئے یہ راستہ اجنبی تھا، وہ پہلی ہی بار اس راستہ پر آئے تھے۔ شیخ نصیر اکثر اس راستے سے گزرتے تھے اور وہ راستے کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف تھے۔ شیخ صاحب اپنی عادت کے مطابق اپنا وظیفہ پڑھتے ہوئے جا رہے تھے۔ شہاب خان کچھ آگے آگے چل رہے تھے۔

آگے ایک ندی تھی جسے پار کر کے ہی دونوں کو اپنی منزل مقصود پر پہنچنا تھا۔ ندی میں پانی اگرچہ تھوڑا ہی تھا لیکن پھر بھی پانی میں سوچ سمجھ کر ہی اترنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی جگہ گڑھا ہو اور آدمی کی جان پر بن آئے۔ شیخ صاحب کو تو خوب معلوم تھا کہ کہاں گڑھا ہے اور کس طرف راستہ ٹھیک ہے کیونکہ وہ اکثر و بیشتر اس ندی سے گزرتے تھے لیکن شہاب خان پہلی بار ہی ادھر آئے تھے اس لیے انہیں کیا خبر کہ کس طرف سے ندی پار کریں اور کس طرف خطرہ ہے۔

ندی میں پانی کچھ زیادہ نہ تھا اس لئے ایک کنارے سے شہاب خان ندی میں اتر پڑے مگر اترتے ہی ان کے پاؤں اٹھنے لگے اور لگے غوطے کھانے، وہ تو خدا کا کرم یہ ہوا کہ جلد ہی ایک اجنبی

آ پہنچا اور اس کی مدد سے شہاب خان کی جان بچ گئی۔

شیخ صاحب چند گز کے فاصلے پر تھے، یہ سب منظر دیکھتے رہے۔ شہاب خان جب باہر نکل آئے تو چند لمحوں بعد شیخ صاحب بھی قریب پہنچے اور افسوس کرنے لگے۔ شہاب خان کو تہبند دیا اور ان کے کپڑے اتروا کر دھوپ میں سوکھنے کے لئے ڈالے۔

آپ تو اکثر اس راستے سے آتے جاتے ہیں۔ آپ کو بھی نہیں معلوم تھا کہ یہاں کنارے پر ہی اتنا گہرا گڑھا ہے؟ شہاب خان نے شیخ صاحب سے پوچھا۔

عزیز! مجھے خوب معلوم تھا، یہ گہرا گڑھا بڑا ہی خطرناک ہے، خدا کا خصوصی فضل ہے کہ تم بچ گئے، خدا کا شکر ادا کرو اور شکرانے کے نوافل پڑھو۔

جب آپ کو معلوم تھا کہ یہاں اتنا خطرناک گڑھا ہے اور آپ مجھ سے کچھ ہی فاصلے پر تھے تو آپ نے مجھے روکا کیوں نہیں، آپ نے فوراً آواز دی ہوتی بابا! شہاب خان نے حیرت اور شکایت کے ملے جلے انداز میں کہا۔

ہاں بھئی! میں دیکھ تو رہا تھا اور دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ اب تمہارا بچنا محال ہے لیکن میں تمہیں آواز کیسے دیتا، میں وظیفہ پڑھ رہا تھا، وظیفہ پورا کیے بغیر دنیا داری کے کاموں میں کیسے ذہن لگاتا، جونہی میں نے وظیفہ پورا کیا فوراً تمہاری طرف دوڑا۔

یہ من گھڑت کہانی نہیں سچا واقعہ ہے۔ شیخ صاحب نے یہ گوارا کیا کہ ان کا ایک جوان ساتھی ڈوب جائے لیکن یہ گوارا نہ کیا کہ اپنے وظیفے کی تکمیل کیے بغیر ان کی طرف متوجہ ہوں۔ یہ بات انہیں دینداری کے خلاف محسوس ہوئی کہ دعا اور وظیفے کی عبادت ادھوری چھوڑ کر آدمی کسی اور کام کی طرف توجہ کرے۔

شیخ صاحب نے یہ طرز عمل اس لیے اختیار کیا کہ ان کی نظر میں یہی اعلیٰ درجے کی دینداری تھی۔ آدمی اگر خدا کے ساتھ مشغول ہے، اس کے ذکر وفکر میں لگا ہوا ہے تو یہ گستاخی ہے کہ ذرا سا کوئی ہنگامہ سامنے آئے اور وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس میں لگ جائے۔

کیا اس بات میں شک اور تردد کی کوئی گنجائش ہے کہ شیخ صاحب کا یہ طرز عمل سرتا سر غلط ہے؟ انہوں نے دین کا تقاضا پورا نہیں کیا بلکہ سخت جرم کیا لیکن اس جرم کی بنیاد بے دینی، خدا بیزاری، سرکشی، شرارت اور درندگی نہیں ہے بلکہ دین کی سوجھ بوجھ اور دین کی فہم وبصیرت سے محرومی ہے، اگر شیخ صاحب کو دین کا صحیح فہم حاصل ہوتا تو وہ ہرگز یہ طرز عمل اختیار نہ کرتے۔

(٨١) بکھرے موتی کے متعلق مبشرات

(١) جب جلد اوّل بکھرے موتی کی آئی تو ممبئی میں ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ کی قبر مبارک کھلی ہوئی ہے اور فرشتے بکھرے موتی کی جلدیں ایک ایک کر کے لا کر حضور ﷺ کے سرہانے

رکھ رہے ہیں، ان بزرگ نے خود آکر یہ خواب مجھے بیان کیا۔

❷ بندہ نے خواب دیکھا کہ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے بڑے دھیان سے بکھرے موتی پڑھ رہے ہیں۔

❸ ایک ساتھی نے خواب دیکھا کہ سارے آسمان پر بکھرے موتی، بکھرے موتی لکھا ہوا ہے اور اس کے علاوہ بھی بہت مبشرات ہیں اور ان مبشرات کے لکھنے کی وجہ یہ ہوئی کہ مجھے کافی فون آئے کہ بکھرے موتی کا نام بدلا جائے اور کسی اور نام سے اگلی جلدیں آئیں اس لیے میں نے یہ نام نہیں بدلا کیونکہ اس نام میں ایک برکت پیدا ہوگئی ہے جو ان مبشرات سے سمجھ میں آسکتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو غیر معمولی مقبولیت بھی بخشی ہے اور اس کا نام لوگوں کے درمیان متعارف بھی ہیں۔

---

⑧٢ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں قصیدہ

حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ اقدس میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جو چہرۂ انور کی تعبیر فرمائی اس کا کچھ حصہ ہدیۂ ناظرین ہے:

وَاَحْسَنُ مِنْکَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِي   وَاَجْمَلُ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ   كَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ
اَغَرَّ عَلَيْهِ لِلنُّبُوَّةِ خَاتَمٌ   مِّنَ اللّٰهِ مَشْهُوْدٌ يَّلُوْحُ وَيَشْهَدُ
وَضَمَّ الْاِلٰهُ اسْمَ النَّبِيِّ مَعَ اسْمِهٖ   اِذْ قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ اَشْهَدُ
وَشَقَّ لَهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ   فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدُ
نَبِيٌّ اَتَانَا بَعْدَ يَاْسٍ وَفَتْرَةٍ   مِّنَ الرُّسُلِ وَالْاَوْثَانُ فِي الْاَرْضِ تُعْبَدُ
فَاَمْسٰى سِرَاجاً مُّسْتَنِيْرًا   يَّلُوْحُ كَمَا لَاحَ الصَّيْقَلُ الْمُهَنَّدُ
وَافٍ وَمَاضٍ شِهَابٌ يُّسْتَضَاءُ بِهٖ   بَدْرٌ اَنَارَ عَلٰى كُلِّ الْاَمَاجِيْدُ
مُبَارَكٌ كَضِيَاءِ الْبَدْرِ صُوْرَتُهٗ   مَا قَالَ كَانَ قَضَاءً غَيْرُ مَرْدُوْدِ

ترجمہ: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین میری آنکھ نے نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ جمیل آج تک کسی عورت نے نہیں جنا، آپ ہر عیب سے محفوظ پیدا کیے گئے ہیں گویا کہ جیسا آپ نے چاہا تھا اسی طرح آپ کو پیدا فرمایا گیا ہے۔

✽ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن اطہر پر مہر نبوت چمک رہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی دلیل ہے جسے ہر ایک دیکھ سکتا ہے۔

✽ اور اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اپنے نام مبارک کے ساتھ اس طرح ملا دیا ہے کہ جب

بھی مؤذن اذان میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دیتا ہے ساتھ ہی حضور انور ﷺ کی رسالت کی بھی شہادت دینی ضروری ہے۔

* اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے نام کا اشتقاق اپنے نام مبارک سے کیا تاکہ آپ کی عزت اور وقار قائم رہے جیسا کہ عرش کا مالک تو محمود ہے اور آپ کا نام محمد ہے۔ (یعنی دونوں کا مادہ اشتقاق حمد ہے)

* آپ ﷺ ایسے نبی کریم ہیں کہ کافی زمانہ وحی کے نہ آنے کے بعد آپ اس وقت تشریف لائے جب کہ ساری دنیا بت پرستی میں مبتلا تھی۔

* آپ ایسا چراغ ہیں جو ہمیشہ روشنی دیتا رہے گا اور آپ یوں چمکتے ہیں جس طرح صیقل شدہ تلوار چمکتی ہے۔

* آپ (ﷺ) وعدہ وفا کرنے والے، اپنی بات کو پورا کرنے والے ایسے چمکدار ستارے ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ آپ ایسے ماہ کامل ہیں کہ ہر شرف ومجد پر آپ کا نور چمک رہا ہے۔

* آپ ﷺ بڑی برکت والے ہیں۔ چودھویں رات کے چاند کی طرح آپ کا چہرہ مبارک ہے، جو بات فرماتے ہیں وہ ہو جاتی ہے۔ اس کے خلاف نہیں ہوتا۔ (از: دیوان حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۸۳ ایک فکر

نَقُوْلُ فِیْ تَوْحِیْدِ اللّٰہِ مُعْتَقِدِیْنَ بِتَوْفِیْقِ اللّٰہِ:

توحید باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ توحید باری تعالیٰ سے متعلق ہم اس اعتقاد کا اعلان کرتے ہیں۔

❶ اِنَّ اللّٰہَ وَاحِدٌ لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔

ترجمہ: بلاشبہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

❷ وَلَا شَیْءَ مِثْلَہٗ

ترجمہ: کائنات کی کوئی بھی چیز اس کی مثل نہیں۔

❸ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُہٗ

ترجمہ: اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

❹ قَدِیْمٌ بِلَا ابْتِدَاءٍ، دَائِمٌ بِلَا انْتِہَاءٍ۔

ترجمہ: وہ ہمیشہ سے ہے جس کی کوئی ابتداء نہیں اور وہ ہمیشہ رہے گا جس کی کوئی انتہا نہیں۔

⑤ لَا يَفْنَىٰ وَلَا يَبِيْدُ۔

ترجمہ: وہ ذات نہ فنا ہوگی اور نہ ہی ختم ہوگی۔

⑥ وَلَا يَكُوْنُ إِلَّا مَا يُرِيْدُ

ترجمہ: اس جہاں میں وہی کچھ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔

⑦ لَا تَبْلُغُهُ الْأَوْهَامُ وَلَا تُدْرِكُهُ الْأَفْهَامُ۔

ترجمہ: انسانی خیالات اُس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے اور نہ ہی عقل اس کا ادراک کرسکتی ہے۔

⑧ وَلَا يُشْبِهُهُ الْأَنَامُ۔

ترجمہ: مخلوق کے ساتھ اُس کی تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔

⑨ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ، قَيُّوْمٌ لَّا يَنَامُ۔

ترجمہ: وہ زندہ ہے اسے موت نہیں آئے گی۔ وہ محافظ ہے اُسے نیند نہیں آتی۔

⑩ خَالِقٌ بِلَا حَاجَةٍ، رَازِقٌ بِلَا مُؤْنَةٍ۔

ترجمہ: وہ سب کا پیدا کرنے والا ہے حالانکہ اسے اس کی کوئی حاجت نہیں اور وہ سب کا رازق ہے بغیر کسی تکلیف کے۔

⑪ مُمِيْتٌ بِلَا مَخَافَةٍ، بَاعِثٌ بِلَا مُشَقَّةٍ۔

ترجمہ: وہ سب کو موت دینے والا ہے بغیر کسی ڈر کے اور سب کو دوبارہ زندہ کرنے والا ہے بغیر کسی مشقت کے۔

⑫ مَازَالَ بِصِفَاتِهٖ قَدِيْمًا قَبْلَ خَلْقِهٖ، لَمْ يَزْدَدْ بِكَوْنِهِمْ شَيْئًا لَّمْ يَكُنْ قَبْلَهُمْ مِنْ صِفَتِهٖ، وَكَمَا كَانَ بِصِفَاتِهٖ أَزَلِيًّا، كَذٰلِكَ لَا يَزَالُ عَلَيْهَا أَبَدِيًّا۔

ترجمہ: وہ ہمیشہ سے اپنی تمام تر صفات کے ساتھ قدیم ہے۔ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے جن اوصاف سے متصف تھا مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد اس کے کسی وصف میں زیادتی نہیں ہوئی۔ وہ اپنی جملہ صفات کے ساتھ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

⑬ لَيْسَ بَعْدَ خَلْقِ الْخَلْقِ اِسْتَفَادَ اِسْمَ "الْخَالِقِ"، وَلَا بِإِحْدَاثِ الْبَرِيَّةِ اِسْتَفَادَ اِسْمَ "الْبَارِيْ"۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد اپنے لئے "خالق" کا نام وضع نہیں کیا اور نہ ہی (بریت) معرض وجود میں لاکر "باری" کا نام اختیار کیا۔

⑭ لَهٗ مَعْنَى الرُّبُوْبِيَّةِ وَلَا مَرْبُوْبَ۔ وَمَعْنَى الْخَالِقِ وَلَا مَخْلُوْقَ۔

ترجمہ: اللہ عزوجل کسی پلنے والے کے بغیر بھی ربوبیت کے مقام پر فائز ہے اور وہ کسی چیز کو پیدا

کرنے کے بغیر بھی خالق ہے۔

⑮ وَكَمَا اَنَّهُ مُحيِي الْمَوْتٰى بَعْدَ مَا اَحْيَا، اِسْتَحَقَّ هٰذَا الِاسْمَ قَبْلَ اِحْيَائِهِمْ، كَذٰلِكَ اِسْتَحَقَّ اِسْمَ الْخَالِقِ قَبْلَ اِنْشَائِهِمْ۔

ترجمہ: جیسا کہ وہ مردوں کو زندہ کرنے کے بعد محی (زندہ کرنے والا) کہلاتا ہے بعینہٖ وہ زندہ کرنے سے پہلے بھی اس نام کا مستحق ہے۔ اسی طرح وہ ذات مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہی خالق کے نام کا استحقاق رکھتی ہے۔

⑯ ذٰلِكَ بِاَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، وَكُلُّ شَيْءٍ اِلَيْهِ فَقِيْرٌ، وَكُلُّ اَمْرٍ عَلَيْهِ يَسِيْرٌ، لَا يَحْتَاجُ اِلٰى شَيْءٍ، (لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ، وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ)

ترجمہ: وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چیز اُس کی محتاج ہے۔ ہر کام اُس کے لئے آسان ہے وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس کی مثال نہیں۔ وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

⑰ خَلَقَ الْخَلْقَ بِعِلْمِهٖ۔

ترجمہ: اللہ جل جلالہٗ نے مخلوق کو اپنے علم سے پیدا کیا۔

⑱ وَقَدَّرَ لَهُمْ اَقْدَارًا۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیریں بنائیں۔

⑲ وَضَرَبَ لَهُمْ آجَالًا۔

ترجمہ: اس نے مخلوق میں سے ہر ایک کا آخری وقت متعین کیا۔

⑳ وَلَمْ يَخْفَ عَلَيْهِ شَيْءٌ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَهُمْ، وَعَلِمَ مَاهُمْ عَامِلُوْنَ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَهُمْ۔

ترجمہ: مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں تھی اور وہ لوگوں کو پیدا کرنے سے پہلے یہ جانتا تھا کہ وہ اپنی زندگی میں کیا کچھ کرنے والے ہیں۔

㉑ وَاَمَرَهُمْ بِطَاعَتِهٖ، وَنَهَاهُمْ عَنْ مَعْصِيَتِهٖ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیا اور انہیں اپنی نافرمانی سے روکا۔

㉒ وَكُلُّ شَيْءٍ يَّجْرِيْ بِتَقْدِيْرِهٖ وَمَشِيْئَتِهٖ، وَمَشِيْئَتُهٗ تَنْفُذُ لَا مَشِيْئَةَ لِلْعِبَادِ اِلَّا مَاشَاءَ لَهُمْ كَانَ، وَمَالَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ۔

ترجمہ: کائنات کی ہر چیز اس کے انداز اور چاہت کے مطابق چلتی ہے۔ اس جہاں میں اسی کی چاہت کام کرتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔

۲۳ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ، وَيَعْصِمُ وَيُعَافِيْ فَضْلًا وَيُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ، وَيَخْذُلُ وَيَبْتَلِيْ عَدْلًا۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، وہ اپنے فضل وکرم سے ہر ایک کی حفاظت فرماتا ہے اور عدل وانصاف کی بنیاد پر جسے چاہتا ہے گمراہ، رسوا اور آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے۔

۲۴ وَكُلُّهُمْ يَتَقَلَّبُوْنَ فِيْ مَشِيْئَتِهٖ، وَبَيْنَ فَضْلِهٖ وَعَدْلِهٖ۔

ترجمہ: تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی چاہت میں اس کے فضل وکرم اور عدل وانصاف کے درمیان الٹ پلٹ ہوتی ہے۔

۲۵ وَهُوَ مُتَعَالٍ عَنِ الْاَضْدَادِ وَالْاَنْدَادِ۔

ترجمہ: وہ ذات ہمسروں اور شرکاء سے بلند تر ہے۔

۲۶ لَارَادَّ لِقَضَائِهٖ، وَلَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ، وَلَا غَالِبَ لِاَمْرِهٖ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو کوئی ٹال نہیں سکتا، اُس کے حکم کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اور اُس کے فیصلوں پر کوئی غالب نہیں ہے۔

۲۷ آمَنَّا بِذٰلِكَ كُلِّهٖ، وَاَيْقَنَّا اَنَّ كُلًّا مِّنْ عِنْدِهٖ۔

ترجمہ: ہم اس سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارا یقین کامل ہے کہ ہر چیز اس کی طرف سے ہوتی ہے۔

۲۸ وَاِنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ الْمُصْطَفٰى، وَنَبِيُّهُ الْمُجْتَبٰى، وَرَسُوْلُهُ الْمُرْتَضٰى۔

ترجمہ: بلاشبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اس کے منتخب نبی اور پسندیدہ رسول ہیں۔

۲۹ وَاِنَّهٗ خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ، وَاِمَامُ الْاَتْقِيَاءِ وَسَيِّدُ الْمُرْسَلِيْنَ وَحَبِيْبُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء، امام الاتقیاء سید المرسلین اور پروردگارِ عالم کے محبوب ہیں۔

۳۰ وَكُلُّ دَعْوَى النُّبُوَّةِ بَعْدَهٗ فَغَيٌّ وَهَوًى۔

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ گمراہی وجہالت ہے۔

۳۱ وَهُوَ الْمَبْعُوْثُ اِلٰى عَامَّةِ الْجِنِّ وَكَافَّةِ الْوَرٰى، بِالْحَقِّ وَالْهُدٰى، وَبِالنُّوْرِ وَالضِّيَاءِ۔

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جن وانس اور پوری کائنات کی طرف حق وصداقت، رشد وہدایت اور نور وضیاء کے ساتھ مبعوث فرمائے گئے۔

(۸۴) اقوالِ زرّیں

اللہ کا ڈر وہ ہے جو سارے ڈر مٹا دے!

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

* کلام میں نرمی اختیار کرو، لہجے کا اثر الفاظ سے زیادہ ہوتا ہے۔
* تکلف کی زیادتی محبت کی کمی کا سبب بن جاتی ہے۔
* مطالعہ دل کو زندہ اور بیدار رکھنے کے لئے از حد ضروری ہے۔
* سخت کلامی سے ابریشم جیسے نرم دل بھی سخت ہو جاتے ہیں۔
* میں علم کے اس درجے تک اس طرح پہنچا کہ جو کچھ مجھے معلوم نہ تھا میں نے اسے معلوم کرنے میں شرم محسوس نہ کی۔
* غفلت ایسی لعنت ہے جو بندے کو خدا سے دور پھینک دیتی ہے۔
* علم کا مطالعہ پابندی سے کرنا چاہئے اور یہ کوشش ہونی چاہئے کہ آدمی ہمیشہ علم میں مشغول رہے۔

سقراط

* دوستی کی شیرینی کو ایک دفعہ کی رنجش کی یاد ہمیشہ زہر آلود کرتی رہتی ہے۔
* تحریر ایک خاموش آواز ہے اور قلم ہاتھ کی زبان ہے۔
* مصیبتیں زندگی میں ہی برداشت کرنا پڑتی ہیں اور موت ان سے نجات دلاتی ہے۔
* جس چیز کا علم نہیں، اس کے بارے میں کچھ مت کہو۔
* جو راستہ معلوم نہیں اس پر سفر نہ کرو۔
* نیک چلن ہونا اعلیٰ درجے کی خوبی ہے۔
* جن کی ضروریات کم ہوتی ہیں، وہ خدا کے نزدیک ہوتے ہیں۔
* نیک خو ہونا تمام حکمت کا خلاصہ ہے، اس سے امن اور سلامتی حاصل ہوتی ہے اور دوسروں کے دل میں محبت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت علی

* کارخانۂ قدرت میں فکر کرنا بھی عبادت ہے۔
* عقیدے میں شک رکھنا، شرک کے برابر ہے۔
* موت ایک بے خبر ساتھی ہے۔
* زمانے کے پل پل کے اندر آفات پوشیدہ ہیں۔

* عبادت پر غالب آنا کمال فضیلت ہے۔
* گناہوں پر نادم ہونا ان کو مٹا دیتا ہے اور نیکیوں پر مغرور ہونا ان کو برباد کر دیتا ہے۔
* عقل مند ہمیشہ غم و فکر میں مبتلا رہتا ہے۔
* بے موقع حیا بھی باعث محرومی ہے، قابل صحبت بہت کم لوگ ہیں۔
* ادب بہترین کمالات اور خیرات افضل ترین عبادات سے ہے۔
* عقل منداپنے آپ کو پست کر کے بلندی حاصل کرتا ہے اور نادان اپنے آپ کو بڑھا کر ذلت اُٹھاتا ہے۔
* دوستی ایک خود پیدا کردہ رشتہ ہے۔
* خواہش پرستی ہلاک کر دینے والا ساتھی اور بری عادت ایک زور آور دشمن ہے۔
* سخاوت کے ساتھ احسان رکھنا نہایت کمینگی ہے۔

کبھی پاؤں لڑکھڑائے تو کہا یہ مجھ سے دل نے
وہ چمک رہی ہے منزل وہ غبارِ کارواں ہے
شکیل بدایونی

رسم و رواج انسانی ترقی کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں۔
(جان سٹورٹ مل)

وہ کام سرانجام دیں جو آپ کی نظروں میں بہترین ہو اور باقی کام خدا پر چھوڑ دیں۔
(لونگ فیلو)

آنے والے جانے والے ہر زمانے کے لیے
آدمی مزدور ہے راہیں بنانے کے لیے
حفیظ جالندھری

حضرت حسن بصری

* دین اسلام سب نیکیوں کا نچوڑ ہے۔
* جو کام حکمت سے خالی ہے وہ آفت ہے۔ جو خاموشی حکمت سے خالی ہے وہ غفلت ہے۔ جو نظر

حکمت سے خالی ہے وہ ذلت ہے۔

* علم کی عظمت حلم سے ہے اور حلم علم سے۔
* جو شخص دنیا میں رہ کر دنیا کی محبت سے بچتا رہے اس نے اپنے آپ کو بھی فائدہ پہنچایا۔
* دنیا میں تمہارے نفس سے زیادہ ایسا کوئی سرکش جانور نہیں جو سخت ترین لگام کے لائق ہو۔
* دنیا کا عذاب یہ ہے کہ تیرا دل مردہ ہو جائے۔
* مصیبت یا خوشی کے وقت ناحق بات سے بچو اور حق بات پر ڈٹے رہو۔
* جنت کے مقابلے میں بڑی سے بڑی نعمت حقیر ہے اور دوزخ کے مقابلے میں بڑی سے بڑی مصیبت آسان اور قابل برداشت ہے۔

۸۵ شخصیت کی نشوونما بغیر کسی رہنمائی کے محال ہوتی ہے

شخصیت سازی کے کام کی پہلی سیڑھی فرض شناسی ہوتی ہے۔ والدین سے بڑھ کر اپنے بچوں کے معاملے میں فرض شناس اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ والدین اپنے بچوں کی صلاحیتوں کو فروغ دینے کے سلسلے میں شعوری کوشش کریں اور دلچسپی دکھائیں تو بچے کی حرکات و سکنات، اس کی امنگوں، خواہشوں، باتوں اور اس کی مصروفیتوں سے اس کی صحبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا مستقبل کیا ہے اور کس میدان میں اپنا سکّہ جما سکتا ہے۔

اللہ رب العالمین نے قرطاسِ ابیض پر جب انسانوں کی تقدیر لکھی تو یہ بھی بتا دیا کہ تقدیر دعاؤں سے بدل سکتی ہے۔ انسان محنت مشقت کے ذریعہ اور دعاؤں کے ساتھ اپنا مقدر بدل سکتا ہے۔ دنیا میں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک وہ جو تقدیر کے سہارے بیٹھ جاتے ہیں۔ جو کچھ تقدیر میں ہے وہی ملے گا بس! دوسرے وہ جو اپنا مقدر خود بناتے ہیں۔ ان کی زندگی کا ایک مقصد ہوتا ہے اور اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ متحرک رہتے ہیں۔ ان کی ہمہ وقت کوئی نہ کوئی سرگرمی چلتی رہتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک دن وہ کامیابی سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔ دوسرے وہ جو تقدیر کے بھروسے بیٹھے رہتے ہیں کہ ہماری تقدیر میں جتنا ہے وہ ہم کو ملے گا بس اور کیا کرنا ہے؟ یہ اور کیا کرنا ہے پر بات ختم نہیں ہوتی! ہر انسان کی زندگی میں کچھ اچھا کرنے کی خواہش ضرور ہونی چاہئے۔ اب سوال یہ ہے کہ خواہش اور یہ چاہت کہاں سے آتی ہے؟ ان کی جڑیں کہاں پیوست ہیں؟

انہیں تلاش کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں! یہ ماؤں کی گود اور اساتذہ کی تربیت سے ملتی ہیں۔ ماں کی گود میں کردار کی بلندی پلتی ہے اور اخلاق کی پستی بھی، وہیں حق گوئی اور عدل و انصاف کی بنیاد بھی پڑتی ہے، وہیں سے بے ایمانی، ظلم و زیادتی کی شروعات بھی ہوتی ہے۔ وہیں خدا کا خوف

اور انسانیت سے محبت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں اور وہیں سے بغاوت، مجرمانہ ذہنیت کی بھی ابتدا ہوتی ہے۔ دنیا سے ظلم وستم مٹانے اور انسانیت کو فلاح و بہبود سے ہمکنار کرنے کا حوصلہ ملتا ہے اور وہیں سے شہرت کمانے اور اعلیٰ افسر بننے کی خواہش بھی پیدا کی جاتی ہے۔ ماں کی گود ہی ہے جس میں بچہ پروان چڑھتا ہے۔ ماں اپنے دودھ کے ساتھ، اپنی لوریوں سے، اپنے اشاروں سے بچے کو وہ سب کچھ بنا سکتی ہے جو وہ پسند کرتی ہے۔ ماؤں کو بچے کی تربیت سے متعلق نہ صرف حساس ہونا چاہئے بلکہ بچوں کے مزاج کے لئے ایک بہترین منتظم کی حیثیت سے ان کی صحیح نگہداشت کرنی چاہئے۔ بچوں کی پرورش میں، ان کی محنت اور کام کرنے کا جذبہ اس طرح ڈال دینا چاہئے کہ یہ جذبہ ان کے خون میں سرایت کر جائے اور وہ اپنے جینے کا ڈھنگ، مقصد متعین کرنے کے قابل بن جائیں۔

دنیا میں ہر آنے والا بچہ کچھ نہ کچھ صلاحیت ضرور لے کر آتا ہے۔ ان صلاحیتوں کو اجاگر کرنا، ابھارنا! یہ والدین کی ایک ذمہ داری ہے۔ بچوں کے اندر پوشیدہ صلاحیتوں کے ادراک کا فن اور ان کی صلاحیت والدین کی شخصیت کا وہ گوشہ ہے جسے خود والدین کو اپنے اندر فروغ دینا ہوتا ہے۔ زندگی میں بعض ایسی صلاحیتیں انسان کے اندر ہوتی ہیں جن سے ہر فرد واقف ہوتا ہے۔ ان کے اندر یقین ہوتا ہے اور وہ ایک نادر موقع کا منتظر ہوتا ہے اور اپنی انتھک محنت، لگن سے جب وہ آگے بڑھتا ہے تب اس کی پذیرائی نہیں ہوتی لیکن اگر وہ اپنی دھن کا پکا ہوتا ہے تو اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا لیتا ہے۔

پرعزم بچے وہ ہوتے ہیں جن کی خود اعتمادی مضبوط، جن کی سوچ مثبت اور عزم و ہمت بہت بلند ہوتا ہے۔ بحیثیت والدین ہم اپنے بچوں کو آزادی کے مواقع فراہم کریں۔ بسا اوقات ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کی بچپن کی ضد ہے لیکن ایسی ضد میں مثبت صلاحیتیں پوشیدہ ہوں، اسے پہچاننے کی سعی کریں اور یہ غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے دنیا کی نئی نئی ایجادات ہوتی ہیں۔

ہر فرد کی زندگی ایک عام رو میں بہتی رہتی ہے۔ اچانک جب وہ کسی مسئلے سے دوچار ہوتا ہے تب اس کی شخصیت کے وہ سب جوہر سامنے آتے ہیں جو اب تک سب سے پوشیدہ تھے۔ بچوں کی صلاحیتوں کو پہچان کر انہیں فروغ دینا کان کھود کر سونا نکالنے کے برابر ہے۔ خاص کر عمر کے اس دور میں جب بیٹا یا بیٹی بچپن کی دہلیز پار کر کے سن بلوغت کو چھوتے ہیں۔ اس وقت بچوں کو خصوصی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسا نازک دور ہے جب گھر کا ماحول بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ایسے وقت میں جب بچوں کو نظم و ضبط کا پابند بنانے کے لئے تھوڑی بہت سختی کی جاتی ہے تو وہ انہیں ناگوار گزرتی ہے۔ ایسے حالات میں دوستانہ فضا قائم کرنا اور بچیوں کی رازدار بن جانا خاص طور سے ماؤں کا فرض ہے۔

گھر میں ایسا ماحول رکھیں کہ آپ کی بچی اپنی تمام باتیں آپ کو صحیح بتا دے۔ بچیوں میں ایسی عادت ڈالیں کہ آپ سے جھوٹ بولنے کا تصور بھی ان کے ذہن میں نہ آئے۔ ان کی غلطیوں پر انہیں

سزا دینے کے بجائے انہیں پیار سے سمجھائیں کہ وہ دوبارہ غلطی نہ کریں۔ انہیں زمانے کی اونچ نیچ سے آگاہ کریں۔ بچے کے مزاج کو سمجھنا، اس کے اندر خوداعتمادی پیدا کرنے کا پہلا مرحلہ ہے۔ انہیں خوداعتماد بنائیں۔ ان کے سامنے ہمیشہ اپنے بارے میں مثبت انداز سے سوچنے پر اپنی خوبیوں اور خامیوں سے باخبر رہنے کی اہمیت کو واضح کرتی رہیں۔ ہر بچے میں خوف ہوتا ہے۔ جس چیز کے متعلق خوف ہو اسے حکمت سے دور کیجئے۔ ان کے تمام کاموں میں مذمت کیجئے، صرف ایسے کاموں میں تعاون کیجئے جسے انجام دینے میں وہ دشواری محسوس کرتے ہیں۔ بچے کو مطالعے کا پابند بنایئے۔ رات میں جاگ کر پڑھنے سے روکنے، دن کے وقت منصوبہ بندی سے پڑھنے کا عادی بنایئے۔ بچوں کو بامقصد زندگی گزارنے کا درس دینا چاہئے۔

شخصیت کی نشوونما بغیر کسی بامقصد رہنمائی کے نہیں ہوسکتی لہٰذا یہ بات انہیں ذہن نشین کروادیجئے کہ وہ دنیا میں بے مقصد نہیں آئے ہیں۔ ہر انسان میں خوبیاں پوشیدہ ہیں۔ ان خوبیوں کو اجاگر کریں، پہچانیں اور قوم وسماج کی ترقی میں معاون بنیں کیونکہ دنیا میں انسان یونہی پیارا نہیں ہوتا، اس کا کام پیارا ہوتا ہے۔ یعنی جو شخص اپنا فرض ذمے داری سے ادا کرتا ہے وہ سب کا پیارا ہوجاتا ہے اور جو فرض ادا نہیں کرتا، اپنی ذمے داری محسوس نہیں کرتا تو اسے لوگ اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے۔ جو مستعدی سے، اچھے اخلاق سے، محبت سے، خلوص سے اچھے کام کرتا ہے اسے ساری دنیا پسند کرتی ہے۔ اس کی قدر ہوتی ہے اور وہی دنیا میں نام کماتا ہے۔

⑧٦ رشتوں کی مٹھاس سے گھر کا ماحول خوشگوار رہتا ہے

بعض گھروں میں ساس اور بہو کے رشتوں میں دراڑ آجاتی ہے لیکن اس دراڑ کو بآسانی ختم کیا جا سکتا ہے۔ صرف ہلکے پھلکے اور محبت بھرے انداز اور تھوڑی سی کاوش سے اس رشتے کو خوبصورت بھی بنایا جاسکتا ہے اور ہردل عزیز بھی۔

ہمارے یہاں شادی کسی بھی خاندان کے لئے بہت خوبصورت اور شاید سب سے اہم موقع ہوتا ہے۔ شادی خواہ بیٹے کی ہو یا بیٹی کی۔ اس تقریب کو مکمل اہتمام کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچایا جاتا ہے۔ بیٹے کی شادی ہوتو بہت خوشی اور ارمانوں سے بہو کو گھر میں لایا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں اکثر بہوئیں ماں کی پسند کی ہوتی ہیں، اس لئے بیٹے کی شادی کے وقت جتنی خوشی ماں کو ہوتی ہے شاید ہی کسی اور کو ہوتی ہو۔ شادی کے ابتدائی دنوں میں جہاں ساس اپنی بہو کا بہت خیال کرتی ہے تو وہیں بہو بھی ساس کی ہاں میں ہاں ملا کر فرمانبرداری کی بہت سی مثالیں قائم کرتی ہے۔ مگر بہت سے گھرانوں میں یہ وقت اور رشتہ ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا۔ مختصر وقت گزرنے کے ساتھ ہی اس ساس بہو کے رشتے میں دراڑیں پڑنا شروع

ہو جاتی ہیں۔ اس لئے اگر ہم اس رشتے کو نازک ترین رشتہ کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ لہٰذا جب اس رشتے میں روایتی ساس بہو والی لڑائی کا عنصر شامل ہوتا ہے تو اس لڑائی کا اثر صرف دو افراد پر ہی نہیں ہوتا بلکہ دو گھرانوں حتیٰ کہ دو خاندانوں پر ہوتا ہے۔ انہی چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کا نتیجہ پھر یہ نکلتا ہے کہ بہو اور بیٹا الگ گھر کے بارے میں سوچنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس طرح ان معمولی سی لڑائیوں کی وجہ سے صرف ایک بیٹا ہی اپنی ماں سے دور نہیں ہوتا بلکہ اس شخص سے جڑے تمام رشتے اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ اس طرح ہمیشہ ایک جھجک اور شرم کی دیوار ان رشتوں کے درمیان حائل رہتی ہے۔

ضروری نہیں کہ یہ کہانی ہر گھر کی ہو۔ ہمارے ہی معاشرے میں بہت سے ایسے گھرانے بھی ہیں جہاں بہو کو صرف زبان سے بیٹی نہیں کہا جاتا بلکہ اس کو دل سے بیٹی تسلیم کیا بھی جاتا ہے۔ اسی طرح ساس کو صرف ماں کا نام نہیں دیا جاتا بلکہ ان کو دل میں بھی ماں والا احترام دیا جاتا ہے۔ بے شک اس طرح کی مثالیں اب ہمارے معاشرے میں بہت کم نظر آتی ہیں مگر خدا کا شکر ہے کہ ابھی لوگوں میں ان رشتوں سے متعلق احساسات اور احترام موجود ہے۔ لیکن اس کی کیا وجہ ہے کہ جوں جوں معاشرہ ترقی کرتا جا رہا ہے لوگوں میں ان مقدس رشتوں کا احترام کم ہوتا جا رہا ہے۔ جن معاشروں میں رشتوں کا احترام کم ہو جاتا ہے وہ پھر کھوکھلے ہو جاتے ہیں اور ان کی بقا مشکل میں پڑ جاتی ہے۔ اخلاقیات ختم ہو جاتی ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ایک تہذیب یافتہ قوم کہلانے کے لئے ان رشتوں کا احترام ضرور کیا جائے۔ خیر اگر گفتگو کو صرف ساس بہو کے رشتے تک ہی محدود رکھا جائے تو بہتر ہے۔ یہ رشتہ جتنا نازک ہے اتنا ہی زیادہ اس کی حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے اور اس رشتے میں اگر مٹھاس ہو تو سارا خاندان ہی ہمیشہ خوش و خرم زندگی گزارتا ہے۔ اس لئے اگر آپ چاہتی ہیں کہ آپ کا رشتہ اپنی ساس یا بہو کے ساتھ ہمیشہ میٹھا رہے تو ان چند باتوں پر عمل کریں اور پھر نتائج دیکھیں۔

❶ سب سے اہم اور بنیادی پہلو یہ ہے کہ اپنی ساس یا بہو کے لئے سب سے پہلے دل میں احترام پیدا کریں۔ اگر آپ بہو ہیں تو اپنی ساس کو ماں کی جگہ دیں اور اگر ساس ہیں تو اپنی بہو کو بیٹی کا مقام دیں یعنی صرف زبان سے ان الفاظ کو ادا نہ کریں بلکہ عملی طور پر اپنی ساس یا بہو کو اس بات کی یقین دہانی کروائیں کہ آپ ان کو بہت عزت دیتی ہیں اور اس عمل کے بدلے یقیناً آپ کو بھی اتنا ہی احترام نصیب ہوگا۔

❷ اس پہلو کو نظر انداز نہ کریں۔ جب ساس یا بہو میں سے ایک فرد کام کر رہا ہو تو دوسرے کو چاہیے کہ اس کی تھوڑی سی مدد ضرور کرے۔ اس طرح نہ صرف کام کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے بلکہ ایک دوسرے کے لئے دل میں محبت کا جذبہ بھی پروان چڑھتا ہے اور مل کر کام کرنے سے کام کا بوجھ بھی کسی ایک فرد پر نہیں پڑتا۔

❸ ایک اور اہم بات یہ کہ بہت سے مواقع ہماری زندگی میں ایسے آتے ہیں جو بہت اہم نوعیت کے ہوتے ہیں مثلاً عید، سالگرہ وغیرہ۔ اس طرح کے مواقع کو کبھی بھی نظر انداز نہ کریں بلکہ ایسے موقع پر اپنی ساس یا بہو کو کوئی تحفہ ضرور دیں۔ تحفے تحائف دینے سے ویسے بھی محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ احساس رہتا ہے کہ آپ کا خیال کرنے والا بھی کوئی ہے۔ تحفہ چاہے زیادہ مہنگا نہ ہو مگر دینے والے کی نیت میں محبت ہونی چاہئے۔

❹ سب سے اہم بات ساس اور بہو کے لئے یہ ہے کہ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے ایک دوسرے سے اجنبیوں والا سلوک نہ کریں یعنی ایک دوسرے سے لاتعلق نہ رہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کریں، وقت گزاریں، ایک دوسرے کو اپنی موجودگی اور اپنائیت کا احساس دلائیں۔ اس طرح آپ کا رشتہ مضبوط ہوگا۔

❺ اس بات کا بھی خاص خیال رکھیں کہ اگر آپ ساس ہیں تو بہو کے خاندان اور بہو ہیں تو ساس کے خاندان کا خیال رکھیں۔ ان کو کسی شکایت کا موقع نہ دیں۔ خاندان کا اسی طرح عزت و احترام کریں جس طرح آپ چاہتی ہیں کہ آپ کے خاندان کی عزت کی جائے۔

❻ اگر آپ بہو ہیں تو یہ بات ذہن سے کسی بھی وقت نہ نکالیں کہ اپنے گھر اور خاندان کو چھوڑ کر آپ کو اس گھر میں جانا ہوتا ہے جہاں ساس ہی ماں کی جگہ ہوتی ہے لہٰذا ساس کو کسی بھی شکایت کا موقع نہ دیں۔ اسی طرح ساس کے لئے یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ آپ کی چاہے جتنی بھی بیٹیاں ہوں وہ سب پرائی ہو جائیں گی اور آخر میں آپ کو بہو اور بیٹے کے ساتھ ہی زندگی گزارنی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ان رشتوں کو ابتدائی دنوں میں ہی مضبوط کر لیا جائے۔

❼ ایک اور پہلو جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا وہ یہ ہے کہ ساس اور بہو کو ایک رشتے میں باندھنے والا بیٹا ہوتا ہے۔ اس لئے ان دونوں کو چاہئے کہ اس فرد کو خوش رکھیں جس کی وجہ سے ان دونوں کا رشتہ قائم ہے۔

❽ اسی طرح یہ ذمہ داری بیٹے پر بھی عائد ہوتی ہے کہ شادی کے بعد دونوں رشتوں میں توازن رکھے۔ نئی دلہن کے ساتھ ساتھ ماں کو بھی یاد رکھے جب بیٹا ان دونوں رشتوں میں توازن رکھے گا تو یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی طرح کا جھگڑا ہو۔

❾ اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ شادی کے بعد جتنی توجہ نئے جوڑے کو دی جاتی ہے اتنی ہی توجہ ماں باپ کو بھی دینی چاہئے کیونکہ یہ وہ مرحلہ ہوتا ہے جب محبتیں تقسیم ہو جاتی ہیں۔

دیکھیے یہ کتنی سادہ باتیں ہیں۔ صرف ہلکے پھلکے اور محبت بھرے انداز اور تھوڑی کاوش سے آپ نہ

صرف رشتوں کو خوبصورت بنا سکتی ہیں بلکہ ہر دل عزیز بھی کہلا سکتی ہیں۔ اس طرح رشتوں کا ایسا احترام کریں کہ رشتے خود مجبور ہو جائیں آپ کا احترام کرنے پر۔

نوٹ: یہ حدیث مبارکہ طبرانی کی معجم الکبیر میں اس طرز سے آئی ہے کہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: ''یَامُحَمَّدُ! اُمَّتُکَ بَعْدَکَ؟'' یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بعد آپ کی اُمت کا کیا بنے گا؟ جس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مَا الْمَخْرَجُ یَا جِبْرَئِیْلُ؟'' اس کے جواب میں جو کچھ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا وہ وہی ہے جو درج ذیل حدیث کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

۸۷ قرآن مجید کی عظمت وفضیلت بلسانِ نبوّت صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: (اِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ) قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: (كِتَابُ اللّٰهِ، فِيْهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ، هُوَ الْفَصْلُ لَيْسَ بِالْهَزْلِ، مَنْ تَرَكَهُ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ، وَمَنِ ابْتَغَى الْهُدٰى فِيْ غَيْرِهٖ اَضَلَّهُ اللّٰهُ، وَهُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ، وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيْمُ، وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ، هُوَ الَّذِيْ لَا تَزِيْغُ بِهِ الْاَهْوَاءُ وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْاَلْسِنَةُ وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا يَخْلَقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا تَنْقَضِيْ عَجَائِبُهُ، هُوَ الَّذِيْ لَمْ تَنْتَهِ الْجِنُّ اِذْ سَمِعَتْهُ حَتّٰى قَالُوْا: (اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ) مَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ، وَمَنْ عَمِلَ بِهٖ اُجِرَ، وَمَنْ حَكَمَ بِهٖ عَدَلَ، وَمَنْ دَعَا اِلَيْهِ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ) (رواہ الترمذی والدارمی)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے ایک دن فرمایا: ''آگاہ ہو جاؤ، ایک بڑا فتنہ آنے والا ہے''۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس فتنے کے شر سے بچنے اور نجات پانے کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''کتاب اللہ'' اس میں تم سے پہلی اُمتوں کے (سبق آموز) واقعات ہیں اور تمہارے بعد کی اس میں اطلاعات ہیں (یعنی اعمال واخلاق کے جو دنیوی واخروی نتائج وثمرات مستقبل میں سامنے آنے والے ہیں، قرآن مجید میں ان سب سے آگاہی دے دی گئی ہے۔) اور تمہارے درمیان جو مسائل پیدا ہوں قرآن میں ان کا حکم اور فیصلہ

موجود ہے۔ (حق و باطل اور صحیح و غلط کے بارے میں) وہ قولِ فیصل ہے، وہ فضول بات اور یاوہ گوئی نہیں ہے۔ جو کوئی جابر و سرکش اس کو چھوڑے گا (یعنی غرور و سرکشی کی راہ سے قرآن سے منہ موڑے گا۔) اللہ تعالیٰ اس کو توڑ کے رکھ دے گا اور جو کوئی ہدایت کو قرآن کے بغیر تلاش کرے گا اس کے حصے میں اللہ کی طرف سے صرف گمراہی آئے گی (یعنی وہ ہدایتِ حق سے محروم رہے گا۔) قرآن ہی حبل اللہ المتین (یعنی اللہ سے تعلق کا مضبوط وسیلہ) ہے! اور محکم نصیحت نامہ ہے اور وہی صراطِ مستقیم ہے، وہی وہ حق مبین ہے جس کے اتباع سے خیالات کجی سے محفوظ رہتے ہیں اور زبانیں اس کو گڑ بڑ نہیں کر سکتیں (یعنی جس طرح اگلی کتابوں میں زبانوں کی راہ سے تحریف داخل ہوگئی اور محرفین نے کچھ کا کچھ پڑھ کے اس کو محرف کر دیا اس طرح قرآن میں کوئی تحریف نہیں ہو سکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے تا قیامت اس کے محفوظ رہنے کا انتظام فرما دیا ہے۔) اور علم والے کبھی اس کے علم سے سیر نہیں ہوں گے (یعنی قرآن میں تدبر کا عمل اور اس کے حقائق و معارف کی تلاش کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا اور کبھی ایسا وقت نہیں آئے گا کہ قرآن کا علم حاصل کرنے والے محسوس کریں کہ ہم نے علم قرآن پر پورا عبور حاصل کر لیا اور اب ہمارے حاصل کرنے کے لئے کچھ باقی نہیں رہا بلکہ قرآن کے طالبین علم کا حال ہمیشہ یہ رہے گا کہ وہ علم قرآن میں جتنے آگے بڑھتے رہیں گے اتنے ہی ان کی طلب ترقی کرتی رہے گی اور ان کا احساس یہ ہوگا کہ جو کچھ ہم نے حاصل کیا ہے وہ اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے، جو ابھی ہم کو حاصل نہیں ہوا ہے) اور وہ (قرآن) کثرتِ مزاولت سے کبھی پرانا نہیں ہوگا (یعنی جس طرح دنیا کی دوسری کتابوں کا حال ہے کہ بار بار پڑھنے کے بعد اُن کے پڑھنے میں آدمی کو لطف نہیں آتا، قرآن مجید کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ وہ جتنا پڑھا جائے گا اور جتنا اس میں فکر و تدبر کیا جائے گا اتنا ہی اس کے لطف و لذت میں اضافہ ہوگا۔) اور اس کے عجائب (یعنی اس کے دقیق و لطیف حقائق و معارف) کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ قرآن کی یہ شان ہے کہ جب جنوں نے اس کو سنا تو بے اختیار بول اٹھے: ''ہم نے قرآن سنا جو عجیب ہے، رہنمائی کرتا ہے بھلائی کی، پس ہم اس پر ایمان لے آئے۔'' جس نے قرآن کے موافق بات کہی اس نے سچی بات کہی اور جس نے قرآن پر عمل کیا وہ مستحق اجر و ثواب ہوا اور جس نے قرآن کے موافق فیصلہ کیا اس نے عدل و انصاف کیا اور جس نے قرآن کی طرف دعوت دی اس کو صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب ہوگئی۔''

عظمتِ قرآن کے موضوع پر یہ عظیم حدیث میری طرف سے آپ کے لئے تحفہ ہے۔ آپ اس حدیث کا متن اور ترجمہ اپنے پاس محفوظ کرلیں بلکہ لیمینیشن کرا کے نمایاں جگہ پر لٹکالیں اور کوشش کریں کہ یہ آپ کو یاد ہو جائے۔

لوگوں کو قرآن کی دعوت دیجئے اور غفلت سے بیدار کیجئے۔

۴۷ دعوت کا کام بہت بڑا بھی ہے اور آزمائش بھی ہے

خدا نے اپنے دین کی خدمت کے لیے آپ کو پکارا، آپ نے اس کی پکار پر لبیک کہا اور دین کی دعوت و اشاعت کے کام میں لگ گئے۔ یہ محض خدا کی توفیق اور احسان ہے کہ اس نے اپنے دین کی دعوت و تبلیغ کے لئے آپ کا انتخاب فرمایا جب کہ روئے زمین پر کروڑوں بندے ہیں جو مال و دولت، اثر و شہرت، علم و بصیرت اور قوت و اقتدار کے لحاظ سے آپ سے کہیں زیادہ آگے ہیں۔ اس کے باوجود خدا کی نظر آپ پر پڑی اور اس نے اپنا پیغام بندوں تک پہنچانے کے لئے منتخب فرمایا۔ اسی نے آپ کے سینے میں یہ عزم و حوصلہ پیدا فرمایا کہ آپ دین حق سے ناواقف اور غافل بندوں تک خدا کا پیغام پہنچائیں اور انہیں اسلام کا سیدھا سچا راستہ بتائیں۔ یہ بہت بڑی سعادت ہے جو خدا نے محض اپنے فضل وکرم سے آپ کو عطا فرمائی ہے۔

دل کی اتھاہ گہرائیوں سے خدا کا شکر ادا کیجئے کہ اس نے آپ کو اس عظیم منصب کے لئے چنا۔ یہ انتخاب خدا کا بہت بڑا انعام بھی ہے اور بہت بڑی آزمائش بھی۔ دین حق کا علم وشعور اور دعوت دین کی ذمہ داری کا احساس دے کر خدا نے آپ پر اپنا خصوصی فضل فرمایا ہے اور یقیناً اس نے آپ کو بہت بڑے انعام سے نوازا ہے...... لیکن یہ شعور و احساس آپ کا امتحان اور آزمائش بھی ہے۔ اس عظیم منصب پر سرفراز فرما کر دراصل اللہ تعالیٰ آپ کو آزما رہا ہے کہ آپ اس کی وفاداری میں کس حد تک پورے اترتے ہیں، خدا کے حسن وسلوک کا اپنے عمل و کردار سے کیا جواب دیتے ہیں اور اپنی ذمہ داری کا حق ادا کرنے میں کس قدر مخلص ہیں۔ نبی ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا:

وَاَنَّ اللّٰہَ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْھَا فَیَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ۔

”اور یہ اللہ نے تمہیں ان لوگوں کا جانشین بنایا ہے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں تا کہ وہ یہ دیکھے کہ تم کیا روش اختیار کرتے ہو۔“

خدا کی سونپی ہوئی اس ذمہ داری کا حق ادا کرنے کے لئے تین حقیقتوں کو ہمہ وقت پیش نظر رکھیے اور کسی وقت بھی ان کی طرف سے غفلت اور لاپرواہی نہ اختیار کیجئے۔

- ...... یہ کہ خدا کی نظر میں بندوں کے لئے اس سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں ہے کہ وہ خدا کے بندوں کو خدا کے دین کی طرف دعوت دے۔

* ......یہ کہ خدا ہی نے اس کام کے لئے آپ کا انتخاب فرمایا ہے۔ وہ انتخاب نہ فرماتا تو آپ ہرگز اس کام میں نہیں لگ سکتے تھے۔
* ......یہ کہ خدا کی پکار پر لبیک کہنے والوں کے جذبات اور سرگرمیاں کیا ہوتی ہیں۔ یہ تینوں باتیں ہمہ وقت آپ کے دل و دماغ میں تازہ رہیں، صرف ایک بار انہیں پڑھ لینا یا سمجھ لینا کافی نہیں ہے، بار بار ان باتوں کو دہرایئے، بار بار یاد دہانی کرائی جائے۔

خدا کے بندوں میں سب سے اونچا مرتبہ رسولوں اور پیغمبروں کا ہے، جو خدا کے بندوں کو خدا کے دین کی طرف بلاتے ہیں۔ وہ اپنے قول و عمل سے لوگوں کو دین کا سیدھا اور سچا راستہ بتاتے ہیں، خدا کے یہ رسول ہر دور میں آئے، ہر قوم میں آئے، ہر ملک میں آئے اور اپنے اپنے زمانے میں انہوں نے اپنی قوم کو اسلام کی تعلیم سے روشناس کرایا، سب سے آخر میں حضرت محمد ﷺ کو خدا نے اس کام کے لئے رسول بنا کر بھیجا اور آپ ﷺ نے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد ۲۳ رسال تک خدا کے بھٹکے ہوئے بندوں کو خدا کی راہ پر لگایا اور دین کی روشن تعلیمات سے ان کی انفرادی، سماجی اور سیاسی زندگی کو آراستہ کیا۔ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں یعنی آپ ﷺ پر نبوت ختم ہوگئی، اب رہتی زندگی تک کوئی اور نبی یا رسول نہیں آئے گا۔

نبوت کا سلسلہ تو ختم ہو گیا لیکن وہ کام ختم نہیں ہوا جس کے لئے نبی آتے تھے، یعنی خدا کے ناواقف اور غافل بندوں کو خدا کے دین کی تعلیمات پہنچانا اور دین کی طرف دعوت دینا، اب یہ کام رہتی دنیا تک رسول ﷺ کی امت یعنی ''امت مسلمہ'' انجام دے گی بیت اللہ کی تعمیر کرتے ہوئے خدا کے برگزیدہ پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ○ (سورۃ البقرہ:۱۲۸)

''اے ہمارے رب! ہمیں اپنا مسلم اور فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد سے ایک ایسی امت کو اُٹھا جو تیری مسلم اور فرمانبردار ہو۔''

خدا نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو شرف قبول بخشا اور نبی ﷺ کی قیادت میں امت مسلمہ کو اٹھایا جو اس وقت تک دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتی رہے گی، جب تک یہ دنیا آباد ہے۔ یہ امت رسول اللہ ﷺ کی جانشین ہے اور اس کو وہی کام انجام دینا ہے جو رسول کریم ﷺ انجام دیتے رہے۔ خدا کا ارشاد ہے:

''خدا نے تمہارا انتخاب فرمالیا ہے اور دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔ پیروی کرو اس دین کی جو تمہارے اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔ اس نے پہلے ہی سے تمہیں مسلم کے نام سے نوازا تھا اور اسی سلسلہ میں کہ رسول ﷺ نے تمہارے لئے دین حق کی شہادت دی اور تم دنیا کے

سارے انسانوں کے سامنے دین حق کی شہادت دو۔'' (سورۃ الحج)

دین میں اس سے بڑی سعادت اور کوئی نہیں ہے کہ آپ وہ خدمت انجام دیں جس کے لیے ہمیشہ انبیا مبعوث ہوتے رہے ہیں اور جس کے لیے خدا نے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کو بھیجا۔ خدا کے بندوں کو خدا کے دین کی دعوت دے کر آپ رسول اللہ ﷺ کی جانشینی کا حق ادا کرتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ دین و دنیا میں انسان کے لئے اس سے زیادہ شرف اور عظمت کا کوئی دوسرا کام نہیں ہو سکتا۔ اپنے منصب کی قدر و عظمت کا یہ شعور آپ کو ہمیشہ سرگرم رکھے گا۔ آپ کو عزم، حوصلہ، ولولہ اور لگن بخشے گا اور کسی وقت بھی آپ کے داعیانہ جذبات کو مضمحل نہ ہونے دے گا۔

دوسری حقیقت جو کسی وقت بھی آپ کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونی چاہئے، وہ یہ ہے کہ آپ اشاعت دین کی کوششوں میں اسی لئے شریک ہیں کہ خدا نے اپنی حکمت کے تحت اس کام کے لئے آپ کو منتخب فرمالیا ہے۔ اس کی توفیق نہ ہوتی تو آپ اس عظیم کام کا حوصلہ ہرگز نہ کر سکتے تھے۔ اس کی توفیق کے بغیر آپ نیکی کے لیے ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتے، یقیناً خدا ہی نے اپنے دین کی خدمت کے لئے آپ کا انتخاب فرمایا ہے اور اس کا ہر کام علم و حکمت کی بنیاد پر ہی ہوتا ہے۔ اس یقین و شعور کا زبردست فائدہ یہ ہے کہ آپ دو بہت بڑی نفسیاتی اور اخلاقی کمزوریوں سے محفوظ رہیں گے۔

- ......احساس پستی اور کہتری
- ......احساس برتری اور غرور

یہ وہ بدترین کمزوریاں ہیں جن کے ہوتے ہوئے نہ آپ دعوت اسلامی کے لئے کسی طور مفید ہو سکتے ہیں اور نہ آپ کو دعوت اسلامی سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

احساس کہتری اور پستی کا شکار آدمی دنیا میں کوئی بڑا کارنامہ انجام نہیں دے سکتا۔ دعوت اسلامی کے لیے بھی وہ لوگ ہرگز مفید نہیں ہو سکتے جو احساس پستی میں مبتلا ہوں، اس کے لیے ایسے ہی کارکن درکار ہیں، جو ہر محفل میں، ہر طبقے میں اور ہر مقام پر کسی خوف و خطر کے بغیر یقین کی پوری قوت اور جرأت کے ساتھ اپنی بات پیش کر سکیں اور اپنے پیغام کی قدر و عظمت پر یقین رکھتے ہوئے پیش کر سکیں۔ ایرانی سپہ سالار رُستم کے دربار میں جہاں عام آدمی پر داخل ہوتے ہوئے لرزہ طاری ہوتا تھا، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے جس جرأت، بے باکی اور شان عظمت کے ساتھ اسلام کی دعوت پیش کی، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے جس شان کے ساتھ نجاشی کے دربار میں اسلام کی ترجمانی کی اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے جس جرأت اور بے خوفی کے ساتھ مکے کے خونخوار نادانوں کے سامنے اعلانِ حق کیا، وہ تاریخ دعوت کے ایسے روشن باب ہیں جن سے داعیان حق کے قافلے رہتی دنیا تک روشنی حاصل کرتے رہیں گے۔

نبوت کے ابتدائی دور میں نبی ﷺ نے قریش کے سرداروں کو اپنے دسترخوان پر مدعو کیا اور ان کے سامنے یہ بات رکھی کہ جو پیغام میں لے کر آیا ہوں، اس میں تمہارے لئے دونوں جہان کی سعادت و فلاح ہے۔ بتاؤ! تم میں سے کون میرا ساتھ دے گا؟ سب خاموش تھے، ایک نوعمر لڑکا اٹھا اور اس نے کہا:

''اے چچا کے بیٹے! اگر چہ میری آنکھ میں آشوب ہے، میری ٹانگیں پتلی ہیں اور میں نوعمر ہوں لیکن میں آپ کا ساتھ دوں گا۔''

مکے کا ابتدائی دور، قریش کے تومند سرداروں کی غضب ناک نگاہیں اور ایک نوعمر، ناتواں اور بظاہر بے مایہ لڑکے کا یہ جرأت مندانہ اعلان کہ میں آپ کا ساتھ دوں گا، دراصل اس یقین و شعور کا اظہار ہے کہ اس عظیم کام کے لیے خدا میرا انتخاب فرما رہا ہے اور جب قوت و طاقت اور اثر و رسوخ رکھنے والے ان تندرست و توانا سرداروں کو چھوڑ کر خدا کی نظر انتخاب مجھ ناتواں اور نوعمر پر پڑی ہے تو میں ظاہر کی ہر بے بسی اور ناتوانی سے بے نیاز ہو کر اعلان کرتا ہوں کہ میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ جس ہستی نے آپ ﷺ کی رفاقت و معیت کے لیے میرا انتخاب کیا ہے وہ قوتوں کا سرچشمہ ہے۔ کائنات اس کی چٹکی میں ہے، وہی میری پشت پناہی کرے گا۔ جب اس نے میرا انتخاب کیا ہے، تو میری پتلی ٹانگوں میں وہی استقلال کی قوت بھرے گا۔ میری دکھتی آنکھوں میں وہی روشنی پیدا کرے گا جس سے میں دور تک دیکھ سکوں اور پیغامِ حق ملک کے دور دراز گوشوں تک پہنچا سکوں۔ یہ انداز فکر رکھنے والا داعی حق کبھی احساس پستی اور کہتری کا شکار نہیں ہو سکتا اور تاریخ شاہد ہے کہ اس تاریخ ساز بچے نے وہ کارنامے انجام دیے جس کے تصور سے بڑے بڑوں کے زہرے بے آب ہوتے ہیں۔

آپ بھی علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نقشِ قدم پر چلنے کا حوصلہ رکھتے ہیں اور بجا طور پر آپ کو اپنے اس حوصلے پر فخر ہے۔ بے شک آپ معذور بھی ہو سکتے ہیں، کمزور و ناتواں بھی ہو سکتے ہیں، آپ کو کوئی اثر و رسوخ اور شہرت و اقتدار بھی حاصل نہیں ہے اور دنیوی اعتبار سے آپ کسی اونچے مقام کے مالک بھی نہیں ہیں لیکن خدا نے آپ کو اسلام کے شعور سے نوازا ہے اور آپ دعوت و تبلیغ کے کام میں لگے ہوئے ہیں، تو یقین کیجئے کہ خدا نے آپ کا انتخاب فرمایا ہے، ہر احساس پستی اور کہتری کو دل سے کھرچ پھینکیے اور وہی الفاظ دہرا کر کہ ''اگر چہ میری ٹانگیں پتلی ہیں، میری آنکھوں میں آشوب ہے لیکن میں آپ کا ساتھ دوں گا۔'' تن من دھن سے اس کام میں لگ جایئے، جس نے آپ کا انتخاب کیا ہے وہ خود آپ کی ناتوانی کو توانائی سے بدل دے گا اور آپ کو وہ حوصلہ اور جرأت بخشے گا کہ اس دور کے بڑے سے بڑے جبار اور بڑے سے بڑے علم و فن رکھنے والوں کے سامنے آپ کامل یقین اور مثالی جرأت کے ساتھ اسلام کا پیغام رکھ سکیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ اس تاریخ ساز لڑکے کے الفاظ میں آپ کے لئے ایک اور سبق بھی ہے۔ وہ یہ کہ تبلیغ دین کا یہ عظیم فریضہ انجام دیتے ہوئے آپ پر غرور و کبر اور احساس برتری کا سایہ بھی کبھی نہ پڑنے

پائے۔ یہ وہ بدترین برائی ہے جس کے ہوتے آپ کا سارا کیا کرایا اکارت جائے گا اور آپ کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔ آپ کی کوششوں سے دعوت اسلامی کو کچھ فائدہ پہنچ بھی جائے تو بھی آپ کا دامن خالی ہی رہے گا اور دعوت اسلامی سے نسبت و تعلق رکھنے کے باوجود آپ کو اپنی عبرت ناک محرومی پر رونا پڑے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی ناتوانی، معذوری، بے مائیگی اور نوعمری کی تصویر کشی کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا ہے وہ ان کی ذہنی عظمت کا اظہار ہے۔ وہ یوں سوچتے ہیں: ''میں اپنی شخصیت کے لحاظ سے کسی پہلو سے بھی اس قابل نہیں ہوں کہ اس عظیم کام کی ذمے داری اپنے سر لوں، یہ محض خدا کی توفیق اور کرم ہے کہ اس نے مجھے اس عظیم خدمت کے لیے منتخب فرمایا، میں صرف اسی ذات کے بھروسے پر ان سنگین حالات میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے کی ہمت کر رہا ہوں جس نے میرے دل میں یہ بات ڈالی اور مجھے اس عزم و ارادے کی توفیق بخشی۔''

آپ اسی عظیم شخصیت کے جانشین اور پیرو ہیں۔ اپنے دل کے ایک ایک گوشے میں جھانک کر دیکھیے، دعوت دین کا عظیم کام انجام دیتے ہوئے کہیں آپ اپنی عظمت کے دھوکے میں تو مبتلا نہیں ہو رہے ہیں۔ نفس آپ کو فریب دینے میں تو کامیاب نہیں ہو رہا ہے۔ یقین کیجیے کہ اگر اس میدان میں آپ نفس سے دھوکا کھا گئے تو پھر دعوت اسلامی میں آپ کا کوئی مقام نہیں ہے۔ سمجھ لیجئے آپ نے اپنی شخصیت کو تباہ کر دیا اور آپ کی عاقبت خراب ہوگئی۔ کبر و غرور کے مریضوں کا دین میں کوئی حصہ نہیں، وہ لوگ ہرگز خدا کی بندگی نہیں کر سکتے جو اپنے نفس کی بندگی میں مگن ہوں اور نہ ان کا ان کوششوں کے اجر و انعام میں کوئی حصہ ہے جو خدا کی بندگی کا نظام قائم کرنے کے لیے کی گئی ہوں، خواہ ان میں وہ خود بھی شریک رہے ہوں۔

تیسری حقیقت یہ علم و شعور ہے کہ خدا کی پکار پر لبیک کہنے والوں کے جذبات کیا ہوتے ہیں۔ وہ کس طرح سوچتے ہیں اور ان کی زندگیاں کن اوصاف سے آراستہ ہوتی ہیں۔ مگر یاد رکھیے، اس باب میں صرف علم و شعور ہی کافی نہیں ہے، مگر عملی طور پر ان جذبات اور اوصاف سے اپنی زندگیوں کو آراستہ کرنے کی مسلسل جدوجہد کے بغیر آپ اپنے داعیانہ منصب کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ آپ کے لئے بہترین نمونہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کی زندگیاں ہیں جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کر کے آخر دم تک ہر طرح کے حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیتے رہے، خدا کے دین کو قبول کرنے کے بعد انہوں نے کوئی چیز اپنے لئے بچا کر نہیں رکھی بلکہ سب کچھ اس دین پر نثار کر دیا۔ مال و دولت، اثر و اقتدار، قوت و صلاحیت، وطن و اولاد، محبت و دشمنی، حتّٰی کہ اپنی جان عزیز بھی اس راہ میں قربان کر دی اور پھر بھی یہ احساس انہیں بے چین کیے رہا کہ ''حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔''

آیئے! حواریین عیسیٰ علیہ السلام کی زندگیوں کی ایک جھلک دیکھیں۔ یہ بھی خدا کے انصار تھے اور دین

حق کے داعی اور نقیب، داعیان اسلام کے لیے ان کی زندگی میں بڑی کشش بھی ہے اور سبق بھی۔ قرآن کا ارشاد ہے:

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

(سورۃ آل عمران ۲: ۵۲-۵۳)

''پس جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی طرف سے مسلسل انکار کو بھانپ لیا تو انہوں نے پکارا، کون میرا مددگار بنتا ہے خدا کی راہ میں؟ حواریوں نے جواب دیا: ہم ہیں اللہ کے انصار، ہم خدا پر ایمان رکھتے ہیں، آپ گواہ رہیے کہ ہم مسلم اور فرمانبردار ہیں۔ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے اس چیز پر جو تو نے نازل کی اور ہم نے اس رسول کی پیروی کی، سو تو ہمیں گواہی دینے والوں میں لکھ۔''

رسول کی پکار کے جواب میں انصار اللہ ہونے کا عزم و اظہار، اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کا حوصلہ اور حق کی شہادت دینے والوں میں شامل ہونے کی تمنا۔ یہ حوارین عیسیٰ علیہ السلام کی ایسی ایمان افروز داستان ہے جسے بار بار دہرایئے اور دل کی دنیا کو ان جذبات اور تمناؤں سے آباد کرنے کی فکر کیجیے۔

حواری کے معنی ہیں: خیر خواہ، مددگار، حامی و ناصر۔ جس طرح انصار کا لفظ مدینے کے ان جاں نثاروں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور انہوں نے ہر طرح کے حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری و جاں نثار وہ کہلائے جو اخلاص کے ساتھ آپ علیہ السلام کی دعوت پر ایمان لائے اور ہر طرح کے نرم و گرم حالات میں انہوں نے آپ علیہ السلام کا ساتھ دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نہایت شفقت، دلسوزی اور لگن کے ساتھ اپنے شاگردوں کی تعلیم و تربیت فرمائی اور پھر یہ آپ علیہ السلام کے داعی، نقیب اور پیغامبر بن کر بنی اسرائیل کی ایک ایک بستی تک پہنچے۔

دنیوی اعتبار سے یہ کسی بڑے مرتبے کے لوگ نہ تھے لیکن اس اعتبار سے یہ سب پر بازی لے گئے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جوش دعوت میں ان کے سامنے یہ حقیقت رکھی کہ مجھے تو ہر حال میں خدا کی راہ پر چلنا ہے۔ اب کون یہ حوصلہ کرتا ہے کہ میرا ساتھ دے، تو حوارین نے ہر لالچ اور خوف سے بے نیاز ہو کر کہا، نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۔ اور ان نازک حالات میں یہ اعلان کیا کہ جب قوم کے علما، سردار اور مقتدر لوگ محروم رہ گئے اور خدا نے ان بے اثر لوگوں کو اپنے کام کے لئے منتخب فرما کر اپنے رسول کی رفاقت اور نصرت کی توفیق بخشی۔

انصار اللہ ہونے کا اعلان کرتے ہوئے وہ خوب سمجھ رہے تھے کہ اس اعلان کا کیا مطلب ہے،

انصار اللہ ہونے کے کیا تقاضے ہیں اور یہ اعلان کر کے ہم کن ذمہ داریوں اور وفاداریوں کا اقرار کر رہے ہیں...... چنانچہ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ کہنے کے بعد انہوں نے خود ہی ان تقاضوں کو واضح کیا اور خدا سے اپنی وفاداری کا عہد استوار کیا۔

- ......ہم سچے دل سے خدا پر ایمان لائے۔اب ہماری زندگی ایمان کی روشنی میں گزرے گی۔
- ......آپ گواہ رہیے کہ ہم مسلم اور فرمانبردار ہیں۔ہم اقرار کرتے ہیں اور آپ کو گواہ بنا کر اقرار کرتے ہیں۔آپ دیکھیں گے کہ ہم خدا کے وفادار بندے ہیں، وفاداری اور جاں نثاری ہی ہمارا شیوہ ہے۔
- ......ہم خدا کی بھیجی ہوئی وحی پر ایمان لائے۔ہم بے چون و چرا اس کی اطاعت کرتے ہیں۔
- ......ہم رسول کی پیروی میں زندگی گزارتے ہیں اور کسی مرحلے میں بھی ان کی قیادت سے سرتابی نہیں کرتے۔
- ......اور ہم اپنے قول و عمل سے اس حق کی شہادت دیتے ہیں جس کا تو نے ہمیں امین بنایا ہے۔

پروردگار! ہماری دعا ہے کہ حشر کے میدان میں ہمارا شمار حق کی شہادت دینے والوں میں ہو، حق کو چھپانے والوں میں نہ ہو، تو نے جب ہمیں اپنے دین کا شعور دیا ہے، اپنے دین کی دعوت قبول کرنے کی توفیق دی ہے اور ہمیں دین کی خدمت کے لئے قبول کر لیا ہے تو ہم ہر حال میں حق کی شہادت دیں گے دل سے، زبان سے، عمل سے اور اگر ضرورت ہوگی تو جان دے کر یہ شہادت دیں گے کہ یہی اصل شہادت ہے لہٰذا اے ہمارے رب! ہمارا نام حق کی شہادت دینے والوں میں لکھ اور ان لوگوں میں ہرگز نہ لکھ جو حق واضح ہونے کے بعد اپنے قول و عمل سے حق کی شہادت دینے کے بجائے حق کو چھپانے کا سنگین جرم کرتے ہیں۔

آپ نے بھی خدا کی دعوت پر لبیک کہا ہے دعوت اسلامی کو قبول کیا ہے اور انصار اللہ ہونے کا اقرار کیا ہے، اپنے جذبات، احساسات، تمناؤں اور آرزوؤں کا جائزہ لیجئے۔اپنے حوصلوں، ارادوں اور ولولوں پر نگاہ ڈالیے۔اپنے قول و عمل پر نظر کیجئے، اپنی شب و روز کی سرگرمیوں کا تجزیہ کیجئے اور اپنے رب سے آپ نے جو عہد کیا ہے اسی کو گواہ بنا کر انصاف کے ساتھ اپنا احتساب کیجئے کہ آپ کے ذہن و فکر، علم و فن، مال و دولت اور جسم و جان کی قوتیں کہاں صرف ہو رہی ہیں اور خدا نے اس دور میں اپنے کروڑوں بندوں میں سے اپنے دین کی خدمت کے لیے آپ ہی کو منتخب فرمایا ہے تو خدا کے اس انتخاب کے ساتھ آپ کا سلوک کیا ہے۔
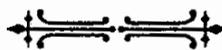
⑧⑨ مرید سادہ رو رو کے ہو گیا تائب
خدا کرے یہ توفیق شیخ کو بھی مل جائے

آپ خود کو دیندار سمجھتے ہیں اور یہ امید کرتے ہیں کہ ''کل'' خدا آپ کو آپ کی دینداری کا صلہ عطا فرمائے گا...... خدا آپ کی امید کو پورا کرے اور آپ کی دینداری کو سند قبولیت بخشے لیکن کبھی آپ نے اپنی دینداری کا سنجیدگی سے جائزہ بھی لیا ہے؟ آپ اپنی نظر میں دیندار ہیں اور دین کے تقاضوں پر ٹھیک ٹھیک عمل کر رہے ہیں لیکن قرآن وسنت کی رو سے بھی آپ کی دینداری مطلوب و مقبول ہے یا نہیں؟ سوچنے کی بات یہ ہے۔ ''کل'' حشر کے میدان میں آپ کی فلاح ونجات کا فیصلہ اس بنیاد پر نہ ہوگا کہ آپ اپنی نظر میں دیندار تھے اور اپنی سمجھ کے مطابق دین کے مطالبے پورے کر رہے تھے بلکہ فیصلہ اس بنیاد پر ہوگا کہ خدا کی نظر میں واقعی دیندار ہیں یا نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ دنیا میں آپ دیندار سمجھے جاتے رہے ہوں، لوگ آپ کی دینداری نہیں دین کا نمائندہ تسلیم کرتے رہے ہوں، آپ بھی خود کو دیندار سمجھتے رہے ہوں اور اپنے زعم میں آپ دین پر عمل کرنے والے بھی ہوں لیکن خدا کی نظر میں آپ کی دینداری وہ دینداری نہ ہو جو خدا کو مطلوب ہے۔ قدم بڑھانے سے پہلے آپ دین پسندی اور اپنی روش کا جائزہ لیجئے اور بے لاگ جائزہ لیجئے۔ اس معاملے میں لاپروائی اور تساہل کریں گے تو اپنے ساتھ ظلم کریں گے۔

''کل'' آپ کی دین پسندی اور دینداری کا فیصلہ ہوگا اور آپ کا انجام آپ کے سامنے آئے گا۔ یہ انجام انتہائی خوش کن بھی ہوسکتا ہے اور انتہائی بھیانک بھی...... یہ ''کل'' بہت قریب ہے اس لئے سورج ڈوبنے اور طلوع ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ ''کل'' کسی وقت بھی شروع ہوسکتا ہے۔ اس کا آغاز صرف آپ کی آنکھ بند ہونے کا منتظر ہے۔ آپ کی آنکھ کسی وقت بھی بند ہوسکتی ہے۔ کچھ نہیں معلوم موت کب آجائے اور کس حالت میں آجائے اور فکر وعمل کی یہ مہلت ختم ہو جائے۔ یہ مہلت پھر کبھی نہ ملے گی۔ ٹھہر کر سوچیے کہیں آپ اسے ضائع تو نہیں کر رہے ہیں؟

آپ اپنی دانست میں دین پر عمل کر رہے ہیں، سوسائٹی میں ایک دیندار مسلمان کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں، لوگ آپ کی ذات سے دین کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور میں آپ کو یاد دہانی کرا رہا ہوں کہ اپنی دینداری کا جائزہ لیجئے۔ بے شک میری یہ جرأت کچھ عجیب سی ہے، ممکن ہے آپ بھی اپنے اندر کچھ برہمی محسوس کر رہے ہوں اور کڑھ رہے ہوں لیکن یقین مانیے! میرا فرض مجھے اُکسا رہا ہے، آپ کی خیر خواہی مجھے آمادہ کر رہی ہے، آپ کی محبت مجھے اُبھار رہی ہے کہ آپ سے کرنے کی بات یہی ہے، میں اپنے ساتھ بھی ظلم کروں گا اور آپ کے ساتھ بھی اگر آپ کو متوجہ نہ کروں۔ آپ

ٹالیں نہیں، رک کر غور کریں اور خدا سے ہدایت کی دعا کر کے غور کریں، خدا ہمیں اور آپ کو اس وقت کی رسوائی سے محفوظ رکھے جب تلافی کی کوئی شکل نہ ہوگی۔ ''آج'' فکر و عمل کا موقع ہے، سوچیے اور اپنے آپ کو بدل ڈالیے۔ ''کل'' صرف انجام دیکھنے کا وقت ہوگا۔

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (سورہ حشر ۵۹:۱۸)

''ہر شخص کو سوچنا چاہیے کہ وہ کل کے لئے کیا فراہم کر رہا ہے۔''

بے شک اسلام کا نام لینے والوں میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو اس ''کل'' کی فکر سے بے نیاز ہیں، ان کو صرف ''آج'' سے شغف ہے، وہ ہرگز نہیں چاہتے کہ ''کل کی فکر'' سے اپنے ذہن کو بوجھل بنائیں۔ وہ صرف اس لیے جی رہے ہیں کہ دادِ عیش دیں۔ آپ مجھے ان کی طرف متوجہ نہ کریں۔ اس وقت میں صرف آپ سے بات کر رہا ہوں، آپ کو متوجہ کر رہا ہوں کہ آپ اپنے ذہن و فکر کا جائزہ لیں، اپنی روش کا جائزہ لیں، آپ کو ''کل کی فکر'' کا دعویٰ ہے، آپ سوچیں کہ دین کے معاملے میں آپ کا انداز فکر و عمل واقعی وہی ہے جو آپ کے خدا کو مطلوب ہے اور جس سے صلہ پانے کی توقع میں آپ یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ''کل'' فیصلے کے دن خدا آپ کی دینداری آپ کے منہ پر دے مارے اور آپ سے کہے! ''تم نے میرے دین کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھال لیا تھا، اپنی خواہشات کو میرے دین کے تابع نہیں بنایا تھا، تم مومن نہیں ہو، میرے رسول ﷺ نے تمہیں صاف صاف بتا دیا تھا:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ (مشکوۃ)

''تم میں سے کوئی مومن نہیں ہے جب تک اس کی خواہش اس دین کے تابع نہ ہو جائے جو میں لے کر آیا ہوں۔''

دین کے مطابق زندگی گزارنے کی خواہش رکھنے والوں میں عام طور پر تین نقطۂ نظر پائے جاتے ہیں۔

1. ترک دنیا۔
2. دنیا کے ساتھ دین۔
3. دین کے لیے دنیا۔

مسلمانوں میں تینوں قسم کے نقطۂ نظر رکھنے والے لوگ موجود ہیں اور تینوں قسم کے لوگ اپنے اپنے اختیار کیے ہوئے نقطۂ نظر کو صحیح ثابت کرنے کے لئے قرآن و سنت سے دلائل فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پہلے نقطۂ نظر کا حاصل یہ ہے کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے، مومن کا اصلی گھر آخرت ہے، اس کا سب سے برا دشمن اس کا اپنا نفس ہے، اس کی خواہشات کا گلا گھوٹنا، اس کی ضرورتوں کو پورا نہ کرنا بلکہ اس کو ایذا دینا اور دنیا کی ہر نعمت، لذت، آسائش اور سہولت سے اس کو محروم رکھنا ہی اس کی ترقی کا راستہ ہے۔

دیندار وہی ہے جو دنیا کے دھندوں سے دور رہے، دنیا والوں سے الگ تھلگ زندگی گزارے، دنیا کے معاملات سے تعلق نہ رکھے، دنیوی زندگی اور اس کے لوازم کی فکر سے بے نیاز رہے، جو ہمہ وقت ذکر وفکر، تسبیح وتہلیل، عبادت وریاضت میں لگا ہو...... دنیا کی زندگی میں اس کی مثال اس مسافر کی سی ہو، جو دوپہر کی دھوپ میں چند لمحے ستانے کے لیے کسی درخت کے سائے میں ٹک گیا ہو۔ دیندار آدمی وہ نہیں ہے جو مردار دنیا پر للچائی نظر ڈالے...... اور اس کو حاصل کرنے کا دل میں خیال لائے۔ دیندار وہ ہے جو صرف آخرت کی سوچے اور اس ایک فکر کے سوا ہر فکر سے اس کا ذہن خالی ہو۔

دنیا کی لذتوں کو چھوڑنے اور یہاں کے عیش سے منہ موڑنے کا جس میں حوصلہ نہ ہو، دین میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ آخرت کی کامرانی صرف ان ہی جواں مردوں کے لیے ہے جو دنیا کو ترک کرنے، اپنے دل سے اس کی محبت کھرچ پھینکنے اور اسکی رنگینیوں سے آنکھ بند کرنے کی ہمت رکھتے ہوں۔

اس نقطۂ نظر کے بہت سے اجزا صحیح ہیں۔ قرآن وسنت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور بزرگوں کے اقوال واعمال سے بھی۔ امت کے اولیا، صوفیا، اور صلحا کی زندگیوں کی جو تصاویر ہم تک منتقل ہوتی ہیں، ان سے بھی اس نقطۂ نظر کے بہت سے اجزا کو تقویت ملتی ہے...... اس صورت حال میں یہ جرأت تو نہیں ہوتی کہ ان حضرات پر کوئی تلخ تنقید کی جائے، یا ان پر فہم دین سے محرومی کا الزام لگایا جائے لیکن یہ بات بلاخوف وتردید کہی جاسکتی ہے کہ یہ نقطۂ نظر بحیثیت مجموعی نہ پوری امت کے لئے قابل عمل ہے، نہ قرآن وسنت کی مجموعی تعلیمات اس کی حمایت کرتی ہیں، نہ دورِ سعادت میں امت کا یہ مجموعی نقطۂ نظر رہا ہے، نہ اس کو مطلوب بنا کر آپ اسلام کو اس حیثیت سے پیش کر سکتے ہیں کہ یہ پوری زندگی کا دین ہے زندگی کے تمام مسائل کا حل اس میں موجود ہے اور یہ پوری زندگی کو اپنے نقشے کے مطابق تعمیر کرتا ہے۔

اسلامی معاشرے میں کچھ افراد تو ایسے ہو سکتے ہیں جو اپنے مخصوص ذوق اور افتادِ طبع کی بنا پر دنیا کے دھندوں سے نگاہیں بند کرلیں لیکن بحیثیت مجموعی پوری امت کے لئے یہ نقطۂ نظر قابل قبول نہیں ہوسکتا اسی لئے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ۔

''اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔''

دوسرے نقطۂ نظر کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کے ساتھ ساتھ دین کو اپنایا جائے، دنیا کی نعمتیں اور ترقیاں نظر انداز کرنے کی چیزیں نہیں ہیں یہ دنیا کی رنگینیاں، یہ حسن و جمال، یہ سکون و آسائش، یہ عیش و لذت کے سامان، یہ کیف و مستی کے اسباب، یہ گونا گوں نعمتیں اسی لئے ہیں کہ خدا کے بندے اس سے فائدہ اٹھائیں اور لذت اندوز ہوں، اس کے ساتھ ساتھ جس قدر ممکن ہو دین کے اصول و احکام کی بھی پابندی کی جائے۔ دین ترک دنیا کا سبق نہیں دیتا۔ وہ دنیا میں رہنے اور دنیا برتنے کے احکام دیتا ہے اور اس سے ہرگز نہیں روکتا کہ آدمی اپنی دنیا بنائے۔

اس نقطۂ نظر کے بعض اجزا بھی صحیح ہیں اور بظاہر یہ نقطۂ نظر بڑا معتدل اور بے ضرر سا نظر آتا ہے کہ آدمی دنیا کی کامیابی بھی حاصل کرے اور اپنی عاقبت بھی سنوارے۔ اس نقطۂ نظر میں بڑی جاذبیت ہے کہ دنیا بھی ہاتھ سے نہیں جاتی جو انسان کے لئے انتہائی دلکش ہے اور آخرت بننے کی بھی امید رہتی ہے جس کا کھٹکا باشعور انسان کو لگا رہتا ہے۔

آپ مسرور ہیں کہ آپ نے دینداری کا یہ نہایت جامع تصور اپنا رکھا ہے، آپ دنیا میں رہ کر دین کے تقاضے پورے کر رہے ہیں اور صحیح تصور کے ساتھ دنیوی زندگی گزار رہے ہیں...... بے شک آپ نے صحیح جذبات کے ساتھ دین کی راہ پر چلنے کا ارادہ کیا ہوگا لیکن شیطان اپنی ذہانت سے آپ کو دین سے بہت دور لے گیا ہے اور اب صرف دنیا آپ کا مطلوب بن گئی ہے۔ بے لاگ جائزہ لیجئے اپنے نقطۂ نظر کا اور اپنی دوڑ دھوپ پر انصاف کی نظر ڈالیے۔ اپنے نفس کے چور کو پکڑنے مین بصیرت و ذہانت سے کام لیجیے۔ میرا خیال ہے دنیا کی بے پناہ کشش، نفس کے فریب اور شیطان کی سازش نے آپ کو الجھالیا ہے۔ اندر سے آپ خالص دنیا پرست ہیں باہر سے دینی خول ہے اور نہایت موٹا خول۔ نفس کی تاویلات نے آپ کو دھوکے میں مبتلا کر رکھا ہے، آپ کے نزدیک دنیا ہر حال میں مقدم ہو گئی ہے۔ دین آپ کی زندگی میں صرف اس لیے ہے یا اس کی حیثیت یہ بن گئی ہے کہ وہ آپ کی دنیا بنانے کا ایک ذریعہ ہے۔

بے شک آپ لوگوں کو دین کی طرف متوجہ بھی کرتے ہیں۔ اپنی حکیمانہ گفتگو اور شیریں اندازِ کلام سے انہیں متاثر بھی کرتے ہیں، اسٹیج سے آپ دین پر مرتب تقریریں بھی کرتے ہیں، دین کے موضوع پر آپ کی تحریریں بھی نہایت جاندار ہیں، اسی حیثیت سے ملک میں آپ کا تعارف بھی ہے اور آپ کی تحریر و تقریر کے چرچے بھی ہیں لیکن جب میں قریب سے آپ کو دیکھتا ہوں یا کبھی آپ کے مصنوعی چہرے سے نقاب الٹ جاتی ہے اور آپ کے حقیقی چہرے کی جھلک نظر آجاتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دینداری آپ کا پیشہ ہے اور دینداری کو ایک فن کی حیثیت سے آپ نے اپنا رکھا ہے۔ آپ کا حقیقی

نصب العین دنیا پرستی ہے، زیادہ سے زیادہ سمیٹنے کی فکر ہر وقت آپ پر غالب ہے اور بدقسمتی سے دین کو آپ نے اس کا ذریعہ بنالیا ہے یا بن گیا ہے۔

آپ یہود کے کردار پر تنقید کرتے ہیں کہ وہ تھوڑی قیمت میں اللہ کی آیتوں کو بیچتے تھے، بے شک آپ تھوڑی قیمت میں نہیں بیچ رہے ہیں، آپ بڑی قیمت وصول کر رہے ہیں اور مگن ہیں کہ خدمت دین آپ کا مشغلہ ہے۔

آپ سوچتے کیوں نہیں؟ آپ کے قریب ترین لوگ، شب و روز آپ کے ساتھ رہنے والے لوگ آپ کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ یہ لوگ آپ کو قریب سے دیکھ کر دین سے برگشتہ کیوں ہو جاتے ہیں، یہ آپ کے معاملات سے غیر مطمئن کیوں ہیں، یہ آپ کو پکا دنیادار اور مال پرست کیوں کہتے ہیں، یہ آپ کی دینداری کو ڈھونگ کیوں بتاتے ہیں؟ آپ اپنی تاویلات سے اپنے نفس کو دھوکا تو دے سکتے ہیں، اپنی چرب زبانی سے خلق خدا کو خاموش بھی کر سکتے ہیں لیکن ان کے دلوں کو مطمئن نہیں کر سکتے۔

خدارا! اپنی روش پر غور کیجیے، خدا نے آپ کو دین کی دولت سے نوازا تھا، آپ نے اسے دنیا سے بدل ڈالا، باقی کو چھوڑ کر فانی کے پیچھے پڑ گئے۔ اب آپ کی شخصیت میں وہ جاذبیت ہے نہ وہ سوز ہے، نہ دین کی وہ لگن ہے نہ دین کے لیے کچھ کرنے کی وہ تڑپ ہے۔ اگر کچھ ہے تو صرف یہ کہ دنیا بنانے کا کوئی موقع آپ کے ہاتھ سے نہ جانے پائے۔

بے شک آپ خیرات بھی کر لیتے ہیں، دین کے نام پر کچھ خرچ بھی کرتے ہیں، خدمت دین کے لیے کچھ وقت بھی نکالتے ہیں...... ممکن ہے یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ سوسائٹی میں اسی حیثیت سے آپ کا تعارف ہے اور آپ اپنی ساکھ باقی رکھنے میں اپنا فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ کیا آپ سوچتے ہیں کہ اپنی پوری قوت و صلاحیت، اپنے سارے وسائل و ذرائع دنیا سمیٹنے میں کھپا دینے کے ساتھ ساتھ چند ٹکے دین کے لیے صرف کرنے اور چند لمحے دین کے موضوع پر گفتگو کرنے سے دین کی خدمت کا حق ادا ہو جائے گا اور خدا کی نظر میں آپ دیندار قرار پائیں گے۔ زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھیے...... اور خلق خدا غائبانہ جو کچھ آپ کو کہتی ہے اس کو جاننے کی کوشش کیجیے۔ مشتعل ہونا چھوڑیے، آج موقع ہے سوچ لیجیے، اپنی ذات پر ظلم نہ کیجیے۔ ہدایت مل جانے کے بعد پھر اسے ٹھکرانا اور دین کے بجائے دنیا کو اپنا مطلوب بنانا بدترین قسم کی محرومی ہے، خدا آپ کو اس سے محفوظ رکھے۔

بے شک آپ کو کچھ ایسے لوگ بھی مل جاتے ہیں جو آپ کی روش کو حق بجانب ٹھہراتے ہیں، اپنی سادہ لوحی سے آپ کی تاویلات سے مطمئن ہوجاتے ہیں، آپ کی کوششوں کو سراہتے ہیں اور آپ کی حمایت کرنے لگتے ہیں لیکن آپ کے حقیقی بہی خواہ وہی ہیں جو آپ پر بے لاگ تنقید کرتے ہیں۔ ان کی تنقید تلخ سہی، ان کا انداز جارحانہ سہی لیکن وہ آپ کے محسن ہیں۔ ''آج'' کا بڑے سے بڑا نقصان ''کل'' کے معمولی سے معمولی نقصان کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ''آج'' کی رسوائی کو خوشی خوشی برداشت کر لیجیے اور اس فکر میں لگ جائیے کہ ''کل'' رسوائی نہ ہو۔

آپ خود کو اور دوسروں کو مطمئن کرتے ہیں کہ دین دنیا سے کٹنے کی تلقین نہیں کرتا، وہ دنیا کی ترقیوں سے نہیں روکتا۔ محترم! بالکل بجا لیکن بڑا فرق ہے اس بات میں کہ آدمی دین کا سہارا لے کر دنیا بنانے ہی میں مگن ہو جائے اور اس بات میں کہ دنیا کی طرف صرف اس لیے متوجہ ہو کہ اس کو اپنی عاقبت سنوارنے کا ذریعہ بنائے۔ اس کا صحیح فیصلہ تو کل حشر کے میدان میں علام الغیوب ہی کرے گا لیکن خدا کے بندے بھی کسی نہ کسی درجے میں محسوس کر لیتے ہیں کہ آپ نے اپنی دنیا، دین پر نثار کر دی ہے یا اپنے دین کو دنیا بنانے کے لیے قربان کر رہے ہیں۔ اس احساس کو سب سے بڑی نعمت سمجھیے اور اس سے فائدہ اٹھائیے۔ آپ یوں کیوں سوچتے ہیں کہ اپنے بارے میں جو فیصلہ کر رہے ہیں صرف وہی صحیح ہے۔ اگر آپ کو اپنا انجام عزیز ہے تو کھلے ذہن کے ساتھ لوگوں کے فیصلے سنیے، ان کی رایوں کو بھی وزن دیجیے...... اور ان سے اپنی اصلاح میں مدد لیجیے۔

دینداری کا تیسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ دنیا سے کٹنا بھی صحیح نہیں ہے اور اس میں الجھنا بھی صحیح نہیں ہے۔ دنیا آزمائش اور امتحان کی ایک مہلت ہے۔ یہاں خدا نے آپ کو جو کچھ دیا ہے، جس حال میں رکھا ہے اور جن نعمتوں سے نوازا ہے انہی میں آپ کی آزمائش ہے...... ان پرچوں کو چھوڑ کر بھاگنا، ان کو حل کرنے سے جی چرانا، ان سے غفلت برتنا بھی آپ کی ناکامی ہے اور اس امتحان کی مہلت ہی کو سب کچھ سمجھ کر اسی میں مگن ہونا اور امتحان کے بعد نتیجے کی زندگی سے بے پروا ہو جانا بھی حماقت اور ناکامی ہے۔

دنیا اور دنیا کی نعمتوں سے آپ کا تعلق صرف یہ ہے کہ آپ ان سے اپنی عاقبت سنوارنے میں مدد لیں۔ دنیا میں ہر ترقی، ہر نعمت، ہر آسائش آپ کے لیے ہے لیکن اس طرح کہ کبھی ان میں سے کوئی چیز آپ کا مقصود نہ بنے، مسافر راستے کی ہر چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے لیکن اس کی نگاہ ہمہ وقت منزل پر رہتی ہے۔ اگر اس کا سفر اس لیے ہو کہ اس کے ذریعے سے اپنی منزل کو سنوارنا اور کامیاب بنانا ہے تو وہ

سفر اس کی پوری مہلت میں ہر ہر چیز کو اسی حیثیت سے دیکھے گا اور صرف اتنا ہی تعلق رکھے گا جتنا اس کے مقصد اور منزل کے لحاظ سے ناگزیر ہوگا۔ سفر کے دوران ملنے والی نعمتوں اور آسائشوں کے پیچھے وہ اس طرح ہرگز نہیں پڑے گا کہ اپنی منزل بھول جائے اور سفر ہی کو منزل بنا بیٹھے۔

اس نقطۂ نظر کو اپنانے والا، ہر عملی میدان میں پیش پیش ہوگا لیکن صرف اس لیے کہ اس کو اپنی آخرت بنانے کا ذریعہ بنائے۔ وہ کوئی موقع ضائع نہ ہونے دے گا۔ وہ آخرت کا حریص ہوگا۔ خدا کے رسول ﷺ نے ایک حدیث میں نہایت جامع انداز میں اس نقطۂ نظر کو بیان فرمایا ہے اور اس کی تائید و تصدیق قرآن و سنت کے پورے ذخیرے سے ہوتی ہے۔

اِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَاَنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيْهَا فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ. فَاتَّقُوا الدُّنْيَا (مسلم)

”بے شک یہ دنیا بڑی شیریں، شاداب اور دلکش ہے، اللہ نے اس میں تمہیں جانشین مقرر کیا ہے تا کہ وہ تمہیں جانچے کہ تم کیا روش اختیار کرتے ہو، پس دنیا سے بچ بچ کر رہو۔“

دوسرے اور تیسرے نقطۂ نظر میں بظاہر بڑی مشابہت ہے لیکن ان دونوں میں جوہری فرق ہے۔ دوسرے نقطۂ نظر کو اپنانے والا ہر چیز کو دنیوی منفعت کے پیمانے سے تولتا ہے اور اسی لحاظ سے اس کی قیمت متعین کرتا ہے۔ تیسرے نقطۂ نظر کو اپنانے والا ہر چیز کو آخرت کے پیمانے سے تولتا ہے اور اسی لحاظ سے اس کی قیمت متعین کرتا ہے۔ ایک دنیا کے ساتھ ساتھ دین سے تعلق جوڑے رکھنے کی خواہش رکھتا ہے اور ایک دین کی خاطر دنیا کو برتنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ دونوں کا انجام یکساں ہو؟
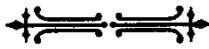
⑨⓪ میدانِ حشر کے پانچ سوال

خدا کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ حشر کے میدان میں ہر ہر شخص سے پانچ سوال کیے جائیں گے اور جب تک وہ ان پانچ سوالوں کے جواب نہ دے لے گا، مجال نہیں کہ وہ خدا کے حضور سے قدم ہٹا سکے۔

1. اس نے اپنی زندگی کن کاموں میں لگائی۔
2. اپنی جوانی کو کن کاموں میں کھپایا۔
3. مال و دولت کن ذرائع سے حاصل کیا۔

④ مال و دولت کن کاموں میں خرچ کیا۔
⑤ اور جو علم حاصل تھا اس پر کہاں تک عمل کیا۔

بہت جلد وہ دن آنے والا ہے جب ہم اور آپ حشر کے میدان میں کھڑے ہوں گے اور ان سوالوں کے جوابات دے رہے ہوں گے کس قدر خوش نصیب ہے وہ شخص جو اس زندگی میں ان سوالوں کے صحیح جوابات تیار کر رہا ہے اور ان سوالوں کو سامنے رکھتے ہوئے شعور کی زندگی گزار رہا ہے۔ زندگی آپ کو بھی ملی ہے، جوانی کی نعمت سے آپ بھی نوازے گئے ہیں، مال و دولت کے آپ بھی مالک ہیں، مال آپ بھی خرچ کر رہے ہیں، آپ کو بھی بہت کچھ علم حاصل ہے اور آپ بھی عمل کر رہے ہیں۔ سوچیے آپ کیا جوابات تیار کر رہے ہیں اور کل خدا کو خوش اور مطمئن کرنے کے لئے کیا کچھ کر رہے ہیں؟

اصلی زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے ...... دنیا کی زندگی بہت مختصر اور فانی ہے۔ آخرت کی زندگی ہمیشہ رہنے والی ہے، وہاں کا سکھ بھی ہمیشہ کا ہے اور وہاں کا دکھ بھی دائمی ہے۔ دنیا کی اس قلیل زندگی میں آپ کے رب نے آپ کو مہلت اور موقع دے رکھا ہے کہ آپ اپنی کوششوں سے اپنے لئے آخرت کی جیسی زندگی چاہیں بنالیں...... ہمیشہ کا سکھ بھی آپ اپنے لئے فراہم کر سکتے ہیں اور ہمیشہ کا دکھ بھی آپ ہی کے اعمال کا نتیجہ ہوگا۔ آپ ہر لمحہ دنیا کی زندگی سے دور اور آخرت کے انجام سے قریب ہو رہے ہیں اور آپ کو شعور ہو یا نہ ہو آپ کی زندگی ان پانچ سوالوں کا جواب تیار کر رہی ہے۔ یہ جوابات خدا کے فضل سے آپ کو حسن انجام سے ہمکنار بھی کر سکتے ہیں اور یہی جوابات آپ کو خدا کے غضب میں گرفتار بھی کر سکتے ہیں۔

مسئلہ آپ کی اپنی زندگی کا ہے، نہ محض عقلی طور پر حل کر لینے کا یہ مسئلہ ہے نہ اس کا تعلق کسی اور سے ہے۔ آپ سے اور صرف آپ سے اس کا تعلق ہے اور صرف آپ ہی کو اسے حل کرنا ہے کوئی دوسرا اگر اس کے حل کرنے میں اپنا سب کچھ کھپادے تب بھی آپ کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا اور اگر آپ اپنے مسئلہ کو صحیح صحیح حل کرنا چاہیں تو دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی آپ کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ آپ کا ذاتی اور شخصی مسئلہ ہے، آپ سوچنے کی زحمت اٹھائیں یا نہ اٹھائیں آپ کی زندگی بہر حال ان سوالات کے جوابات تیار کر رہی ہے اور اپنے وقت پر یہ جوابات بہر حال پیش ہوں گے۔

پھر معاملہ اس خدا سے ہے جس کے علم سے کوئی ذرّہ پوشیدہ نہیں۔ آسمان کی فضائیں ہوں، یا زمین کی تہیں، پہاڑوں کی چٹانوں کے سینے ہوں، یا سمندر کی اتھاہ گہرائیاں، جہاں کہیں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے علم میں ہو رہا ہے۔ وہ عادل و حکیم ہے، اس کے یہاں کسی کے ساتھ ناانصافی ہرگز نہیں ہوسکتی۔ آپ نے ذرّہ بھر نیکی کی ہوگی تو یقیناً اس کا صلہ آپ کے سامنے آئے گا اور ذرّہ بھر برائی کی ہوگی تو لازماً

اس کا بدلہ بھی آپ کو بھگتنا پڑے گا۔ نہ آپ اس کی گرفت سے بچ کر کہیں بھاگ سکتے ہیں نہ اسے دھوکا دے سکتے ہیں، نہ غلط بیانی یا چرب زبانی سے اسے مطمئن کر سکتے ہیں، نہ دنیا میں واپسی کا امکان ہے، نہ مزید سہولت ہی مل سکتی ہے، نہ خدا کے فیصلے کو چیلنج کیا جا سکتا ہے...... حشر کا فیصلہ اٹل ہے، سنجیدگی سے سوچیے کہ آپ کیا فیصلہ چاہتے ہیں...... آج ہی آپ کو موقع حاصل ہے، آج آپ دار العمل میں ہیں۔ کل دار الحساب میں ہوں گے اور عمل کی مہلت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکی ہوگی۔

کیا آپ کو کبھی اس سوال نے لرزایا کہ آپ نے مال کہاں خرچ کیا۔ بظاہر یہ کتنا معمولی سا سوال ہے مگر یہ ہرگز معمولی سوال نہیں ہے۔ اس سوال پر آپ کی آخرت بننے اور بگڑنے کا مدار ہے۔ اس وقت ہم صرف اسی ایک سوال پر غور کرنا چاہتے ہیں۔ اچھے اچھے دیندار اور باشعور افراد بھی اکثر اس سوال کی اہمیت کو محسوس نہیں کرتے اور انہیں یہ حقیقت لرزہ براندام نہیں کرتی کہ ہم جس طرح اور جن کاموں میں اپنا مال خرچ کر رہے ہیں، اس کے بارے میں کل خدا کے حضور کھڑے ہو کر ہمیں خدا کو جواب دینا ہے۔

آپ پابندی سے زکوٰۃ دیتے ہیں، صدقہ وخیرات میں بھی خرچ کرتے ہیں اور کبھی تنگ دلی اور بخل کا مظاہرہ نہیں کرتے لیکن یہ بھی اطمینان کر لیجئے کہ آپ جہاں جہاں اور جس طرح خرچ کر رہے ہیں، ٹھیک ٹھیک خدا کی مرضی کے مطابق کر رہے ہیں یا نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ دین کی ضرورت اور خدا کی مرضی کچھ اور ہو اور آپ کا طرز عمل کچھ اور ہو۔

آپ نے حج ادا کر لیا اور خدا نے آپ کو اتنا دیا ہے کہ بار بار آپ نفلی حج کریں۔ اس میں کیا شک ہے کہ بیت اللہ کی حاضری مومن کے لیے بہت بڑی سعادت ہے۔ آپ بار بار اس سعادت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں...... آپ کے پڑوس میں ایک بیوہ ہے جو نان شبینہ کی محتاج ہے، محلے ہی میں ایک دق کا مریض ہے جس کے کئی بچے ہیں۔ خستہ حال، فاقوں کے مارے، تعلیم و مذہب سے محروم، آپ کی بستی میں کتنے ہی نوجوان واہی تباہی گھوم رہے ہیں، نہ ان کے روزگار کا کوئی بندوبست ہے نہ ان کی تعلیم و تربیت کا، ان کی آوارگی اور بے راہ روی نہ صرف معاشرے کے لیے وبالِ جان ہے بلکہ ان کا وجود اسلام کے لیے بھی بدنامی کا باعث ہے۔ دق کے اس مریض نے آپ کو متوجہ بھی کیا، بیوہ نے بھی اپنی خستہ حالی آپ کو بتائی، نوجوانوں کی بے راہ روی سے بھی آپ کو روشناس کرایا گیا لیکن آپ نے کوئی نوٹس نہ لیا...... آپ کو تو یہ دھن ہے کہ بیت اللہ کی زیارت کر آئیں۔

برسات کی رات تھی امجد شاہ کو آپ نے اپنے گھر سے نکال دیا، اس کی بیوی نے آپ سے گڑگڑا کر التجا کی کہ دو ماہ کی مہلت دے دیجئے، وہ آپ کا مکان خالی کر دیں گے لیکن آپ نے زبردستی دھکے دے کر اسے نکال دیا۔ اس کے ساتھ معصوم بچے بھی سہم سہم کر آپ سے درخواست کرتے رہے مگر آپ نے ایک نہ سنی، ان مظلوموں نے پیڑ کے نیچے بارش میں رات گزاری اور دوسرے دن آپ نے وہ

مکان مدرسہ کے لیے وقف کر دیا، آپ کو دھن تھی کہ جلد از جلد زندگی ہی میں یہ کام کر جاؤں۔

آپ کی بستی میں سیلاب آیا، لوگوں کے گھر اجڑ گئے، لوگ دانے دانے کو محتاج ہو گئے۔ پریشان حالی سے لوگ پریشان ہو گئے۔ آپ ان کی مدد کر سکتے تھے، فاقہ مست بھوکے بچوں کے لیے کھانے پینے کا انتظام کر سکتے تھے، ان خانہ خراب لوگوں کے لیے چھپروں کا انتظام کر سکتے تھے، سیلاب کے مارے سسکتے مریضوں کی دوا دارو کا انتظام بھی کر سکتے تھے۔ آپ کو متوجہ بھی کیا گیا لیکن آپ نے ایک سن کر نہ دی اور یہ جواب دے کر لوگوں کو مطمئن کرنا چاہا کہ آپ کے سامنے بہت بڑا کام ہے، آپ کئی لاکھ دینی کتابیں چھاپنا چاہتے ہیں کہ اسلام کی تبلیغ کا کام ہو سکے۔

آپ کے ادارے میں کتنے ہی ملازم مالی پریشانی سے تنگ آ کر خودکشی کرنا چاہتے ہیں، کتنوں کی ضرورتیں پوری نہیں ہوئیں تو مجرمانہ زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے ہیں...... انھوں نے آپ کو اپنی خستہ حالی اور پریشانی کا حال سنانا چاہا تو آپ نے جھڑک دیا لیکن اخبارات میں خبریں شائع ہوئیں کہ آپ پبلک کے لئے مسافر خانہ کھول رہے ہیں تاکہ مسافر کو تکلیف نہ ہو۔

آپ کی زندگی کی یہ چند جھلکیاں ہیں۔ خدارا غور کیجئے کہ کل جب خدا آپ سے پوچھے گا کہ تو نے مال کہاں کہاں خرچ کیا تو آپ اپنا یہ طرزِ عمل بتا کر واقعی خدا کو خوش کر سکیں گے کہ آپ نے اپنا مال واقعی صحیح مصارف میں خرچ کیا۔ کیا آپ مطمئن ہیں کہ آپ نے دین کے تقاضوں کے مطابق خرچ کیا اور آپ کا یہ صدقہ و خیرات خدا کے یہاں قبول ہو گا؟

آپ کا کام صرف یہی نہیں ہے کہ آپ راہِ خدا میں خرچ کریں، یہ بھی آپ ہی کی ذمہ داری ہے کہ صحیح مصارف میں خرچ کریں، دین کا جہاں جہاں تقاضا ہو وہاں خرچ کریں...... بے شک مال آپ کا ہے لیکن آپ اگر خدا کی راہ میں خرچ کر کے خدا سے صلہ چاہتے ہیں تو خدا کے دین سے یہ بھی معلوم کیجیے کہ میں کہاں صرف کروں اور کس طرح صرف کروں۔ اپنے ذوق کی تسکین اور اپنے نفس و قلب کے اطمینان کے لئے خرچ کر رہے ہیں تو خدا سے صلے کی طلب نہ کیجئے۔ خدا سے صلہ تو اسی شخص کو مل سکتا ہے جو خدا کی مرضی کے مطابق خرچ کرے، دین کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق خرچ کرے اور خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے لرزتے رہیں کہ آپ نے واقعی جہاں جہاں خرچ کیا ہے اور جس جس انداز میں خرچ کیا ہے اس سے دین کا منشا بھی پورا ہوا یا نہیں اور خدا کا جو حکم تھا وہ بھی پورا ہو سکا یا نہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝

(سورۃ المومنون-۶۰)

"اور وہ دیتے ہیں جو کچھ بھی دیتے ہیں اور دل ان کے اس خیال سے کانپتے رہتے ہیں کہ ہم کو اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا، یا رسول اللہ! کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص چوری، زنا اور شراب نوشی کرتے ہوئے اللہ سے ڈرے؟ فرمایا: ''نہیں اے صدیق کی بیٹی! اس سے مراد وہ شخص ہے جو نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے اور پھر خدائے عزوجل سے ڈرتا رہتا ہے۔''

(۹۱) آپ اور آپ کے پڑوسی

اسلامی دنیا کے مشہور بزرگ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ کو دنیا سے رخصت ہوئے زمانہ گزر چکا لیکن ان کی روشن زندگی کی ہر جھلک آج بھی روشنی دکھاتی ہے۔ حضرت کے پڑوس میں بالکل ہی دیوار کے نیچے ایک مجوسی رہا کرتا تھا۔ حضرت اپنے پڑوسی کے ساتھ ہر طرح حسن سلوک کرتے لیکن پڑوسی نہ جانے کیوں حضرت سے بغض رکھتا تھا، دل کی جلن نکالنے کے لیے وہ روزانہ رات گئے اپنی دیوار سے اپنے گھر کا کوڑا اور غلاظت حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں ڈال دیا کرتا۔

حضرت تستری رحمۃ اللہ علیہ بھی ظاہر ہے انسان ہی تھے اس بدسلوکی پر تکلیف فطری بات تھی لیکن طبیعت پر جبر کرتے، صبر سے کام لیتے اور خاموشی سے کوڑا اور غلاظت اپنے ہاتھ سے اٹھا کر باہر پھینک آتے...... عرصے تک ایسا ہوتا رہا، مجوسی کوڑا پھینکتا رہا اور حضرت صاف کرتے رہے۔ اس دوران حضرت نے خاموشی سے مجوسی کو متوجہ کرنے کی کوشش بھی کی لیکن وہ اپنی حرکت سے باز نہ آیا، حضرت یہ تکلیف سہتے رہے لیکن جواب میں صبر اور خاموشی کے سوا کوئی اور حرکت نہیں کی۔ گھر والے زیادہ پریشان ہوتے اور کچھ کرنا چاہتے تو حضرت صبر کی تلقین کرتے اور رات ہی میں کوڑا کرکٹ اٹھا کر باہر پھینک دیتے تاکہ گھر والے دیکھ کر مشتعل نہ ہوں۔

حضرت بیمار ہو گئے اور بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو آپ نے پڑوسی مجوسی کو بلوایا اور تنہائی میں اس سے کہا...... بھائی تم جو رات کو کوڑا کرکٹ پھینکتے تھے۔ میں صحت مند تھا اور میں رات ہی میں اٹھا کر پھینک دیا کرتا تھا۔ اب میں جس حال میں ہوں تم دیکھ ہی رہے ہو۔ خدا کے لیے اب تم ایسا نہ کرو اس لئے کہ میرے بعد میرے گھر کے لوگ تمہاری اس حرکت کو برداشت نہ کر سکیں گے اور اندیشہ ہے کہ وہ تمہیں کوئی سخت تکلیف پہنچا دیں۔ میں نے زندگی بھر تمہاری اس حرکت کو برداشت کیا، اب تم مان جاؤ۔''

حضرت نے کچھ اس انداز میں مجوسی سے بات کی کہ اس کا دل بھر آیا۔ شرمندگی سے اس نے سر جھکا لیا اور بولا: ''حضرت! خدا کے لئے آپ مجھے معاف فرمائیں۔ میں نے واقعی آپ کو بہت ستایا اور آپ نے جس صبر و تحمل سے کام لیا وہ حقیقت میں آپ ہی کا حصہ ہے۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ صبر کی یہ بے مثال قوت اسلام ہی کی دین ہے۔ حضرت مجھے معاف فرمائیے اور مجھے اسلام کا کلمہ پڑھائیے۔''

حضرت نے لرزتا ہوا ہاتھ مجوسی کی طرف بڑھایا، اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور لڑکھڑائی ہوئی زبان میں مجوسی کو کلمۂ شہادت پڑھایا:

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔''

اس طرح دنیا سے رخصت ہوتے ہوتے بھی حضرت ایک سخت دل مجوسی کو اسلام کی دولت سے مالا مال کر گئے۔ حضرت کے بے پناہ صبر اور حسن سلوک نے مجوسی کا دل موہ لیا اور ایک مثالی مسلمان کا حسین کردار دیکھ کر اسلام کے لیے اس کا دل کھل گیا۔

آپ کے پڑوس میں بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی غیر مسلم رہتا ہو اور نہ رہتا ہو تو ہم میں سے کتنے ہیں جن کے پڑوس میں برسہا برس سے غیر مسلم رہتے ہیں اور اپنی اس ملت کے بارے میں سوچیے کہ اس ملک میں اس کے کروڑوں پڑوسی غیر مسلم ہیں۔ آپ جو کچھ کرتے ہیں، اسے ہر ایک کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، آپ کا کوئی عمل، آپ کا کوئی سلوک، آپ کا کوئی معاملہ، آپ کی کوئی بات، آپ کا کوئی برتاؤ، فضا میں تحلیل ہو کر بے اثر نہیں ہو جاتا۔ آپ کی ہر حرکت آپ کے ساتھی اور پڑوسی پر اپنا اثر چھوڑتی ہے اور اس حرکت کو دیکھ کر وہ صرف آپ کے بارے ہی میں کوئی رائے قائم نہیں کرتا بلکہ اس دین کے بارے میں بھی رائے قائم کرتا ہے جس کا آپ دعویٰ کرتے ہیں۔

آپ کے قول و عمل کو دیکھ کر یا تو لوگوں کے دل اسلام کے لیے کھلتے ہیں یا وہ اسلام سے دور ہوتے ہیں۔ مسلمان ہونے کے ناطے پڑوسیوں کا آپ پر یہ بھی حق ہے کہ وہ آپ کے گھر سے، آپ کے برتاؤ سے، آپ کے معاملے سے اور آپ کی گفتگو سے اسلام کی روشن تعلیمات سیکھیں اور آپ کے اخلاق و کردار کو دیکھ کر وہ بے اختیار پکار اٹھیں کہ یہ دین یقیناً حق ہے، جو ایسی پاکیزہ زندگیوں کو بناتا ہے۔

حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ کو دُنیا سے گزرے زمانہ ہو چکا لیکن کتابوں میں لکھا یہ واقعہ آج بھی پڑھیے تو روح تازہ ہو جاتی ہے، اور کتابوں میں دفن ان زندگیوں سے لوگ آج بھی اسلام کی طرف کھنچتے ہیں لیکن یہ ہماری زندگی کا کتنا بڑا المیہ ہے کہ ہم چلتے پھرتے انسان زندہ ہوتے ہوئے بھی اپنی زندگیوں سے لوگوں کو اسلام کی طرف لانے میں کامیاب نہیں ہیں۔

اس ملک میں آپ خدا کے دین کے امین ہیں، آپ کے وجود کا مقصد اس ملک میں یہ ہے کہ آپ کی زندگی سے خدا کے بندے دین کو سمجھیں اور سیکھیں اور اندھیروں میں ٹھوکریں کھانے کے بجائے خدا کی تعلیمات کی روشنی میں زندگی کا راستہ طے کریں...... آپ اور آپ کی ملت اپنی اس ذمے داری کو کس

حد تک ادا کر رہی ہے۔ یہی وہ فریضہ ہے جس پر ہر مسلمان بھی غور کرے اور یہ ملت بھی جو اس دین کی محافظ بھی ہے اور اس کی داعی بھی...... خواہ اسے اپنی اس حیثیت کا شعور ہو یا نہ ہو۔

اگر آپ کی اور آپ کی ملت کی زندگی بندگانِ خدا کو یہ روشنی نہیں دے رہی ہے اور آپ کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے خدا کے بھٹکے ہوئے بندوں کو صحیح راہ نہیں مل رہی ہے تو سوچیے کل حشر کے میدان میں خدا کے حضور آپ کا جواب کیا ہوگا...... اور ملت اسلامیہ کیا جواب دے گی؟

(۹۲) بندگی کس کی؟

بندگی کس کی؟ یہ بھی کوئی سوال ہے۔ بندگی صرف اس کی ہونی چاہئے جس نے پیدا کیا اور ہے کوئی جو ہمارا پروردگار ہے۔

بے شک آپ کا جواب صحیح ہے۔ بندگی کے لائق صرف خدا ہے اور آپ سے تو یہ سوال کرنا اس لیے بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ آپ کو میں نے بار بار قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے دیکھا ہے، جس کے ہر ہر صفحے میں بار بار اس حقیقت کو دہرایا گیا ہے اور پھر میں نے آپ کو نماز پڑھتے بھی بار بار دیکھا ہے، جس کی ہر رکعت میں آپ یہ الفاظ کہتے ہیں اِیَّاکَ نَعْبُدُ، اے خدا! ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں، بلکہ میری خوش گمانی تو یہ ہے کہ آپ کو تہجد کے لیے اٹھنے کی توفیق بھی ہوتی ہے اور رات کی تنہائی میں بھی آپ بار بار یہ الفاظ دہراتے ہیں اِیَّاکَ نَعْبُدُ، پروردگارا! ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں۔ یہ تو خدا ہی کو معلوم ہے کہ آپ یہ الفاظ بے شعوری میں دہراتے ہیں یا پورے شعور کے ساتھ اپنے رب سے اقرار کرتے ہیں لیکن آپ ﷺ کے اس مستقل طرز عمل کے بعد آپ سے یہ سوال بظاہر واقعی بے جوڑ ہے کہ ''آپ کس کی بندگی کرتے ہیں؟''

لیکن معاف فرمائیں، آپ کی زندگی کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا تو بعض الجھنوں نے ذہن کو بری طرح جھنجھوڑا...... آپ کے بعض اعمال کھٹکے اور ہزار خوشگمانی کے باوجود ذہن یہی فیصلہ کرتا رہا کہ خدا کی بندگی نہیں نفس کی بندگی ہے۔ معاف کیجئے! میں نے بہت سخت الفاظ استعمال کیے مگر واقعی میں اس کی کوئی اور توجیہ کرنے سے معذور رہا اور سوچا کہ اپنا دردِ دل آپ سے ضرور بیان کروں۔ ممکن ہے یہ نفس کی بندگی بے شعوری میں ہو رہی ہو۔ خدا کرے ایسا ہی ہو مگر بے شعوری کے ساتھ بھی میرے اچھے ساتھی، آپ کے سفید لباس پر مجھے یہ دھبہ کسی طرح اچھا نہیں لگتا اور بے اختیار کہنے کو جی چاہتا ہے 'وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ' اور کردار کے لباس کو پاک وصاف رکھئے۔

ایک ساتھی سے آپ کی ان بن ہو گئی آپ کو ان پر غصہ آ گیا۔ غصے میں آپ کی زبان سے ایسے الفاظ بھی نکل گئے جو مومن کے لیے کسی بھی طرح مناسب نہیں ہیں مگر خیر، جذبات کی رو میں بعض

اوقات آدمی بہہ جاتا ہے مگر اس کے بعد میں نے دیکھا کہ آپ نے ہفتوں اپنے ساتھی سے سلام کلام ترک کر دیا ہے...... میں نے آپ کو توجہ دلائی مگر آپ نے میری بات سنی ان سنی کر دی۔ پھر میں نے کسی قدر اور زیادہ سوز کے ساتھ آپ کو آپ کے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کا فرمان سنایا: ''کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے مسلمان بھائی سے قطع تعلق کیے رہے۔''

......آپ نے حدیث توجہ سے سنی، ضمیر نے ملامت کی، آغاز بھی کیا۔ آپ کے چہرے کا اتار چڑھاؤ بتا رہا تھا کہ اطاعت کے جذبات ابھر رہے ہیں لیکن نفس نے پھنکاریں مارنا شروع کیں اور آپ اس ناگ سے مغلوب ہو گئے...... پھر آپ اپنے ساتھی سے بدستور کٹے رہے۔ صحیح یا غلط یہ فیصلہ آپ کریں۔ میری الجھن یہ ہے کہ آپ نفس کی بندگی کر رہے ہیں۔

آپ کے ایک عزیز معاشی آزمائش میں مبتلا ہو گئے۔ انہوں نے آپ کو اپنی بپتا سنائی۔ آپ نے محسوس کیا کہ ان کی معاشی آزمائش میں کسی پہلو سے میری معاشی ترقی ہو سکتی ہے...... آپ نے کسی سے دردمندی اور بہی خواہی کا اظہار کرنے کی بجائے خاموشی اختیار کی اور ان کو کوئی مشورہ دینے سے اس لیے گریز کیا کہ آپ کی نگاہیں اپنی معاشی ترقی پر لگی ہوئی تھیں۔ میں نے آپ کو متوجہ کیا اور پھر آپ کو آپ کے آقا ﷺ کی بات سنائی کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

''مومن وہی ہے جو دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔''

مگر میں نے دیکھا کہ آپ اپنے رویے پر قائم رہے اور آپ کی چمکدار پیشانی پر ندامت کا ایک چھوٹا سا قطرہ بھی نمودار نہ ہوا اور میرا ذہن پریشان ہونے لگا کہ یہ تو نفس کی بندگی ہے۔

اپنے ایک قریبی عزیز کے یہاں آپ نے کھانا نہیں کھایا اس لئے کہ ان کے یہاں باجا بج رہا تھا اور کیمرہ برابر رنگین تصویریں کھینچنے میں سرگرم تھا۔ میرے دل میں آپ کی بڑی قدر ہوئی مگر شام کو میں نے دیکھا کہ آپ ایسی دعوت میں شریک ہیں جو شہر کے ایک نئے سرمایہ دار کے یہاں ہوئی تھی جنہیں لاٹری کے ٹکٹ سے حال ہی میں ایک بڑی دولت ملی تھی اور اس مجلس میں آپ بڑے اطمینان سے بیٹھے ہوئے تھے جہاں برابر تصویریں کھینچی جا رہی تھیں۔

میں نے تنہائی میں نہایت درد کے ساتھ آپ کو متوجہ کیا۔ آپ نے تاویل کے دفتر کھول دیے اور میں آپ کی ذہانت پر رشک کرنے کے باوجود دل مسوس کر رہ گیا۔ نہ صرف دوسری مجلس میں آپ کا بیٹھنا نفس کی بندگی تھی بلکہ اپنے قریبی عزیز کے یہاں کھانا نہ کھانا بھی خدا کی بندگی میں نہیں، نفس کی بندگی میں تھا۔ آپ نے کسی اور وقت کا بدلہ لینے کے لیے اس وقت اس کی بے دینی پر حملہ کیا تھا۔

خدا کا واقعی انعام ہے کہ اس نے آپ کو بہت کچھ دے رکھا ہے۔ پچھلے دنوں آپ ہی سے معلوم ہوا کہ نئی بیوی کے بیٹوں اور بیٹیوں کے نام سے آپ نے بہت کچھ خریدا ہے اور ان کی خوش حالی کے

لیے آپ نے بہت سے انتظامات کئے ہیں مگر مطلقہ بیوی کی اولاد کے نام سے آپ نے کچھ نہیں خریدا۔ وہ خستہ حال جگہ جگہ فریاد کرتے نظر آتے ہیں۔ آپ کا کہنا یہ ہے کہ وہ اپنی ماں کے کہنے پر چلتے ہیں۔ آپ کے طرز عمل سے انہیں شکایت ہے، اس طلاق کو بھی وہ ظلم سے تعبیر کر رہے ہیں کہ آپ کے بعد کبھی وہ کچھ نہ پاسکیں۔

میں نے آپ کو متوجہ کیا اور سورۂ نساء کا دوسرا رکوع پڑھ پڑھ کر سنایا کہ خدا نے اپنے اٹل قانون میں اس طرح حصے بیان کئے ہیں اور مومن کا کام تو صرف اس قانون کی تعمیل ہے مگر آپ ٹس سے مس نہ ہوئے اور آپ کا دل ذرا بھی اس قانون کے آگے نہ جھکا۔ میں نے آپ کو بار بار مسجد میں خدا کے حضور جھکتے دیکھا ہے لیکن اس موقع پر میں نے آپ کو خدا کے قانون کے آگے جھکانے کی ہر ممکن تدبیر کی لیکن آپ کی گردن برابر اکڑی رہی۔ میں سوچتا ہوں، یہ نفس کی بندگی نہیں تو اور کیا ہے؟

مجھے معلوم ہے کہ آپ نے بہن کی شادی میں کئی ہزار روپیہ صرف کیے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ آپ وقتاً فوقتاً اپنی بہن کے لئے چھوٹے بڑے تحائف بھی لے جاتے ہیں لیکن پچھلے دنوں جب آپ نے مرحوم باپ کی ایک بڑی جائداد فروخت کی تو بہن کو کچھ بھی نہ دیا۔ بینک بیلنس بھی اپنے نام کرالیا۔ باقی مکانات پر بھی آپ ہی قابض ہیں مگر معمولی تحفوں سے بہن کو برابر خوش رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور صلہ رحمی کے پرچار کے ساتھ کرتے ہیں۔ میں نے آپ کو یاد دلایا کہ مرحوم باپ کے مال میں دو حصے آپ کے ہیں اور ایک حصہ آپ کی بہن کا ہے...... خدا کا شکر ہے آپ کے والد صاحب نے تو اتنا کچھ چھوڑا ہے کہ بہن کا پورا حصہ دینے کے باوجود جو کچھ بچے گا وہ آپ کی پوری زندگی کے لئے کافی ہے......

آپ نے خدا کی کتاب میں یہ آیت بار بار پڑھی ہے، لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ”مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔“ اور آپ اسی طرح بدستور کمزور بہن کے مال پر قابض رہے۔ کیا یہ خدا کی بندگی ہے۔ جی نہیں یہ نفس کی بندگی ہے اور آپ ہولناک دھوکے میں مبتلا ہیں۔ میں زیادہ کچھ کہہ کر آپ کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتا ورنہ میرے عزیز دوست اور بھی کتنے ہی دھبے ایسے ہیں جن کی سیاہی میں بندگی نفس کا کریہہ منظر دکھائی دیتا ہے اور میرا دل ہرگز گوارا نہیں کرتا کہ آپ کے دامن پر ایسے بدنما داغ ہوں۔ آپ کا کہنا بجا ہے کہ تم مجھے کہہ رہے ہو؟ کیا تم اسی طرح کی بندگی نفس میں مبتلا نہیں ہو۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ اس وقت مجھے متوجہ نہ کریں۔ مجھے متوجہ کرنے کا فرض انجام دینے پر آئیں گے تو آپ کا ضمیر پھر ٹھنڈا پڑ جائے گا...... اور یہ ذرا سی گرمی جو اس وقت آپ کے ضمیر نے قبول کی، ختم ہو جائے گی...... میری دعا ہے کہ خدا آپ کی آنکھیں کھول دے اور آپ بندگی نفس کی اس دلدل سے باہر نکل آئیں۔

مگر میرا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آپ مجھے متوجہ نہ کریں۔ کسی اور وقت یہ فریضہ انجام دیں، ضرور دیں۔ میرا آپ پر یہ حق ہے اور آپ کو یاد ہی ہوگا کہ ہمارے اور آپ کے رسول ﷺ نے مجھے

اور آپ کو ایک دوسرے کا آئینہ بتایا ہے...... آپ میرے دامن کے دھبوں کو صاف کرنے کی فکر کریں اور میں آپ کے دامن کے دھبوں کو دور کرنے کی کوشش کروں۔ آیئے! اپنے آقا کے الفاظ دہرا کر اپنے رب سے عمل کی توفیق چاہ کر ہم ایک دوسرے سے جدا ہوں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

اور بلا شبہ تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے۔ پس اگر وہ کوئی عیب دیکھے تو اسے دور کردے۔ (مشکوٰۃ)

۹۳ ہر حال میں خیر ہی خیر صرف مومن کا حصہ

بیماری، دکھ، مصیبت، نقصان اور پریشانی میں سب ہی مبتلا ہوتے ہیں، کوئی ایک شخص بھی اس زمین کے سینے پر ایسا نہیں ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ میں مصائب و آلام سے یقینی طور پر محفوظ ہوں۔ گردشِ ایام کا وار سب پر ہوتا ہے۔ آج اگر آپ کا کاروبار ٹھپ ہو گیا ہے تو کل کسی اور کا نمبر ہے۔ آج اگر آپ کو زخم لگا ہے تو آپ کیوں بھول رہے ہیں کل کوئی اور زخم کھا چکا ہے اور آنے والا کل نہ معلوم کس کے لیے اور کیا لانے والا ہے۔ مصائب و آلام، پریشانیاں اور الجھنیں سبھی کو پیش آتی ہیں۔ غریب کو بھی اور امیر کو بھی، بادشاہ وقت کو بھی اور ایک فقیر کو بھی، مومن اور صالح کو بھی، خدا کے منکر اور فاسق کو بھی۔ گردش لیل و نہار کی چکی میں آج ایک پس رہا ہے تو کل کسی اور کی باری ہے۔

وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (سورۃ آل عمران ۳:۱۴۰)

یہ زمانے کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔

آپ کا شدید مالی نقصان ہو گیا ہے۔ اس کے معاشی ذرائع مسدود ہو گئے ہیں۔ وہ بستر مرگ پر لیٹا صحت کے لئے ترس رہا ہے۔ یہ بیوی بچوں کے مسائل سے پریشان ہے۔ وہ ایک ناگہانی مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اس پر ایک عجیب ہی آفت ٹوٹ پڑتی ہے۔ انہی مناظر کا نام دنیوی زندگی ہے۔ پھر یہ آفتیں اور مصیبتیں خدا کے باغیوں پر بھی آتی ہیں اور خدا کے پرستاروں پر بھی اور قدرتی بات ہے کہ آفات و آلام سے سب ہی متاثر ہوتے ہیں۔ خدا پرست بھی متاثر ہوتے ہیں اور خدا بیزار بھی، دکھ کا احساس سب کو ہوتا ہے۔ درد کی ٹیسیں سب کے سینے میں اٹھتی ہیں، تکلیف میں آہ سب کی زبان سے نکلتی ہے۔

آپ آنے والی مصیبت سے پریشان ہیں، مسکراتا چہرہ مغموم ہے، دل غمزدہ ہے، طبیعت تھکی ہوئی ہے اور آپ کے شب و روز نشاط و ولولہ کی رونق سے خالی ہیں۔ یہ ایک فطری بات ہے، آپ کو ہرگز ملامت نہیں کی جا سکتی۔ آپ کو ملامت کرنے والا انسانی فطرت سے ناواقف ہے، چوٹ لگے اور تکلیف نہ ہو، زخم پہنچے اور دکھ نہ ہو، خوف ہو اور دل نہ لرزے، کیسے ممکن ہے؟

البتہ دو باتیں ضرور پیش نظر رکھیے بلکہ ان کو جذب کیجئے۔ آپ دل میں سکون کی ٹھنڈک محسوس

کریں گے۔غم غلط ہوگا اور آپ کو اپنی مصیبت ہلکی معلوم ہونے لگے گی۔ پہلی بات تو یہ کہ مصیبت تکلیف، الجھن پریشانی وقتی اور ہنگامی چیزیں ہیں۔ان کی مدت بہت تھوڑی ہوتی ہے۔آپ ہی سوچیے! اگر آج آپ پر کوئی مصیبت آئی ہے تو آپ عمر عزیز کے کتنے سال آرام و راحت میں گزار چکے ہیں۔ چند سال کے راحت وعیش کے مقابلے میں چند گھنٹوں اور چند دنوں کی تکلیف و مصیبت کی کیا اہمیت! صبح وشام کی چند گردشوں میں دھ کے یہ دن بیت جائیں گے اور پھر ذہن پر زور دے کر ہی یاد کریں گے تو یاد آئے گا کہ ہم کبھی اس مصیبت سے دوچار ہوئے تھے اور پھر آپ کو خدا کے کلام کا یہ فقرہ بھی یاد ہو جائے گا کہ ہر دکھ کے ساتھ راحت ہے اور ہر تنگی کے ساتھ خوش حالی ہے اور خدا نے بندے کے دل میں یہ حقیقت جمانے کے لئے یہ فقرہ دوبارہ دہرایا ہے:

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا　　إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا

(سورۃ الانشراح ۹۴: ۵-۶)

(یہ حقیقت ہے کہ تنگی کے ساتھ فراخی ہے، بے شک تنگی کے ساتھ فراخی ہے)

اور یہ بھی اطمینان بخش حقیقت ہے کہ خدا نے ہر چیز کی مدت اور مقدار طے کر دی ہے۔ کسی کے بس میں نہیں جو اس سے کمی بیشی کر سکے۔ مصیبت تو اپنا وقت پورا کر کے ہی دور ہوگی اور ضرور دور ہوگی۔ کیا اچھی بات کہی ہے جگر مرحوم نے ؎

طولِ غمِ حیات سے گھبرا نہ اے جگر

ایسی بھی کوئی رات ہے جس کی سحر نہ ہو

دوسری بات جسے آپ خود بھی جانتے ہیں۔ صرف تذکرے کے طور پر آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔خدا نے آپ کو ایمان کی دولت سے نوازا ہے، آپ مومن ہیں اور آپ کو اپنے مومن ہونے کا شعور بھی ہے، مومن کو ایک ایسی چیز حاصل ہے جو صرف مومن ہی کا حصہ ہے۔ مومن کے سوا یہ بات کسی اور کو حاصل نہیں۔ مومن کے لیے ہر معاملہ میں خیر ہی خیر ہے، خواہ وہ دکھ ہو یا راحت، مومن ہر حال میں خیر ہی سمیٹتا ہے۔ اپنے رسول اللہ ﷺ کے مبارک الفاظ میں اس حقیقت کو دیکھیے اور مسرت وشادمانی سے جھوم جایئے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَالِكَ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ۔ (صحیح مسلم)

مؤمن کا معاملہ عجیب وغریب ہے۔اس کا ہر معاملہ اس کے لیے خیر ہی ہے اور یہ سعادت صرف مومن ہی کو حاصل ہے۔ اگر اسے کوئی دکھ پہنچتا ہے اور وہ صبر کرتا ہے تو یہ اس کے

لیے خیر ہے اور اگر اسے کوئی خوشی پہنچتی ہے اور وہ شکر کے جذبات سے سرشار ہوتا ہے تو یہ اس کے لئے خیر ہے۔

اللہ اکبر! ایمان کی بدولت کتنی بڑی سعادت حاصل ہے اور یہ سعادت صرف آپ ہی کو حاصل ہے، مومن کے سوا کسی کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوسکتی۔

خدا کی حکمت اور مصلحت کے تحت اگر آپ کسی دکھ اور تنگی میں مبتلا ہو گئے ہیں تو صبر ہی آپ کا شیوہ ہونا چاہئے۔ مومن جزع فزع اور ہائے واویلا نہیں کرتا۔ وہ مصائب کے ہجوم میں بھی صبر وضبط اور تحمل ووقار کا ثبوت دیتا ہے اور مستقل مزاجی کے ساتھ ہر دکھ اور آفت کا مقابلہ کرتا ہے۔ یہ یقین اس کے پائے استقلال کو قوت پہنچاتا رہتا ہے کہ ہر حال میں خیر ہی خیر اسی کا حصہ ہے...... یہ جو کچھ بپتا اس پر آپڑی ہے اس کے مولیٰ کے اشارے سے ہی آئی ہے۔ وہی اس کو دور کرے گا اور جو وقت اس کے لئے اس کے مولیٰ نے مقرر کر دیا ہے وہ وقت پورا کر کے ہی یہ دور ہوگی۔

(۹۴) اپنے ضمیر سے جواب لیجیے

حیرت ہے! آپ کو اپنی عظمت و رفعت کا احساس کیوں نہیں ہے؟ بالکل غلط ہے کہ آپ کی عظمت و رفعت تاریخ کے گمشدہ اوراق ہیں یا دور ماضی کی بھولی بسری داستان ہے۔ آپ کو کونین کی دولت حاصل ہے۔ وہ دولت جس کے مقابلے میں ہر دولت ہیچ ہے۔ جی نہیں! بلکہ اس دولت سے دنیا کی کسی بڑی سے بڑی متاع کا مقابلہ بھی اس کی توہین اور فکر و دانش کے ساتھ ظلم ہے۔ آپ کیوں بھول رہے ہیں کہ آپ کو عشق رسول ﷺ کی عظیم دولت حاصل ہے۔ آپ کے دل میں محبت رسول ﷺ کی شمع فروزاں ہے۔ عشق رسول ﷺ ایمان کی علامت ہی نہیں اصل ایمان ہے ایمان کائنات کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ دونوں جہاں کی نعمت اور آپ کا سینہ اس سرمایے کا مخزن ہے جسے خدا کے رسول ﷺ نے ایمان کہا ہے۔

ایمان کا اصل سرچشمہ خدا کی ذات ہے اور اس وقت روئے زمین پر خدا کی معرفت، اس پر ایمان کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس، آپ ﷺ سے تعلق۔ یہ تعلق دراصل خدا سے تعلق ہے اور آپ ﷺ کے تعلق سے محرومی دراصل خدا کے تعلق سے محرومی ہے۔ خدا کا بننے کے لئے ناگزیر ہے کہ آپ محمد ﷺ کے بن جائیں۔ خدا پر ایمان کا ایک ہی راستہ ہے کہ آپ محمد ﷺ پر ایمان لائیں اور ایمان کی تکمیل اسی وقت ہوگی جب عشق رسول ﷺ سے آپ کا سینہ سرشار ہو اور آپ کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت ہر چیز سے زیادہ اور ہر چیز پر غالب ہو۔ خود رسول پاک ﷺ کا ارشاد ہے:

''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اس کے بیٹے اور دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

ایک دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

''کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے اہل و مال سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ ایک بار کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ اپنے ہاتھ میں عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا: یارسول اللہ! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں مگر اپنی جان سے نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں عمر! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ تم مومن تو اسی وقت ہو گے جب میری محبت تمہارے دل میں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہوگی۔ یہ سنتے ہی عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! خدا کی قسم اس لمحے سے آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں عمر! اب ہوئے تم مومن کامل۔

دراصل ایمان یہی ہے کہ دل میں عشق رسول ﷺ کی آگ فروزاں ہو، جو سینہ اس آگ سے ٹھنڈا ہے اسے خدا سے کوئی سروکار نہیں اور وہ ایمان سے محروم ہے۔ خدا کی رضا پانے کی بس یہی ایک سبیل ہے کہ آپ کا دل عشق رسول ﷺ کی تپش سے گرمائے اور رسول ﷺ کا تعلق آپ کو ہر تعلق سے زیادہ عزیز ہو۔

مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ است

اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

مصطفیٰ سے تعلق جوڑو کہ دین سرتاسر یہی ہے کہ اگر تم رسول تک نہ پہنچے تو پھر جو کچھ ہے، وہ دین نہیں بولہبی اور گمراہی ہے۔

آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ کو عشق رسول ﷺ کی دولت حاصل ہے اور آپ کو اپنی اس سعادت پر فخر بھی ہے۔ بے شک یہ بہت بڑی دولت ہے، بہت بڑی سعادت ہے اور اس پر فخر بالکل بجا ہے لیکن میرا احساس یہ ہے کہ آپ کو اس کی عظمت و رفعت کا صحیح شعور نہیں ہے۔ آپ کو وہ کچھ حاصل ہے جو اس روئے زمین پر کسی کو حاصل نہیں ہے۔ آپ کے پاس وہ سرمایہ ہے جو کسی کو میسر نہیں، پھر آپ آخر مایوسی، احساسِ کمتری، مسکنت اور حقارت کا شکار کیوں ہیں؟ اگر آپ کا یہ احساس بیدار ہو کہ آپ کو بیش بہا نعمت حاصل ہے تو کبھی آپ مایوسی کا شکار نہ ہوں۔ کبھی آپ یہ نہ سوچیں کہ آج کی زندگی میں آپ کے لیے کچھ نہیں ہے اور آپ خالی ہاتھ ہیں۔ اس دولت و عظمت کا احساس جس حد تک بیدار ہوتا جائے گا آپ کی زندگی میں اس کے اثرات نمایاں ہوتے جائیں گے۔ یہ احساس

آپ کو آپ کے مقام پر یاد دلائے گا اور آپ کو بے چین رکھے گا کہ جو دعویٰ آپ نے کیا ہے اس کا ثبوت دیجئے۔ جس دولت پر آپ کو فخر ہے اور جسے آپ دنیا کی ہر چیز سے قیمتی سمجھتے ہیں اپنی زندگی سے اس کی قدر و قیمت کا اظہار کیجئے ...... یہ احساس جوں جوں جاندار ہوتا جائے گا آپ کے دعوے اور عملی زندگی کے درمیان فاصلہ کم ہوتا جائے گا اور پھر سماج میں آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہوسکتا ہے کہ اسی دولت وعظمت سے آپ پہچانے جائیں، اسی سے سماج میں آپ کا مقام ومرتبہ متعین ہو اور اسی کی نسبت سے لوگ آپ پر رشک کی نگاہیں ڈالیں۔

عشق رسول کا دعویٰ کرنے والے کے لیے خدا نے ایک لائحہ عمل دیا ہے۔ یہ لائحہ عمل ہے تو چند لفظوں میں مگر ایسا دشوار اور مشکل کہ زندگی بھر اس پر سرگرم عمل رہنے پر بھی حق یہی ہے کہ اس کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ یہ لائحہ عمل رہتی زندگی تک کے واسطے ان سب لوگوں کے لئے ایک کسوٹی بھی ہے جو عشق رسول ﷺ کا دعویٰ کریں۔ اس لائحہ عمل کو ذہن میں تازہ کیجئے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (سورۃ الاحزاب ۳۳:۲۱)

رسول ﷺ کی زندگی میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔

میں چند سوالات آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ آپ ان کے جوابات اپنے ضمیر سے حاصل کیجیے اور پھر انہی کی روشنی میں سوچیے کہ آپ اپنے دعوے میں کس حد تک صادق ہیں۔ عشق رسول ﷺ کی دولت پر فخر کرنے میں کہاں تک حق بجانب ہیں اور اس لائحہ عمل پر کس حد تک سرگرم عمل ہیں۔

1. رسول خدا ﷺ نے آپ کی خاطر جو لرزہ خیز دُکھ اٹھائے، ان کو یاد کر کے کتنی بار آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکے ہیں؟
2. رسول ﷺ کو یاد کر کے کتنی بار پیار کے جذبات سے سرشار ہو کر آپ نے بے اختیار دل کی گہرائیوں سے درود وسلام پڑھا ہے؟
3. رسول ﷺ کے حالات جاننے کے لیے آپ کس حد تک بے چین رہتے ہیں اور سیرت پاک کے مطالعے کا کس حد تک اہتمام کرتے اور کتنا وقت اس پر صرف کرتے ہیں؟
4. رسول ﷺ کی یاد نے کتنی بار آپ کو تڑپایا اور کتنی بار آپ کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ آپ روضۂ اقدس پر حاضری دیں؟
5. آپ کی ذاتی مصروفیات، آپ کے اخلاق و کردار، آپ کی رفتار و گفتار میں سیرت رسول ﷺ کی کس قدر جھلک ہے؟
6. آپ کی گھریلو زندگی کس حد تک ان احکام کے مطابق ہے جو رسول ﷺ سے آپ کو اس سلسلے میں ملے ہیں؟

⑦ اگر خدا نے آپ کو علم و دانش، تحریر و دولت و ثروت سے نوازا ہے تو آپ کی یہ قوت و صلاحیت اور یہ وسائل و ذرائع کس حد تک دین کی اشاعت و اقامت اور ملت کی فلاح و بہبود میں کام آرہے ہیں؟

⑧ آپ اپنے سماج اور سوسائٹی کو تعلیمات رسول ﷺ کی خیر و برکت سے مالامال کرنے کے لیے کیا کچھ کر رہے ہیں؟

⑨ اگر آپ نوجوان ہیں تو جوانی کی امنگیں کیا ہیں، اور آپ کا گرم خون کس حد تک اس باغ کو سینچنے کے کام آرہا ہے جو رسول خدا ﷺ نے لگایا تھا؟

⑩ اگر آپ خاتون ہیں تو اپنے دائرہ کار میں دین کی اشاعت اور سنت کا شوق ابھارنے کے لیے آپ کے پروگرام کیا ہیں؟

⑪ خدا نے آپ کو اولاد کی جو بے بہا نعمت دی ہے ان کو اسلام کے مطابق پروان چڑھانے اور اسلام کا فدا کار بنانے کے لیے کیا کر رہی ہیں؟

⑫ دنیا کی زندگی میں قدم قدم پر آپ کے سامنے یہ موڑ آتا ہے کہ رسول ﷺ کا منشا کچھ اور ہے اور دنیا کا منشا کچھ اور، ایسے موقع پر آپ کا فیصلہ کیا ہوتا ہے؟

⑬ کتنی بار اس فکر نے آپ کے سکون کو برباد کر دیا ہے اور آپ بے چین ہو گئے ہیں کہ کل حشر کے میدان میں حضور ﷺ کا سامنا ہوگا...... میرا قول و عمل ایسا نہ ہو کہ آپ ﷺ مجھ سے خفا ہو کر رخ پھیر لیں؟

⑭ کتنی بار اس آرزو نے آپ کو مضطرب کیا ہے کہ دوسری زندگی میں آپ کو رسول پاک ﷺ کی معیت اور رفاقت حاصل ہو؟

یہ چند سوالات ہیں۔ تنہائی کی گھڑیوں میں ان کا جواب اپنے ضمیر سے لیجئے اور پھر دوسروں کو مطمئن کرنے کی فکر سے بے نیاز ہو کر خود کو ہی مطمئن کرنے کی فکر میں لگ جایئے۔ دوسروں کو اطمینان دلانے کے غم میں ہرگز وقت ضائع نہ کیجیے۔

آپ کے جذبات کو گرمانے کے لیے میں سیرت کے ضخیم ذخیرے سے ان لوگوں کی زندگیوں کی دو چار جھلکیاں پیش کرتا ہوں، جنہیں عشق رسول ﷺ کے دعوے کا پاس تھا اور جن کا عشق ان کے قلب کو گرماتا اور ان کی روح کو تڑپاتا رہتا تھا۔

✽ ایک دن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جمعرات کا دن اور جمعرات کا دن کس قدر سخت تھا۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ زار و قطار رونے لگے اور اس قدر روئے کہ زمین کی کنکریاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: جمعرات کا دن کیا؟ فرمایا اسی دن

آپ ﷺ کے مرض میں شدت پیدا ہوئی تھی۔

* ایک بار عمر فاروق رضی اللہ عنہ کاشانۂ نبوت میں تشریف لے گئے، دیکھا کہ حضور ﷺ چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور نیچے کوئی بستر نہیں ہے، جسم اطہر پر صرف ایک تہبند ہے۔ پہلو میں کھجور کی چٹائی سے بدھیا پڑ گئی ہیں۔ گھر میں صرف ایک مٹھی بھر جو ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''عمر! کیوں رو رہے ہو؟'' عرض کیا: ''کیسے نہ روؤں، آپ ﷺ کی یہ حالت ہے اور قیصر و کسریٰ ٹھاٹ کر رہے ہیں۔'' ارشاد فرمایا: ''عمر! کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ ہمارے لیے آخرت اور ان کے لیے دنیا ہو۔''

* حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد جب غزوہ احد کی شرکت کے لیے روانہ ہونے لگے تو اپنے بیٹے سے کہا: ''میرا خیال ہے مجھے ضرور شہادت نصیب ہوگی اور دیکھو مجھے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے۔ تم میرا فرض ادا کرنا اور اپنے بھائیوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔''

* حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا: آپ کو حضور ﷺ سے کتنی محبت تھی؟ ارشاد فرمایا: ''خدائے پاک کی قسم! حضور ﷺ ہم لوگوں کو اپنے مال، اپنی جان، اپنی اولاد اور اپنی ماں سے اور جب پیاس سے دم نکل رہا ہو، اس حالت میں ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب اور عزیز تھے۔''

* ایک صحابی رضی اللہ عنہ بیمار پڑ گئے، رنگ زرد ہو گیا، اور نہایت ہی کمزور ہو گئے۔ حضور ﷺ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ عیادت کو تشریف لے گئے...... بیماری کا حال پوچھا۔ تو کہنے لگے: یا رسول اللہ! کوئی بیماری نہیں ہے، بس ایک غم مجھے گھلا رہا ہے...... آپ ﷺ حیران ہوئے۔ پوچھا بھائی! آخر کیا غم ہے؟ صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یا رسول اللہ! بس ایک ہی غم ہے۔ میں سوچتا ہوں جنت میں آپ کا جو بلند مقام ہوگا، وہاں تو کوئی دوسرا نبی بھی نہ پہنچ سکے گا پھر ہم جیسے عام لوگوں کا گزر وہاں کیسے ہو سکے گا اور جب جنت میں آپ ﷺ کا ساتھ اور آپ ﷺ کا دیدار ہی حاصل نہ ہوگا تو میں ایسی جنت میں جا کر کیا کروں گا...... بس یہی ایک غم ہے جس نے مجھے نڈھال کر رکھا ہے۔ حضور ﷺ کے چہرے پر خوشی کی چمک دوڑ گئی اور فرمایا: ''جنت میں تم میرے ساتھ رہو گے۔''

۹۵ ایک تمنا جو زندگی کا حاصل ہے

سنجیدگی سے دل کو ٹٹولیے! کیا آپ کے دل میں یہ تمنا بھی ہے کہ آپ کا خدا آپ سے محبت کرنے لگے اور آپ کو اپنا محبوب بنالے؟ کیسی پاکیزہ ہے یہ تمنا اور کتنا اونچا ہے وہ انسان جس کے دل میں یہ تمنا ہو۔ خدا کی محبوبیت، بندے کی معراج ہے، یہ تمنا زندگی کا حاصل ہے، زندگی کی ساری تمنائیں اس ایک تمنا پر قربان کی جا سکتی ہیں۔ جو خدا کا محبوب ہو گیا اب اسے اور کیا چاہئے۔ اس سے بڑا مقام اور بڑی

نعمت اور کون سی ہے جس کو حاصل کرنے کی وہ تمنا کرے۔ اس تمنا کے ہوتے ہوئے وہ آخر اور کیا تمنا کرے اور کیوں کرے۔ خدا جو تمام کائنات کا رب ہے، تمام قوتوں کا سرچشمہ ہے جس کی چٹکی میں سب کچھ ہے۔ اس خدا کا محبوب بننے کی تمنا، تصور سے ہی دل کا ریشہ ریشہ روشن و مسرور ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو دل اس تمنا سے خالی ہے وہ دل نہیں ویران کھنڈر ہے۔ وہ اگر دھڑکتا ہے تو افسوس ہے اس کے دھڑکنے پر، دل تو حقیقت میں وہی دل ہے جو اس تمنا سے روشن اور آباد ہے مگر بڑا فرق ہے وہم وخیال میں اور تمنا میں، بات وہم وخیال کی نہیں ہو رہی ہے تمنا کی ہو رہی ہے، سچی تمنا کی۔

سچی تمنا وہی ہے جو آدمی کو ہر وقت مضطرب اور بے قرار رکھے کہ وہ اسے پورا کرنے کی مسلسل کوشش کرتا رہے اور کسی وقت بھی اپنے اس مقصد سے غافل نہ ہو، وہ تمنا نہیں محض وہم وخیال ہے جو آدمی کی زندگی پر اثر انداز نہ ہو اور آدمی کو اپنے مقصد کے لیے بیتاب نہ رکھے۔ خدا کا محبوب بننے کی تمنا واقعی آپ کے دل میں موجود ہے تو خود اپنے آپ سے پوچھیے کہ اس تمنا کو پورا کرنے کے لیے آپ کیا کچھ کر رہے ہیں جس سے آپ کے دل کو یہ اطمینان حاصل ہو کہ آپ واقعی خدا کے محبوب ہیں۔

قرآن وسنت کے مطالعے سے میں آپ کے سامنے وہ عمل رکھ رہا ہوں، اگر آپ ان دو باتوں میں مخلص ہیں اور واقعی یہ دو کام کرنے میں لگے ہوئے ہیں تو خدا اور رسول ﷺ کی جانب سے آپ کے لیے بشارت ہے کہ آپ خدا کے محبوب ہیں اور خدا آپ سے محبت رکھتا ہے۔ ان دو اعمال سے اپنی زندگی کو آراستہ کیجیے:

رسول ﷺ کامل اتباع سے اور اللہ والوں سے، اللہ ہی کے لیے محبت سے۔

قرآن پاک میں خدا کا صاف صاف اعلان ہے کہ جو بندہ رسول ﷺ کی پیروی کر رہا ہے وہ خدا کا محبوب ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (سورۃ آل عمران ۳:۳۱)

یعنی خدا کا محبوب بننے کا ذریعہ یہ ہے کہ خدا کے رسول ﷺ کی کامل اتباع اور پیروی میں زندگی گزارے۔ آیت کا خطاب مومنوں سے ہے اور مومن وہی ہے جو خدا سے شدید محبت رکھے اور یہ ایک قدرتی امر ہے کہ آدمی جس سے محبت کرتا ہے وہ چاہتا ہے کہ وہ بھی مجھ سے محبت کرے۔ خدا سے محبت ایمان کی علامت بلکہ شہادت ہے اور محبت خدا کی کسوٹی اتباع رسول ﷺ ہے۔ اتباع رسول ﷺ اس حقیقت کی گواہی ہے کہ دل میں خدا کی محبت موجود ہے۔

پھر جس دل میں خدا کی محبت ہوگی وہ یقیناً چاہے گا کہ خدا بھی مجھ سے محبت کرے اور اس کا یقینی ذریعہ بھی یہی ہے کہ رسول ﷺ کی اتباع کی جائے...... رسول ﷺ کی پیروی خدا کی محبت کا تقاضا بھی ہے اور محبوب خدا بننے کا ذریعہ بھی۔

آیئے! اب سنت رسول ﷺ سے بھی اس سلسلے میں اطمینانِ قلب کا سامان کریں۔

حضرت ابوادریس خولانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ایک بار میں دمشق کی جامع مسجد میں گیا۔ جامع مسجد میں میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے سفید سفید دانت موتی کی طرح چمک رہے ہیں۔ ان کے اردگرد بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ آپس میں کچھ مسائل پر بحث و گفتگو کر رہے ہیں اور جب ان میں باہم رایوں کا اختلاف ہوتا ہے اور کچھ طے نہیں ہو پاتا تو یہ سب ان بزرگ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور یہ بزرگ جو کچھ فرما دیتے ہیں سب اسے قبول کر لیتے ہیں۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا: یہ کون بزرگ ہیں؟ لوگوں نے بتایا، یہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔ دوسرے دن میں ظہر کی نماز کے لیے مسجد میں کسی قدر اوّل وقت پہنچا مگر میں نے دیکھا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ مجھ سے پہلے ہی پہنچ چکے ہیں اور خدا کے حضور نماز میں مصروف ہیں۔ میں انتظار میں بیٹھا رہا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور کہا: حضرت! خدا کی قسم میں آپ سے اللہ کے لیے محبت رکھتا ہوں۔ فرمایا: کیا کہا، اللہ کے لئے محبت رکھتے ہو؟ میں نے دوبارہ وہی بات کہی: واللہ! میں خدا کے لیے آپ سے محبت رکھتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا: کیا واقعی اللہ کے لیے مجھ سے محبت رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا، بخدا میں اللہ کے لئے آپ سے محبت رکھتا ہوں۔

اب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے میری چادر پکڑ کر مجھے اپنی طرف کھینچا اور فرمایا: تمہارے لئے بشارت ہے۔ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے:

میں لازماً ان لوگوں سے محبت رکھتا ہوں جو محض میرے لئے ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں، محض میری خاطر ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور محض میرے لئے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔

خدا کا یہ ارشاد ہم تک خدا کے سچے رسول ﷺ کے ذریعے پہنچا ہے اور ان بزرگ صحابی کے واسطے سے جن کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر سردارِ دو جہاں ﷺ نے ارشاد فرمایا، معاذ! مجھے تم سے محبت ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے دو مرتبہ حضرت ابوادریس خولانی رحمۃ اللہ علیہ سے تصدیق کی کہ کیا واقعی خدا ہی کے لیے تم مجھ سے محبت کرتے ہو اور جب حضرت خولانی رحمۃ اللہ علیہ نے خدا کو گواہ بنا کر دو مرتبہ کہا کہ ہاں! میں خدا ہی کے لئے آپ سے محبت کرتا ہوں تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے انہیں بشارت دی کہ تم خدا کے محبوب ہو اور خدا تم سے محبت کرتا ہے۔

اگر آپ کو اپنے پالنہار سے واقعی تعلق ہے اور آپ کے دل میں تمنا ہے کہ آپ کا رب آپ کو چاہنے لگے تو آپ اللہ والوں سے اللہ کی خاطر محبت کیجیے اور بار بار اپنے دل کو ٹٹولیے کہ یہ محبت محض اللہ

کے لیے ہے یا نہیں اور جب بار بار آپ کو یہی تصدیق ہو کہ اللہ والوں سے یہ محبت اللہ ہی کے لیے ہے تو آپ مسرور ہو جائیں کہ آپ کے لیے بھی وہی بشارت ہے جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوادریس خولانی رحمۃ اللہ علیہ کو دی تھی۔

''محبوبیت خدا'' پر پہنچنے کے یہ دو ذریعے، اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اور اللہ والوں سے اللہ ہی کے لیے محبت، وہ مستند اور یقینی ذریعے ہیں جو خود خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن و سنت میں بتائے ہیں۔ یہ کسی انسان کے ذہن کی اپج یا پیداوار فکری نہیں ہے کہ ان کے بارے میں کوئی شک اور تردّد ہو۔ ان کے علاوہ سارے ذرائع خواہ کتنے ہی خوش نما نظر آئیں ہرگز توجہ دینے کے قابل نہیں ہیں۔ جنہیں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سند حاصل نہیں ہے۔ خدا اپنے بندوں کو جو کچھ بتانا چاہتا تھا وہ سب اس کے اپنے رسول برحق کے ذریعے بتادیا اور رسول نے ٹھیک اس امت کو سب کچھ پہنچادیا، کر کے دکھایا اور کوئی چیز چھپا کر نہ رکھی۔

اگر آپ کے سینے میں اپنی تمنا پوری کرنے کے لیے واقعی کوئی اضطراب ہے تو کسی طرف بھٹکنے اور بھکنے کی ضرورت نہیں، اطمینان کے ساتھ خدا اور رسول کے بتائے ہوئے طریقے کو اختیار کیجیے۔ خدا گواہ ہے کہ آپ کی تمنا ضرور پوری ہوگی۔

(۹۶) مالک ہی کو پکاریئے

ایک بزرگ نے اپنے شاگرد سے پوچھا!

''عزیزمن! اگر تمہارا ازلی دشمن تمہیں ورغلانے لگے اور گناہ کو لذیذ اور حسین بنا کر تمہارے سامنے پیش کرنے لگے تو تم کیا کرو گے؟''

''میں پوری قوت سے اس دشمن کا مقابلہ کروں گا۔'' شاگرد نے جواب دیا۔

بزرگ استاد نے پھر سوال کیا: ''اور اگر وہ تمھیں دوبارہ ورغلانے اور پھانسنے کی کوشش کرے تو کیا کرو گے؟''

تازہ دم شاگرد نے جواب دیا: ''میں پھر بھی اس سے مقابلہ کروں گا اور اسے زیر کر کے دم لوں گا۔''

دور اندیش استاد نے جواب دیا: ''عزیزمن! یہ کشاکش تو بڑی سخت اور طویل ہے جس کا حوصلہ کر رہے ہو۔ نہیں کہا جاسکتا کہ نتیجہ کیا رہے۔''

پھر تجربہ کار استاد نے ذرا رخ بدل کر ایک اور سوال کیا: ''اچھا یہ بتاؤ! اگر بکریوں کے کسی ریوڑ کے پاس سے تمہارا گزر ہو اور بکریوں کا رکھوالا کتا تمھارے اوپر بھونکنے لگے اور تمہارا راستہ روکنے لگے تو تم کیا کرو گے؟''

''میں جرأت کے ساتھ کتے کو ماروں گا اور اسے اپنے سے ہٹانے میں پوری قوت لگا دوں گا۔'' حوصلہ مند شاگرد نے جواب دیا۔ یہ سن کر بزرگ استاد نے ذرا لفظوں کو کھینچ کھینچ کر کہا:...... ''مگر بھائی یہ مقابلہ ہے بڑا سخت اور مشقت انگیز۔ نہیں کہا جا سکتا کہ اس سنگین آزمائش کا نتیجہ کیا ہو۔''

اور پھر شاگرد کو نہایت دل سوزی اور تاثر کے ساتھ سمجھاتے ہوئے کہا: ''کتنا اچھا ہو کہ تم کتے سے الجھو ہی نہیں۔ اسے یوں ہی بھونکنے دو اور تم بکریوں کے مالک کو مدد کے لیے پکارو۔ مالک کے متوجہ ہوتے ہی کتا خاموش ہو جائے گا۔ مالک ہی کتے کے شر سے تمہیں بچائے گا۔''

یہ بزرگ کون تھے۔ نام تو ان کا علامہ ابن جوزی کو بھی نہیں معلوم ورنہ وہ ضرور لکھتے۔ نام سے ہمیں مطلب بھی کیا۔ ہمیں تو مطلب ان کی اس نصیحت سے ہے۔ کیسی بصیرت افروز اور حکیمانہ نصیحت ہے۔...... ''بکریوں کے مالک کو مدد کے لیے پکارو۔ مالک کے متوجہ ہوتے ہی کتا خاموش ہو جائے گا۔ مالک ہی کتے کے شر سے تمہیں بچائے گا۔'' جس قدر غور کریں گے اس نصیحت کی حکمت اور صداقت پر اطمینان بڑھتا ہی جائے گا۔

شیطان اپنی ذریت کے ساتھ ہر ہر میدان میں مؤمن کا راستہ روک رہا ہے۔ ہر موڑ پر وہ حملہ آور ہے اور بھونک رہا ہے۔ اس کے تابڑ توڑ حملے ہر وقت جاری ہیں۔ کوئی ایسا لمحہ نہیں آتا کہ یہ بیدار دشمن اونگھ جائے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا: حضرت! کیا شیطان سوتا بھی ہے؟ حضرت نے فرمایا: ''اگر شیطان کو نیند آتی تو ہمیں بڑی راحت ملتی۔'' حیرت ہے کہ یہ ناگ صفت دشمن اس قدر چوکنا ہے۔

اس عیار، بیدار، ذہین اور فتنہ انگیز دشمن کے سنگین حملوں سے بچنے کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ آپ اس سے اور اس کی ذرّیت سے زور آزمائی میں اپنا بہترین وقت، قوت و صلاحیت ضائع کرنے لگیں...... ایسی کشاکش میں ہر وقت اور ہر مرحلے پر یہ اندیشہ ہے کہ یہ مکار ازلی دشمن آپ پر قابو پالے، آپ کو بے بس کر دے اور ذرا آگے نہ بڑھنے دے۔ اس سے بازی لے جانے کی ایک ہی کارگر اور صحیح تدبیر ہے کہ مالک کو مدد کے لیے پکاریں۔ وہ تدبیر کریں جن سے مالک ہماری جانب متوجہ ہو، وہ ہمیں اپنی پناہ میں لے لے اور اپنے ان بندوں میں شامل فرما لے جن کے بارے میں خود اس نے شیطان کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان پر تیرا قابو نہیں چلے گا۔

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ إِلَّا غُرُوْرًا ﴿٦٤﴾ إِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۚ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿٦٥﴾

(سورۃ الاسراء ۱۷: ۶۴-۶۵)

(تو جس جس کو اپنی دعوت سے پھسلا سکتا ہے، پھسلا لے۔ ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھالا، مال اور اولاد میں ان کے ساتھ ساجھا لگا اور ان کو اپنے وعدوں کے جال میں پھانس اور شیطان کے وعدے ایک دھوکے کے سوا اور کچھ بھی نہیں...... یقیناً میرے بندوں پر تجھے کوئی اقتدار اور قابو نہ ہوگا اور توکل کے لیے آپ کا رب کافی ہے)۔

شیطان کے نرغے میں آپ کیا، ہم میں سے ہر ایک ہے اور ہر وقت ہے۔ اس کی حیرت انگیز مکاریوں کو رونا بے سود ہے۔ اس کی بے بس کر دینے والی سازشوں کے تذکرے لا حاصل ہیں۔ اسے لعنت ملامت کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ اس سے الجھنا بے کار ہی نہیں بلکہ اپنے بہترین وقت اور قوت وصلاحیت کا ضیاع ہے۔ اس ازلی دشمن کو شرم ناک شکست دینے اور ذلیل کرنے کی صحیح تدبیر یہ ہے کہ آپ مالک کو اپنی مدد کے لیے پکاریں۔ سب کچھ اس کی چٹکی میں ہے اس کو آپ نے اپنی طرف متوجہ کر لیا تو شیطان کی پوری ذریت اپنے تمام ہتھکنڈوں کے باوجود آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتی۔ مالک کی پناہ میں آنے کے بعد کسی کی یہ ہمت ہے کہ آپ کو نظر اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔

شیطان پر آپ کا برسنا بجا ہے۔ وہ یقیناً لعنت بھیجنے ہی کے قابل ہے لیکن صرف لعنت ملامت سے تو آپ اس کی سازشوں سے نہیں بچ سکتے۔ اگر واقعی آپ سنجیدہ ہیں کہ آپ اس سے بازی لے جائیں اور اسے شرمناک شکست دے دیں تو خود اس کی زندگی سے سبق لیے۔ اس کی زندگی کا بھی ایک پہلو تو واقعی اس لائق ہے کہ اس سے سبق لینا چاہیے۔ وہ یہ کہ اسے اپنے نصب العین سے سچا پیار ہے۔ وہ اپنے نصب العین سے شب و روز کسی گھڑی میں غافل نہیں ہوتا، وہ ہر وقت چوکنا، تازہ دم اور مسلح رہتا ہے۔ اس کی معاندانہ پالیسی وقتی اور ہنگامی نہیں ہوتی، اس دشمن خدا نے اپنے کو چیلنج کرتے ہوئے کہا تھا:

فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ (سورہ ص ۳۸:۸۲)

تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گمراہ کر کے ہی دم لوں گا۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب خدا نے غضبناک ہو کر اس مردود کو نکال دیا تھا اور اس گھڑی سے برابر یہ اپنے کام میں سرگرم ہے۔ اس کا سازشی ذہن ہر وقت اسی ادھیڑ بن میں لگا رہتا ہے۔ اسے ایک ہی دھن ہے کہ اپنے نصب العین کو پورا کر کے دکھائے۔ کیا مجال ہے کہ کسی ایک لمحے کے لیے بھی اس کے ذہن میں کسی نیک خیال کی لہر آسکے۔ اسے انسان سے ازلی خار ہے۔ وہ انسان کو اپنی راہ سے ہٹانے اور ذلیل کرنے کی وہ سازشیں کرتا ہے کہ بے اختیار اس کی ذہانت کی داد دینی پڑتی ہے۔ یہ بعض اوقات انسان پر وہاں سے وار کرتا ہے جہاں تک کبھی بھی انسان کی نگاہ بھی نہیں جاتی۔ یہ لعین ہمہ وقت اسی دھن میں رہتا ہے کہ آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف سے اپنے شکار کو پھانسنے کے لیے ننانوے

دروازے کھولتا ہے جس سے ایک برائی کا دروازہ کھولنا اس کا مقصود ہوتا ہے۔

(تلبیس ابلیس، علامہ ابن جوزی)

اس کی اسی سرگرمی، زبردست ذہانت، دھن اور مقصد سے بے پناہ عشق کا یہ کرشمہ ہے کہ اس نے اپنے منصوبے اور پروگرام کو پورا کرنے کے لیے انسانوں میں بھی افراد حاصل کر لیے ہیں جو بظاہر شیطان کو اپنا دشمن کہتے اور سمجھتے ہیں مگر ان کی سازشیں کسی طرح شیطان سے کم تباہ کن نہیں ہیں۔

ایسے ہوشیار اور دھن کے پکے شیطان کو زیر کرنے اور اس کی تباہ کن سازشوں سے بچنے کے لیے آپ کے پاس ایک ہی صحیح اور کارگر تدبیر ہے کہ آپ مالک حقیقی کو پکاریں، اس کو اپنی طرف متوجہ کریں، اس کی پناہ میں آجائیں اور اس سے ایسا تعلق پیدا کرلیں کہ وہ آپ کو اپنے بندوں میں شمار کرنے لگے۔ پھر یہ دشمن کسی بھی جہت سے آپ پر حملہ کرے اس کا کوئی وار کارگر نہیں ہوسکتا۔ اب یہ آپ کے سوچنے کی بات ہے کہ آپ مالک حقیقی کو پکارنے، اس سے اپنا تعلق جوڑنے اور اس کو اپنے حال پر متوجہ کرنے میں کس قدر اخلاص، یکسوئی، تندہی اور دل بستگی کے ساتھ سرگرم ہیں۔

آپ کو گمراہ کرنا جس دشمن کا نصب العین ہے اس کی سرگرمی، انہماک اور دھن کا حال آپ کے سامنے ہے۔ اسی سے کچھ سبق حاصل کیجیے۔ ایسے جاندار دشمن کی ہلاکت خیز یلغار سے بچنے اور اسے بے بس کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ بھی اپنے مالک کی مدد حاصل کرنے کے لیے کچھ ایسی ہی سرگرمی، انہماک اور دھن سے کام لیں، انشاء اللہ میدان آپ ہی کے ہاتھ رہے گا۔

۹۷ قسمت کا شکوہ نہ کیجیے

آپ نے یہ حوصلہ شکن شکوہ کس بنیاد پر کیا ہے کہ آپ کبھی ایک کامیاب انسان نہیں بن سکتے۔ مجھے تسلیم ہے کہ آپ کی ذہنی اور فکری صلاحیتیں غیر معمولی نہیں ہیں۔ جسمانی طور پر بھی آپ عام قسم کی صحت کے مالک ہیں۔ یہ بھی معلوم ہے کہ آپ اس وقت کامیاب نہیں ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کا لازمی نتیجہ یہ نہ ہوگا کہ آپ کامیاب انسان بن ہی نہیں سکتے۔ قسمت کا شکوہ کرنے سے پہلے قسمت کو آزما کر دیکھیے۔ ناکامی کا رونا رونے سے پہلے کامیابی کے لیے کچھ کر دکھایئے جو آپ کے بس میں ہے۔ منزل کا تصور کر کے ہی اپنے اوپر ہول طاری کر لینا، چلنے سے پہلے شکستہ دل ہو کر بیٹھ رہنا، ایک دو بار کی ناکامی سے مایوس ہو کر اپنی تقدیر کی خرابی کا فیصلہ کر بیٹھنا اور اپنے مستقبل سے مایوس ہو جانا عقل کی کوتاہی بھی ہے، ہمت کی کمزوری بھی ہے اور بے پناہ نوازنے والے خدا سے بدگمانی بھی۔

بے شک آپ کی بدگمانی بھی آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ سب کچھ خدا کے قبضے میں ہے۔ کامیاب وہی ہوسکتا ہے جس کو خدا کامیاب کرے اور وہ ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتا جس کی ناکامی کا فیصلہ

خدا فرمادے لیکن اسی کے ساتھ آپ یہ بھی یاد رکھیے کہ یہ فیصلہ بھی خدا ہی کا ہے: اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی (انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کے لئے اس نے سعی کی ہے)۔

اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنی جدوجہد کا پھل پاتا ہے اور یہ بھی کہ جدوجہد کے بغیر وہ کچھ نہیں پا سکتا۔

یہ دنیا جدوجہد کی جگہ ہے۔ یہاں آپ اسی لیے آئے ہیں کہ اپنی جدوجہد سے اپنے مستقبل کو تابناک بنائیں۔ اپنے مستقبل کو بنانا یا بگاڑنا آپ کے اختیار میں ہے۔ جدوجہد کے بغیر آپ کا مستقبل بن جائے یہ بھی ناممکن ہے۔ اور جدوجہد کا حق ادا کرنے کے بعد آپ ناکام رہیں یہ بھی خدا کے عدل و انصاف سے بعید ہے۔ آپ اگر ناکام ہیں تو یقین کیجیے کہ اسمیں آپ کی اپنی ہی کوتاہی ہے، آپ محض تمناؤں سے اپنے مستقبل کو روشن کرنے کی طفل تسلیوں کا شکار ہیں، جدوجہد کا معروف راستہ اپنانے کی بجائے آپ کی تن بہ تقدیر طبیعت آپ کو محض آرزوؤں سے خوش رکھنے کی ناکام کوشش کرتی ہے اور اسی لیے آپ پر اکثر مایوسیوں کے دورے پڑتے ہیں:

تن بہ تقدیر ہے آج ان کے عمل کا انداز
تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر

تاریخ کے اوراق میں آپ کو جو کامیاب انسان نظر آتے ہیں اور جن پر تاریخ فخر کرتی ہے وہ سب کے سب نہ تو غیر معمولی ذہن و فکر کے لوگ تھے، نہ انہوں نے قابل فخر کارنامے انجام دیے تھے اور نہ بیٹھے بٹھائے وہ سب کچھ انہوں نے پالیا تھا جس پر تاریخ انسانی کو فخر ہے۔ ان باہمت انسانوں میں سے بہت سے وہ بھی تھے جو معمولی طبقوں سے تعلق رکھنے والے تھے اور عام زندگی سے اتنے اونچے اٹھ گئے تھے مگر آج دنیا ان کی عظمت کا اعتراف کرتی ہے۔ ان کی بڑائی کو تسلیم کرتی ہے اور ان کی زندگی سے سبق حاصل کرتی ہے۔ ایسے نام چند نہیں ہیں کہ آپ کو گنائے جائیں۔ حافظے پر زور ڈالیے۔ دس بیس نام تو آپ کو بھی یاد آجائیں گے۔

کوئی وجہ نہیں کہ آپ زندگی میں کوئی اعلیٰ مقام حاصل نہ کر سکیں اور آئندہ آپ کو ایک کامیاب انسان کی حیثیت سے لوگ یاد نہ کریں۔ گُر کی بات یہ ہے کہ زندگی آپ کو جو امید دلائے یا زندگی سے آپ جو امیدیں رکھیں اسے پورا کرنا خود آپ کا کام ہے۔

کامیاب زندگی پر غور کیجیے...... کامیابی کا آپ جو بھی تصور رکھتے ہوں۔ یہ بہر حال طے ہے کہ دو ہی چیزیں زندگی کو کامیاب بناتی ہیں...... مقصد سے لگن...... اور مسلسل جدو جہد...... شاندار مستقبل کی ساری رونق انہی دو چیزوں کے دم سے ہے اور تاریخ کی یادگار ہستیوں کی زندگی انہی دو چیزوں سے

عبارت ہے۔ یہی دو چیزیں ہیں جن کا حق ادا کر کے یقیناً آپ ایک کامیاب انسان بن سکتے ہیں۔

تاریخ میں ایسے لوگوں کا کارنامہ آپ نہیں دکھا سکتے جو کاہل، کام چور، آرام طلب، سہل انگار اور لاپروا ہوں، جن کی زندگی کا مقصد ہی کوئی نہ ہو یا وہ محض مقصد زندگی کا دعویٰ کرتے ہوں لیکن ان کی زندگیوں سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ حالات سے ساز باز کرنے والے، دوسروں کے رحم و کرم پر جینے والے اور دوسروں کے دسترخوان سے ریزے چننے والے یا دوسروں کے لگائے ہوئے باغوں سے پھل کھانے پر غور کرنے والے نہ کبھی قابل ذکر ہوئے اور نہ ہو سکتے ہیں۔

ان زندگیوں میں آپ کوئی نشاط، ولولہ، ترتیب اور کشش ہرگز نہیں پا سکتے جن کا کوئی مقصد نہیں ہے یا مقصد کا دعویٰ ہے مگر سینے مقصد کی لگن اور گرمی سے خالی ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کا بھی زندگی میں کوئی حصہ نہیں ہے جو جدوجہد کے تصور ہی سے کانپتے ہیں یا صرف جدوجہد کے اچھے منصوبوں سے خود کو بہلاتے رہتے ہیں۔

کامیاب مستقبل صرف ان کا حصہ ہے جو اپنے مقصد کی لگن بھی رکھتے ہیں اور اس کے لیے مسلسل جدوجہد کی ہمت بھی۔ جو سخت کوشی، جاں فشانی اور سعی پیہم کی ہمت اور لذت محسوس کرتے ہیں۔ تن آسانی اور لاپرواہی سے تو زندگی کے عام کام بھی انجام نہیں پاتے کوئی بڑا کارنامہ بھلا کیا انجام پائے گا۔

زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی

غافل افغان سے خطاب کرتے ہوئے شاعر مشرق نے کیا پتے کی بات کہی ہے ؎

اونچی جس کی لہر نہیں ہے وہ کیسا دریا
جس کی ہوائیں تند نہیں ہیں وہ کیسا طوفان

⑨⑧ تلاوت قرآن

''ایک بار چین اور روم کے دو گروہوں میں باہم مقابلہ ٹھن گیا۔ چینیوں کا دعویٰ تھا کہ ہم نقاشی اور آرٹ کے استاد ہیں۔ اس فن میں ہمارا کوئی ثانی نہیں اور رومیوں کا دعویٰ تھا کہ اس فن میں ہم یکتائے روزگار ہیں ہمارا کوئی مد مقابل نہیں۔ بات بادشاہِ وقت تک پہنچی۔ بادشاہ نے دونوں کی بات سنی اور کہا: اچھا میں دونوں کا امتحان لوں گا اور امتحان ہی یہ بتا سکے گا کہ کون اپنے دعویٰ میں سچا ہے اور کس کا دعویٰ محض دعویٰ ہے۔ بادشاہ کی بات دونوں نے منظور کر لی اور دونوں نے اپنی اپنی جگہ یہ ٹھان لی کہ وہ اپنے فن کے مظاہرے میں وہ کمال دکھائے گا کہ مقابل منہ دیکھتا رہ جائے گا۔

ان دونوں نے اپنے فن کے جوہر دکھانے کے لئے دو مکانوں کا انتخاب کیا جو بالکل آمنے سامنے تھے۔ طے یہ ہوا کہ ایک مکان میں رومی اپنے فن کا کمال دکھائیں گے اور ایک مکان میں چینی اپنے نقش

ونگار کا مظاہرہ کریں گے اور دونوں اپنے اپنے فن کے جوہر دکھانے اور مکان کو سجانے میں تن دہی سے لگ گئے۔ چینیوں نے نقش ونگار کے کمالات دکھانے کے لیے بادشاہ سے طرح طرح کے رنگ وروغن طلب کیے۔ بادشاہ نے سب مہیا کر دیئے لیکن رومیوں نے کوئی رنگ وغیرہ طلب نہیں کیا۔ چینیوں نے مختلف رنگوں کی آمیزش سے ایسے دل آویز اور دلفریب نقش ونگار بنائے کہ دیکھنے سے عقل دنگ رہ جائے۔ رومی صرف صیقل ہی کرتے رہے اور شب وروز کی محنت سے دیواروں کو چمکاتے رہے۔ کمالات کے جوہر دکھانے کی مدت پوری ہوگئی اور بادشاہ معائنے کے لئے تشریف لائے۔ بادشاہ پہلے چینیوں کے مکان میں داخل ہوئے اور چینیوں کے بنائے ہوئے دلفریب اور دلکش نقش ونگار دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ پھر وہ رومیوں کے مکان میں داخل ہوئے رومیوں نے جونہی اپنی جھلمل کرتی ہوئی دیواروں پر سے پردہ اٹھایا تو بادشاہ حیران رہ گئے۔ آئینے کی مانند صاف شفاف اور مجلی دیواروں پر ہر طرف چینیوں کے نقش ونگار کا عکس نظر آرہا تھا اور چمکدار چھتوں اور دیواروں میں یہ عکس اصل سے بھی زیادہ دلفریب منظر پیش کر رہا تھا۔ بادشاہ دیر تک اس منظر کو دیکھتے رہے۔ پھر بادشاہ نے فیصلہ سنایا اور رومی چینیوں سے بازی لے گئے۔''

یہ دلچسپ کہانی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے۔ دراصل اس کے ذریعہ وہ یہ حقیقت ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ جو لوگ شب وروز اپنے قلوب کو صاف وشفاف کرنے میں لگے رہتے ہیں اور دل کو بغض، کینہ، حسد، لالچ، بخل، حرص جیسی کدورتوں سے صاف کر کے آئینے کی طرح چمکا لیتے ہیں، ان کے دلوں میں خدا کی تجلیات اور جمال کے ایسے ہی دلکش اور دل آویز نقش نظر آنے لگتے ہیں اور ان کی شخصیت اس قدر حسین اور پرکشش ہو جاتی ہے کہ ہر متنفس عقیدت سے ان کی طرف کھنچنے لگتا ہے۔ جو دیکھتا ہے بے اختیار ان کا گرویدہ ہو جاتا ہے اور روحانی ترقی اور تزکیے کے میدان میں ایسے ہی لوگ بازی لے جاتے ہیں۔

روحانی ترقی اور تزکیہ قلوب کی بات وہ لوگ بھی کرتے ہیں جو اس فن کی باریکیوں سے علمی طور پر پوری طرح آگاہ ہوتے ہیں۔ وہ اس ہنر کے فلسفے اور نکتے خوب جانتے ہیں۔ وہ اس کی باریکیاں بیان کریں گے تو ایسی موشگافیاں کریں گے کہ لوگ حیران رہ جائیں گے لیکن میدان انہی سادہ لوح بندوں کے ہاتھ رہتا ہے جو علمی طور پر ان سے لوہا نہیں لے سکتے لیکن وہ عملی طور پر شب وروز اپنے تزکیے میں لگے رہتے ہیں۔ ان کا محبوب مشغلہ صرف یہ ہوتا ہے کہ اپنے دل کو ہر طرح کے زنگ سے صاف کریں۔ طمع، لالچ، حرص، بخل، بغض، کینہ، حسد اور ہر طرح کی کدورت سے دل کو پاک کر کے آئینے کی طرح صاف وشفاف بنائیں تا کہ اس میں خدا کی تجلیات اور جمال کا عکس آسکے اور بازی یہی لوگ لے جاتے ہیں۔

رمضان کا مہینہ خاص طور پر دلوں کی صفائی، روح کی ترقی اور نفس کے تزکیے کا مہینہ ہے۔ یوں تو اس مہینے کی ساری عبادتیں روزہ، صدقہ، تراویح، تلاوت قرآن اور اعتکاف اسی لیے ہیں کہ دل ہر طرح کی کدورت اور گناہوں کے زنگ سے صاف ہو کر آئینے کی طرح شفاف اور مجلی ہو جائے مگر خاص طور پر قرآن پاک کی تلاوت قلب کی صفائی اور جلا کے لیے مؤثر ترین اور یقینی ذریعہ ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

یہ انسانی قلوب بھی زنگ آلود ہو جاتے ہیں جس طرح لوہے کو پانی سے زنگ لگ جاتا ہے۔ پوچھا گیا، اے اللہ کے رسول! پھر دلوں کے زنگ کو دور کرنے والی اور جلا بخشنے والی چیز کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: کثرت سے موت کی یاد اور قرآن پاک کی تلاوت۔

رمضان میں خاص طور پر مسلمان تلاوت قرآن کا اہتمام کرتے ہیں، شب کی تاریکی میں خدا کے حضور کھڑے ہو کر تراویح میں قرآن پڑھتے ہیں اور سنتے ہیں۔ مسلمانوں کی ہر بستی میں عام طور پر اس کا اہتمام اور انتظام ہوتا ہے۔ تراویح کے علاوہ بھی اس مبارک مہینے میں قرآن پاک پڑھنے پڑھانے کا اہتمام ہوتا ہے اور اس میں کسی تذبذب اور شک کی کوئی گنجائش قطعاً نہیں ہے کہ مسلمانوں نے اپنے قلوب کو ہر طرح کی اخلاقی کدورت اور گناہوں کے زنگ سے صاف کرنے کا یقینی طور پر صحیح طریقہ اپنا رکھا ہے۔

حیرت اس وقت ہوتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس عمل سے مسلمانوں کو انتہائی شغف بھی ہے، نہایت ذوق وشوق سے اس کا اہتمام اور التزام بھی ہے لیکن دلوں کی صفائی نہیں ہو رہی ہے، ان کا زنگ دور نہیں ہو رہا ہے۔ قرآن پاک پڑھنے پڑھانے کا اس قدر اہتمام ہے لیکن پھر بھی دلوں میں حرص، لالچ، کینہ، بغض ونفاق اور کدورتیں موجود ہیں۔ خاندانی جھگڑے، ایک دوسرے سے نفرت و عناد، دوسرے کے حقوق سے غفلت، ماں اور باپ کی نافرمانی، اولاد کے حقوق سے لاپرواہی، غرض طرح طرح کی کوتاہیوں اور گناہوں کے زنگ سے دل آلودہ ہیں۔ قلب کی صفائی، خوشگوار تعلقات، تزکیہ نفوس کے آداب اور زنگ بیان کرنے والوں کی تو کوئی کمی نہیں لیکن عملی طور پر قلوب بدستور زنگ آلود رہتے ہیں۔ آخر تلاوتِ قرآن کا حق ادا نہیں ہو رہا ہے۔ تلاوت قرآن کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ آپ قرآن کے الفاظ کو جوں توں زبان سے ادا کرلیں اور آپ کچھ نہ سمجھیں کہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ اپنی کن ذمے داریوں کو تازہ کر رہے ہیں اور ان ذمے داریوں کا کس حد تک آپ کو پاس ولحاظ ہے۔

تلاوت قرآن کا مفہوم ہے: قرآن کو صحیح صحیح پڑھنا، اس کی تعلیمات پر غور کرنا، اس کے احکام کو سمجھنا، اس کی تعلیمات اور ہدایات پر عمل کرنا۔ ساتھ ہی قرآن کی تلاوت کا یہ بھی مفہوم ہے کہ اس کی اشاعت کی جائے۔ اس کی تعلیمات دوسروں تک پہنچائی جائیں۔ قرآن وسنت پر آپ غور فرمائیں گے تو

اس مفہوم پر آپ کو شرح صدر ہوگا۔ قرآن کا ارشاد ہے:

اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡکِتٰبَ یَتۡلُوۡنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِکَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ؕ

(سورۃ البقرہ ۲:۱۲۱)

وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ کتاب کی تلاوت کا واقعی حق ادا کرتے ہیں اور یہی لوگ حقیقت میں اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس آیت میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ پہلی بات تو خدا تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''جن کو ہم نے کتاب دی۔'' پورے قرآن میں جہاں جہاں اہل کتاب کو کتاب دینے کا ذکر آیا ہے ان سب آیتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب میں دو گروہ ہیں اور ان دونوں گروہوں کا ذکر اللہ تعالیٰ الگ الگ انداز سے کرتا ہے۔ اہل کتاب کے اس گروہ کا جب ذکر فرماتا ہے جو کتاب کے محافظ رہے اور اس پر عمل کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ کتاب دینے کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے اور کہتا ہے ''اٰتَیۡنٰهُمُ الۡکِتٰبَ'' ہم نے ان کو کتاب دی۔'' اور جب اس نافرمان گروہ کا ذکر کرتا ہے جس نے کتاب کو ضائع کر دیا تو اپنی طرف نسبت نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے ''اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ'' وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی تھی، (مگر انہوں نے ضائع کر دی۔'' اس تفصیل کو نگاہ میں رکھ کر اوپر کی آیت پر غور کیجیے تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ تلاوت کتاب کا حق وہی ادا کرتے ہیں جو واقعی اس کے حاملین اور امین ہیں۔ ان لوگوں کی تلاوت کتاب کی کوئی حیثیت نہیں ہے جو اس پر کاربند نہیں ہیں اور جن لوگوں نے اسے ضائع کر دیا ہے۔

دوسری بات آیت میں یہ کہی گئی ہے کہ تلاوت کتاب کا حق ادا کرنے والے ہی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ انتہائی اہم بات ہے اور یہ رک کر سوچنے کا مقام ہے۔ قرآن کا کہنا یہ ہے کہ جو لوگ کتاب کی حفاظت کرتے ہیں، اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں، وہی لوگ اس پر ایمان کے دعوے میں سچے ہیں۔ یہی بات خدا کے رسول ﷺ نے اس انداز میں بیان فرمائی ہے۔ غور کیجیے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَا اٰمَنَ بِالۡقُرۡاٰنِ مَنِ اسۡتَحَلَّ مَحَارِمَهٗ۔

وہ شخص قرآن پر ایمان نہیں رکھتا جس نے اس کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کر رکھا ہے۔

یعنی قرآن پر ایمان کے دعوے میں وہی شخص سچا ہے جو قرآن کے قانون حلال و حرام کو تسلیم کرتا ہے اور عملی زندگی میں اس پر کاربند رہنے کی مخلصانہ کوشش کرتا ہے۔ اس شخص کے ایمان بالقرآن کا کیا اعتبار جو قرآن کے حلال و حرام سے بے نیاز ہو کر زندگی گزارے۔ ایسا شخص اگر قرآن پاک کی آیتیں دہرا رہا ہے اور رمضان کی مبارک ساعتوں میں اس کے پڑھنے سننے کا اہتمام کر رہا ہے تو اس کا یہ عمل وہ عمل نہیں ہے جو خدا کو مطلوب ہے۔ وہ یقیناً تلاوت قرآن کا حق ادا نہیں کر رہا ہے۔ اس کی تلاوت وہ

تلاوت نہیں ہے جس کا قرآن نے حکم دیا ہے اور جس کی تاکید نبی ﷺ نے امت کو فرمائی ہے۔

قرآن پاک کی ایک اور آیت پر غور کیجئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آخری نبی کی بعثت کے لیے جو دعا کی تھی اس میں رسول خاتم ﷺ کے چار کاموں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ (سورۃ البقرہ ۲:۱۲۹)

اے ہمارے رب! ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک ایسا رسول اٹھا جو انہیں تیری آیات پہنچائے۔ ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیوں کو سنوار دے۔

❶ تلاوت آیات ❷ تعلیم کتاب ❸ تعلیم حکمت ❹ تزکیہ

اور ایک بالکل واضح حقیقت ہے کہ یہاں تلاوت آیات سے مراد قرآن کی آیات کی تبلیغ اور اس کی تعلیمات کو سنانا اور پہنچانا ہے۔ ایک اور موقع پر نبی اللہ کو ہدایت دی گئی ہے:

وَاتْلُ مَآ أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۝ (سورۃ الکھف ۱۸:۲۷)

اور اے رسول! تمہارے رب کی جو کتاب تم پر نازل کی جارہی ہے اسے ان لوگوں تک پہنچادو۔

قرآن و سنت کی ان تشریحات سے تلاوت قرآن کا جو مفہوم واضح ہوتا ہے اس مفہوم میں تلاوت ہی دراصل تلاوت قرآن ہے اور یہ تلاوت قرآن وہی شخص کرسکتا ہے اور اسی کو زیب بھی دیتا ہے جس کی اپنی زندگی قرآنی تعلیمات کا صحیح نمونہ ہو۔ وہ علمی اور فنی لحاظ سے چاہے اس کی باریکیاں اور نکتے نہ بیان کرسکتا ہو لیکن اپنی زندگی میں اخلاص، یکسوئی اور شغف کے ساتھ قرآن کے احکام پر عمل کر رہا ہو اور جس کو اس یقین کی دولت حاصل ہو کہ قرآن ہی اس کے لیے دنیا اور آخرت کی فلاح و کامرانی کا واحد ذریعہ ہے۔ اس یقین سے محروم اور اس عمل سے بے بہرہ انسان اگر قرآن پڑھ رہا ہے یا سن رہا ہے تو کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ تلاوت قرآن کا وہ عظیم فائدہ حاصل کر رہا ہے اور اسے تلاوت قرآن کا وہ عظیم فائدہ حاصل ہوسکتا ہے جس کو نبی ﷺ نے تلاوت قرآن کا لازمی فائدہ بتایا ہے۔

قرآن پاک کی ان آیات کے ساتھ اگر نبی ﷺ کی وہ حدیثیں بھی سامنے رہیں جن میں تلاوت قرآن کی ہدایت کی گئی ہے تو یہ حقیقت اور زیادہ نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔

حضرت عبیدہ ملیکی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ خدا کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اے قرآن کے ماننے والو! قرآن کو تکیہ نہ بنالینا، شب و روز کی گھڑیوں میں اس کی تلاوت کا حق ادا کرنا، اس کی اشاعت اور اس کے پڑھنے پڑھانے کو رواج دینا۔ اس کے الفاظ کو صحیح صحیح ادا کرنا اور اس پر غور و فکر کرتے رہنا تاکہ تم کامیاب ہو اور جلد بازی کر کے اس کے ذریعے دنیا کا صلہ مت چاہنا، خدا

کی خوشنودی کے لیے اس کی تلاوت کرنا کہ آخرت میں اس کا صلہ لازمی ہے۔ (مشکوٰۃ)

قرآن کو تکیہ بنانے سے مراد ہے اس سے غفلت برتنا اور اس کی طرف سے لاپروا ہو جانا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی ''قرآن کی تلاوت کا حق ادا کرنا'' اور پھر آگے آپ ﷺ نے حق تلاوت ادا کرنے کی تشریح میں چار باتیں بیان فرمائی ہیں:

1. قرآن کی اشاعت اور اس کے پڑھنے پڑھانے کو رواج دینا۔
2. اس کے الفاظ کو صحیح ادا کرنے کا اہتمام کرنا۔
3. قرآن پر غور و فکر اور تدبر کرنا۔
4. اور آخری بات یہ کہ یہ عمل خالص رضائے الٰہی اور اجر آخرت کے لئے کرنا، دنیوی صلے کی طلب سے اپنے دل کو پاک رکھنا۔

ایک بار حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی، یا رسول اللہ! مجھے وصیت فرمایئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ کا تقویٰ تمہارے دین و دنیا کے سارے معاملات سدھارنے اور سنوارنے والی چیز ہے۔'' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ حضور کچھ اور وصیت فرمایئے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''تلاوت قرآن اور خدا کا ذکر پابندی سے کرتے رہنا۔ اس کے ذریعے آسمان والوں میں تمہارا ذکر اور چرچا ہوگا اور یہ عمل زندگی کی تاریکیوں میں تمہیں روشنی کا کام دے گا۔ (مشکوٰۃ)

قرآن و سنت کی نظر میں قرآن سے تعلق رکھنے والے وہ لوگ نہیں ہیں جو بے سوچے سمجھے اس کے الفاظ دہراتے ہیں اور اس کی ہدایت اور تعلیمات سے غافل و بے نیاز ہو کر کوئی ذمہ داری محسوس کیے بغیر قرآن پڑھنے سننے اور ختم کرنے کرانے ہی کو کارنامہ سمجھتے ہیں۔ دین کی نظر میں قرآن والے وہ لوگ ہیں جو اپنی زندگی میں قرآن پر عمل کرتے ہیں، اس کو اپنی زندگی کا دستور بناتے ہیں اور اس کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

يُؤْتَى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِالْقُرْاٰنِ وَاَهْلِهِ الَّذِيْنَ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ بِهِ فِي الدُّنْيَا تَقْدُمُهٗ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَاٰلُ عِمْرَانَ تُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا۔ (مسلم)

(قیامت کے روز قرآن اور قرآن کے ماننے والے جو دنیا کی زندگی میں اس پر عمل کرتے تھے، خدا کے حضور لائے جائیں گے۔ اس وقت سورہ البقرہ اور سورہ آل عمران پورے قرآن کی نمائندگی کرتے ہوئے اپنے عمل کرنے والے کے لیے رب سے سفارش کریں گی کہ پروردگار! یہ بندہ تیری رحمت و مغفرت کا مستحق ہے)۔

اس حدیث میں قرآن کو ماننے والے کی تشریح خود نبی ﷺ نے جن لفظوں میں فرمائی وہ خاص

طور پر قابل ذکر ہیں۔ فرمایا: اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ بِهٖ فِي الدُّنْيَا (وہ لوگ جو دنیا کی زندگی میں قرآن پر عمل کرتے تھے)۔ یعنی قرآن کو ماننے والے حقیقت میں وہی ہیں جو دنیا کی زندگی میں اس پر عمل کرتے ہیں...... بے شک مسلمان معاشرے میں آج بھی رمضان کی مبارک راتوں میں قرآن پڑھنے پڑھانے اور سننے سنانے کا خاصا رواج ہے اور بعض بستیوں میں تو اس کا بڑا چرچا رہتا ہے لیکن جب ہم یہ جائزہ لیتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس عمل خیر کا جو فائدہ بتایا ہے وہ بھی حاصل ہو رہا ہے یا نہیں تو مایوسی ہونے لگتی ہے اور یہ خوش گمانی محض فریب نظر آتی ہے کہ مسلمان معاشرے میں تلاوت قرآن کا اہتمام اور رواج ہے۔ مسلمان قرآن پڑھتے پڑھاتے تو ہیں لیکن وہ تلاوت قرآن کے اس مفہوم اور مقصود سے ناآشنا ہیں جو قرآن وسنت نے بتایا ہے اور ان کی تلاوت وہ تلاوت قرآن نہیں ہے جس کی تاکید خدا اور رسول ﷺ نے فرمائی ہے:

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں

(۹۹) موت کے دروازے پر

کچے دھاگے میں بندھی ہوئی موت کی تلوار ہر وقت آپ کے سر پر لٹک رہی ہے، کچھ نہیں معلوم کہ زندگی کا یہ کچا دھاگا کب ٹوٹ جائے اور موت کی تلوار آپ کا کام تمام کر دے۔ اس نازک ترین صورت حال میں آپ زندگی کی گھڑیاں گزار رہے ہیں اور کسی وقت یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ کی زندگی کے کتنے لمحے باقی ہیں۔ کسی بھی وقت آپ دوسری دنیا کی طرف منتقل ہو سکتے ہیں۔ آپ چاہیں جب بھی منتقل ہونا ہے، نہ چاہیں جب بھی منتقل ہونا ہے۔ آپ کو دوسری دنیا کا یقین ہو جب بھی منتقل ہونا ہے اور آپ دوسری دنیا پر یقین نہ رکھتے ہوں تب بھی منتقل ہونا ہے۔ یہ انتقال بہر حال ایک دن ہونا ہے۔ ہر متنفس جس نے زندگی پائی ہے ایک دن اسے موت کا مزہ چکھنا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (سورۃ آل عمران ۳:۱۸۵)

(ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے)۔

موت سے بچنے کے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں، آدمی کہیں ہو، کسی حال میں موت سے بچ نہیں سکتا۔ موت سے بچنا ممکن نہیں۔

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ

(سورۃ النساء ۴:۷۸)

(تم جہاں کہیں بھی ہو موت بہر حال آ کر رہے گی۔ تم خواہ کیسی ہی مضبوط عمارتوں میں ہو)۔

موت کے وقت کو کوئی طاقت نہیں ٹال سکتی۔ اللہ نے ہر متنفس کے لئے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ یہ مقرر وقت پورا ہونے کے بعد کسی کو مہلت نہیں دی جائے گی۔

وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۝ (سورۃ المنافقون ۶۳:۱۱)

(اللہ ہرگز کسی شخص کو مہلت نہیں دیتا جب اس کی مہلت عمل پوری ہونے کا وقت آجاتا ہے)۔

موت ایک ایسی یقینی حقیقت ہے جس کے لیے دلیل و حجت کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ لاتعداد انسان اس کا مزہ چکھ چکے۔ جو موجود ہیں انہیں یقیناً ایک روز اس کا مزہ چکھنا ہے اور جو آئندہ دنیا میں آئیں گے وہ بھی یقیناً ایک روز موت کا منہ دیکھیں گے۔

سوچنے کی بات صرف یہ ہے کہ موت کا استقبال آپ کن جذبات اور کیفیات کے ساتھ کرتے ہیں۔ زندگی کے یہ آخری لمحات ہی انسان کا اصل مقام متعین کرتے ہیں کہ بندہ عظمت یا ذلت کے کس درجے پر ہے۔ ایک مغربی شاعر نے کتنی سچی بات کہی ہے:

اگر تم کسی انسان کو اس کے تمام اوصاف و خصائل کے ساتھ اصل صورت میں دیکھنا چاہتے ہو تو انتظار کرو...... اس وقت تک انتظار کرو جب موت کا دروازہ اس پر کھل جائے۔ اس وقت وہ سارے بناوٹی پردے ہٹ جائیں گے جو انسان اپنی حقیقی صورت پر ڈال لیتا ہے۔ اس کی روح موت کی دستک سنتے ہی سارے نقاب پھاڑ ڈالتی ہے اور بے حجاب ہو کر دنیا کے سامنے آجاتی ہے۔

واقعہ یہی ہے کہ آدمی کی بے نقاب شخصیت زندگی کے آخری لمحات ہی میں سامنے آتی ہے اور یہی لمحات بتاتے ہیں کہ آدمی دنیا سے کامیاب جارہا ہے یا ناکام...... اسی لیے ہر مومن زندگی بھر یہ دعا کرتا ہے کہ یا اللہ! میرا خاتمہ ایمان پر ہو۔ یہی اس کی سب سے بڑی تمنا ہوتی ہے اور اسلام نے اسے یہی تعلیم دی ہے۔ جنازے کی نماز پڑھتے ہوئے جب موت کے شکار انسان کا لاشہ اس کے سامنے ہوتا ہے، وہ سوز و غم میں ڈوبی ہوئی دل گیر آواز میں اپنے پروردگار سے یہی کہتا ہے۔

وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ۔

(پروردگار! ہم میں سے جس کو بھی تو موت دے اس حال میں موت دے کہ وہ ایمان پر قائم ہو۔)

جنازے کی نماز میں پڑھی جانے والی دعا کے یہ الفاظ اس لائق ہیں کہ آدمی کبھی ان کو ذہن سے اوجھل نہ ہونے دے اور یاد رکھے کہ آخر کار ایک دن اسے بھی اسی طرح دنیا سے رخصت ہونا ہے...... فکر کی بات یہ نہیں ہے کہ رخصت ہونا ہے، رخصت تو ایک دن ہونا ہی ہے، فکر کی بات اگر کچھ ہے تو صرف یہ ہے کہ پروردگار اس حال میں اس دنیا سے اٹھائے کہ سینہ ایمان کے نور سے منور ہو۔

زندگی کا کچا دھاگا کب ٹوٹے گا، موت کا دروازہ کب کھلے گا اور کس چپہ زمین پر کھلے گا اور کب آپ اس میں چار و ناچار داخل ہو جائیں گے یہ کسی کو معلوم نہیں۔ یہ راز صرف عالم الغیب ہی کو معلوم ہے۔

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۳۴﴾ (سورہ لقمٰن ۳۱:۳۴)

(کوئی متنفس نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمائی کرنے والا ہے اور نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ کس سرزمین پر اس کو موت آنی ہے۔ اللہ ہی سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے)۔

ہر لمحہ آپ اس اندیشے کے ساتھ گزار رہے ہیں کہ ممکن ہے یہی زندگی کا آخری لمحہ ہو، ہر دوسرا لمحہ موت کا لمحہ ہو سکتا ہے اور آپ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دوسری دنیا میں منتقل ہو سکتے ہیں۔

جب واقعہ یہ ہے...... اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہ واقعہ نہیں ہے...... تو پھر خود ہی اپنے ضمیر سے پوچھیے کہ خاتمہ بالخیر کی تمنا میں آپ کس قدر صادق ہیں، ایمان پر خاتمے کی دعا آپ کتنے اخلاص کے ساتھ کر رہے ہیں۔ ہر دوسرا لمحہ جو یکایک آپ کو دوسری دنیا میں منتقل کر سکتا ہے، کیا واقعی آپ اس کیفیت، شعور، احساس اور بیداری کے ساتھ گزار رہے ہیں کہ اگر یہی لمحہ زندگی کا آخری لمحہ ہو...... تو یہ ایمان کا لمحہ ثابت ہو، اللہ کی اطاعت کا لمحہ ثابت ہو، معصیت اور نافرمانی کا لمحہ نہ ہو۔

یہ خالص آپ کا ذاتی مسئلہ ہے۔ آپ کی اور صرف آپ کی کامیابی اور ناکامی کا مسئلہ ہے۔ کوئی دوسرا اس مسئلے میں آپ کی مدد نہیں کر سکتا نہ یہ دوسروں کو مطمئن کرنے کا مسئلہ ہے، یہ صرف اپنی ذات کو مطمئن کرنے کا مسئلہ ہے۔ اپنے ضمیر سے جواب لینے اور اسے مطمئن کرنے کا مسئلہ ہے۔ سامنے آنے والے نتائج صرف آپ ہی کو بھگتنے ہیں، کوئی دوسرا قطعاً آپ کا شریک نہ ہوگا...... کس قدر قابل رشک ہے وہ موت جو اس حال میں آئے کہ آدمی کو ایمان کی دولت حاصل ہو اور وہ ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو...... موت کے اس پار کیا ہے اور انسان کو کن حالات سے دوچار ہونا ہے...... کچھ نہیں معلوم۔ حیرت انگیز دریافت اور ایجاد کے باوجود انسانی معلومات کے ذرائع اس معاملے میں ذرا کام نہیں دے سکتے البتہ وہ لمحات جب آدمی موت کے دروازے پر ہوتا ہے ضرور کچھ کچھ پتا دیتے ہیں کہ رخصت ہونے والا کیسا ہے اور اس کا کیا انجام ہونے کی توقع ہے۔

تاریخ کے صفحات پر کتنے ہی خوش نصیبوں کے وہ لمحات محفوظ ہیں جب وہ موت کے دروازے پر تھے۔ اس وقت اسلامی تاریخ کے تین بزرگوں کے آخری لمحات کی ایمان افروز کیفیات سے ایمان کو تازہ کیجیے اور دعا کیجیے کہ دم واپسیں اللہ رحمٰن و رحیم ہمیں بھی ان کیفیات میں سے کچھ حصہ عطا فرمائے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: ''میرے والد محترم مرض موت کے آخری

ایام میں بے ہوش ہو گئے تو میری زبان سے بے اختیار نکل گیا: افسوس! میرے باپ کو سخت بیماری ہو گئی ہے۔ اتنے میں والد محترم کی آنکھ کھل گئی۔ تو فرمایا: عائشہ! یہ بیماری نہیں ہے، یہ وہ چیز ہے جس کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے:

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۞ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿١٩﴾ (سورہ ق ۵۰:۱۹)

(اور موت کی جاں کنی حق لے کر آ پہنچی۔ یہ وہی چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔)

پھر پوچھا: ''رسول اللہ ﷺ کو کتنے کپڑوں میں کفنایا گیا تھا؟''

میں نے عرض کیا: ''تین کپڑوں میں''۔

پھر پوچھا: ''آپ ﷺ نے کس دن وفات پائی تھی؟''

میں نے عرض کیا: ''پیر کے دن۔''

''میں اپنے رب سے امید کرتا ہوں کہ آج رات اور دن کے درمیان میری موت واقع ہو جائے۔

پھر اپنے کپڑوں کی طرف دیکھا اور کہا: ''دو کپڑے مزید ملا کر مجھے انہی کپڑوں میں دفنا دینا۔''

میں نے کہا: ''یہ کپڑے تو پرانے ہیں۔'' تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَلْحَيُّ اَحْوَجُ اِلَى الْجَدِيْدِ مِنَ الْمَيِّتِ اِنَّمَا الكفن لِلدِّيْمِ۔

(زندہ انسان مردہ کے مقابلے میں نئے کپڑوں کا زیادہ ضرورت مند ہے اور یہ کفن تو ریم اور خون کے لئے ہے۔)

اور جب آپ کی سانس اکھڑنے لگی تو دعائے یوسفی آپ کی زبان پر تھی: ''تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ، یا اللہ! تو مجھے اس حال میں اٹھا کہ میں مسلم اور تیرا فرمانبردار ہوں اور مجھے صالح بندوں میں شامل فرما۔''

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا جب بالکل آخری وقت آ گیا تو آپ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیے۔ مٹھیاں کس لیں اور زبان پر یہ کلمات تھے: الٰہی! تو نے حکم دیا ہم نے حکم عدولی کی۔ پروردگار! تو نے منع فرمایا اور ہم نے نافرمانی کی۔ یا اللہ! میں بے قصور نہیں ہوں کہ معذرت کروں۔ طاقت ور نہیں ہوں کہ غالب آ سکوں۔ پروردگار! اگر تیری رحمت شامل حال نہ ہوگی تو میں ہلاک و برباد ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد تین بار کہا 'لا الہ الا اللہ' اور روح جسم سے پرواز کر گئی۔

شہید کربلا نواسۂ رسول رضی اللہ عنہ پر ہر طرف سے دشمنوں کا نرغہ تھا، آپ بھی برابر تلوار چلا رہے تھے۔ پیدل فوج پر آپ ٹوٹ پڑے، تن تنہا اس کے قدم اکھاڑ دیئے۔ عبداللہ بن عمار کہتا ہے: میں نے نیزے سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا اور ان کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ میں چاہتا تو ان کو قتل کر سکتا تھا لیکن میں نے خیال کیا، میں یہ گناہ اپنے سر کیوں لوں۔ دائیں بائیں ہر طرف ان پر حملے ہو رہے تھے

لیکن وہ جس طرف مڑ جاتے تھے، دشمن بھاگ کھڑا ہوتا تھا۔ وہ اس وقت کرتہ پہنے ہوئے تھے اور سر پر عمامہ تھا۔ اللہ کی قسم! میں نے کبھی کسی شکستہ دل کو جس کا سارا گھر خود اس کی آنکھوں کے سامنے تہ تیغ ہو گیا ہو ایسا بہادر، ثابت قدم، مطمئن اور جری نہیں دیکھا۔ حالت یہ تھی کہ دائیں بائیں سے دشمن اس طرح بھاگ کھڑے ہوتے تھے جس طرح شیر کو دیکھ کر بکریاں بھاگ جاتی ہیں۔ دیر تک یہی حالت رہی۔ اسی دوران آپ کی بہن حضرت زینب بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا خیمہ سے باہر نکلیں۔ ان کے کانوں میں بالیاں پڑی ہوئی تھیں: وہ چلاتی تھیں، کاش! آسمان زمین پر ٹوٹ پڑے۔

پیاس کی شدت سے آپ رضی اللہ عنہ کا برا حال تھا۔ پانی پینے کے لیے آپ رضی اللہ عنہ فرات کی طرف بڑھے، اچانک دشمن کی طرف سے ایک تیر آیا اور آپ رضی اللہ عنہ کے مبارک حلق میں پیوست ہو گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے تیر کھینچ لیا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ منہ کی طرف اٹھائے تو دونوں چلو خون سے بھر گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے خون آسمان کی طرف اچھالا اور اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا: ”الٰہی! میرا شکوہ تجھی سے ہے۔ دیکھ! تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کے ساتھ کیا ہو رہا ہے“۔ زرعہ بن شریک نے اسی دوران پہلے بائیں ہاتھ کو زخمی کیا پھر شانے پر تلوار ماری۔ آپ رضی اللہ عنہ کمزوری سے لڑکھڑائے۔ سنان بن انس نے بڑھ کر نیزہ مارا اور آپ رضی اللہ عنہ زمین پر گر پڑے اور پھر اسی ظالم نے نواسہ رسول کو ذبح کیا اور سر تن سے جدا کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۱۰۰) رحمت الٰہی کے امیدوار

آپ اللہ سے رحمت کے امیدوار ہیں، ہونا ہی چاہئے۔ مومن کی یہی شان ہے، رحمت سے مایوسی تو کفر ہے۔ کافر ہی رحمت اللہ سے مایوس ہوتا ہے، مومن کبھی مایوس نہیں ہوتا وہ ہمیشہ پر امید رہتا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

لَاتَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۞ (سورہ یوسف ۱۲:۸۷)

(بلاشبہ اللہ کی رحمت سے تو وہی لوگ مایوس ہوتے ہیں جو کافر ہیں)

رحمت کی امید اس حقیقت کی یقینی دلیل ہے کہ آپ کے دل میں ایمان ہے، ایمان کا سب سے بڑا سرمایہ ہے جو دونوں جہاں میں آپ کی فلاح و کامرانی کی ضمانت ہے...... سوچنے اور مطمئن ہونے کی بات صرف یہ ہے کہ آپ واقعی امیدوار رحمت ہیں یا کسی دھوکے میں مبتلا ہیں؟ آپ صرف اپنی نظر میں اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں یا اللہ کی نظر میں بھی واقعی امیدوار ہیں، حقیقت میں رحمت کا امیدوار تو وہی ہے جس کو اللہ بھی اپنی رحمت کا امیدوار قرار دے۔

آیئے! عقل وبصیرت اور کتاب وسنت کی روشنی میں یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ فی الواقع رحمت الٰہی کا امیدوار کہلانے کا مستحق کون ہے۔ امیدوار رحمت کی کیا شان ہوتی ہے اور اس کی عملی زندگی پر اس حقیقت کے کیا اثرات پڑتے ہیں۔ رحمت کی امید رکھنے کا دعویٰ تو ہر ایک کر سکتا ہے لیکن یہ بہر حال اطمینان کر لینے کی بات ہے کہ کس کا یہ دعویٰ سچا ہے اور کون محض حماقت اور فریب میں مبتلا ہے۔

آپ اپنی کھیتی سے امید رکھتے ہیں کہ اس سے آپ کو اچھی پیداوار حاصل ہوگی۔ کون کاشتکار ایسا ہوگا جو اپنی کھیتی سے یہ امید نہ رکھے مگر یہ امیدوار اپنی امید میں اسی وقت تو حق بجانب ہوتا ہے جب انتہائی محنت اور سخت کوشی سے زمین جوتتا ہے۔ نرم کرتا ہے اور پسینہ بہا بہا کر جب زمین تیار کر لیتا ہے تو پھر اس میں اچھے قسم کے بیج بوتا ہے پھر نرائی اور گڑائی کرتا ہے پھر بجا طور پر اپنے کھیت سے اچھی پیداوار کی آس لگاتا ہے۔ اگر کوئی کاشتکار زمین جوتنے، بونے اور سینچنے کی زحمت ہی نہ اٹھائے، کسی سخت کوشی اور محنت کے لئے تیار ہی نہ ہو مگر کھیت سے اچھی پیداوار کا امیدوار ہو تو یہ امید نہیں حماقت اور نادانی ہے۔

آپ کاروبار کیا کرتے ہیں اور اپنے کاروبار سے نفع کی امید رکھتے ہیں۔ کاروبار سے نفع کی امید پر ہی کاروبار کیا جاتا ہے مگر ہر کاروبار کرنے والا اپنے کاروبار کے لئے ضرورت کے مطابق سرمایہ فراہم کرتا ہے۔ اپنا وقت لگاتا ہے۔ جسم وجان اور دل ودماغ کی قوتیں لگاتا ہے۔ دلچسپی اور تن دہی سے دوڑ دھوپ کرتا ہے۔ کاروبار کے سارے تقاضے پورے کرتا ہے اور جب خود اسے اطمینان ہو جاتا ہے کہ کاروبار کو کامیاب بنانے کے لئے جو کچھ وہ کر سکتا ہے اس میں اس نے کوتاہی نہیں کی بلکہ محنت اور سوجھ بوجھ کا حق ادا کر دیا تو پھر بجا طور پر وہ اس سے امید لگاتا ہے کہ اسے اللہ کے فضل سے خاطر خواہ نفع حاصل ہوگا۔ اگر کوئی تاجر اپنے کاروبار کے لئے سرے سے کچھ کرے ہی نہیں اور یہ امید رکھے کہ خاطر خواہ نفع حاصل ہوگا تو عقل کی دنیا میں اس کو امید نہیں حماقت اور فریب نفس کہیں گے۔

آپ اعلیٰ امتحانوں میں شریک ہوتے ہیں، امتیازی نمبروں سے کامیابی کی امید رکھتے ہیں۔ اعلیٰ ڈگری حاصل کرنے کے امیدوار ہوتے ہیں۔ بے شک امتحان میں اچھے نمبروں سے کامیابی کی امید رکھنا ہی چاہیے مگر آپ کی محنت اور عرق ریزی، اللہ، اللہ نہ دن کو آرام نہ رات کو سکون، اپنی پیاری نیند اور آرام وراحت کو تج کر ہر وقت آپ تیاری میں غرق رہتے ہیں۔ دنیا اور مافیہا سے بے خبر آپ کو صرف ایک ہی دھن ہوتی ہے۔ کسی طرح اپنا کورس ہضم کر لیں اور پھر بجا طور پر آپ نمایاں کامیابی کے امیدوار ہوتے ہیں۔ اللہ کامیابی سے نوازتا بھی ہے۔ آپ ہی بتایئے اگر آپ کورس کی تیاری میں کوئی محنت نہ کریں، آرام وراحت ہی میں اپنے شب وروز بتاتے رہیں اور نمایاں کامیابی کی امید رکھیں تو یہ امید ہے یا جہالت، یقیناً یہ امید نہیں، انتہا درجے کی بے وقوفی ہے۔ دنیا کے معاملات میں جب آپ یا

کوئی امیدوار ہوتا ہے تو اس کی امیدواری اسی طرح تسلیم کرتے ہیں جب وہ اپنے کو امیدوار ثابت کرنے کے سارے تقاضے پورے کرتے ہوئے امیدواری کا دعویٰ کرتا ہے۔ عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ رحمت الٰہی کے امیدوار کو بھی اسی کسوٹی پر پرکھا جائے اور اسی وقت وہ رحمت الٰہی کا امیدوار قرار دیا جائے جب وہ اس امیدواری کے تقاضے بھی پورے کرتا ہو۔

کتاب و سنت کے نزدیک بھی اللہ کی رحمت کا سچا امیدوار وہی ہے جو ایک حقیقت پسند کاشتکار کی طرح ایمان خالص کا بیج اپنے قلب کی سرزمین میں بوئے۔ قلب کو برے خیالات اور گندے جذبات اور مکر وریا کے جھاڑ جھنکاڑ سے صاف رکھے اور عبادت و ریاضت اور نیکی و حسن سلوک کے پانی سے برابر سینچتا رہے اور مرتے دم تک اپنے قلب کی کھیتی کی حفاظت و نگرانی کرتا رہے۔ ایسے سچے امیدوار کی پہچان یہ ہے کہ ہر نئی صبح وہ دین کی راہ میں کچھ اور آگے ہوگا۔ اس کے دینی جذبات میں کچھ اور نکھار آئے گا، خدا ترسی کے کاموں میں وہ پیش پیش ہوگا اور ہر وقت اپنے ایمانی جذبات کی دیکھ بھال اور نگرانی میں چاق و چوبند رہے گا۔ کسی وقت اس پر ایسی غفلت طاری نہ ہوگی کہ وہ ایمان کی خبر گیری سے بے پروا ہو جائے اس لیے کہ کھیت کی نگرانی چھوڑ دینا اور کھیت سے بے پرواہ ہو جانا مایوسی اور دنیا پرستی کی علامت ہے۔

جو شخص اللہ سے مغفرت کی امید رکھتا ہے اور اس بات کی امید رکھتا ہے کہ اس کا رب اسے جنت کی لازوال نعمتوں سے نوازے گا وہ برابر کوشاں رہے گا کہ اپنے رب کی نظر میں وہ خود کو مغفرت و رضوان اور جنت کی بے مثال نعمتوں کا مستحق بنائے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اللہ سے رحمت و عنایت کی امید بھی رکھے اور اس کی اطاعت و عبادت میں سستی بھی دکھائے۔ نافرمانی کی روش اور پھر رحمت کی امید! امید نہیں، حماقت اور ڈھٹائی ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ وَرِثُوا الۡكِتٰبَ يَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ هٰذَا الۡاَدۡنٰى وَيَقُوۡلُوۡنَ سَيُغۡفَرُ لَنَا‌ۚ (سورۃ الاعراف ۷:۱۶۹)

(پھر اگلی نسلوں کے بعد ان کے جانشین وہ لوگ ہوئے جو کتاب الٰہی کے وارث ہو کر اس دنیائے ادنیٰ کے فائدے سمیٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں امید ہے کہ ہمیں معاف کر دیا جائے گا۔)

یہ اللہ کی رحمت کی امیدواری نہیں بلکہ جہالت اور ڈھٹائی ہے۔ رحمت الٰہی تو انہیں بندوں پر سایہ فگن ہوتی ہے جو اپنی زندگیوں کو سنوارتے ہیں اور نیک اخلاق و کردار کے مالک ہوتے ہیں۔ اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ (بے شک اللہ کی رحمت انہیں لوگوں سے قریب ہے جو نیکوکار ہیں۔)

اللہ کے رسول ﷺ نے اس شخص کو عقل کا دیوالیہ اور عاجز و درماندہ بتایا ہے جو خواہشات نفس کے پیچھے پڑا رہے اور اللہ سے طرح طرح کی امیدیں باندھتا رہے۔

وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ۔

(اور عاجز و درماندہ شخص وہ ہے جو نفس کی خواہشات کے پیچھے لگا ہوا ہے اور اللہ سے طرح طرح کی تمنائیں کرتا ہے۔)

دو لفظوں میں رحمت الٰہی کی امید کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی کے بس میں جو کچھ ہو اس کے کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کرے اور پھر بھروسہ اللہ پر رکھے اور حالات بظاہر کیسے ہی مایوس کن ہوں، کبھی آس نہ توڑے۔ یعقوب نے اپنے محبوب بیٹے کو کھو دیا پھر گومگو کی کیفیت کے ساتھ دوسرے بیٹے کو بھی جو یوسف علیہ السلام کی نشانی تھا، بھائیوں کے ساتھ روانہ کر دیا۔ پھر یہ دل دہلا دینے والی خبر سنی کہ شاہ مصر نے اس کو بھی روک لیا ہے اور بھائی خالی ہاتھ واپس آ گئے ہیں۔ یہ ایسا وقت تھا کہ چاروں طرف مایوسی کی گھٹائیں تھیں۔ بظاہر دور دور تک امید کی کوئی کرن نظر نہیں آ رہی تھی لیکن یعقوب پیغمبر تھے۔ پیغمبرانہ بصیرت رکھتے تھے۔ انہوں نے انہی حالات میں بیٹوں سے کہا:

لَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۚ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ (سورہ یوسف ۱۲:۸۷)

(دیکھو! اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، واقعہ یہ ہے کہ اللہ کی رحمت سے تو وہی لوگ مایوس ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔)

مومن کی شان یہی ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ سے رحمت کی امید رکھے اور کسی وقت اور کسی حال میں بھی اس کی رحمت سے مایوس نہ ہو...... اس کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اللہ کی نظر میں خود کو سچا امیدوار رحمت ثابت کرنے کی کوشش کرے اور بس...... جو شخص اللہ سے رحمت کی امید رکھتا ہے اللہ اسے کبھی مایوس نہیں کرتا البتہ امیدواروں کی زندگی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾ (سورۃ البقرۃ ۲:۲۱۸)

(بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور مسلسل جدوجہد کرتے رہے۔ یہی لوگ حقیقت میں اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بے پناہ درگزر کرنے والا اور بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔)

یہ آیت صاف صاف بتاتی ہے کہ اللہ کی نظر میں کون لوگ واقعی رحمت کے امیدوار ہیں: جو ایمان لائیں، جو اللہ کی راہ میں ہجرت کریں یعنی اللہ کے دین کے تقاضے پورے کرنے کے لیے اپنے کاروبار،

اپنے خاندان، اپنے وطن اور اپنے وسائل و ذرائع سب قربان کر دیں اور جو اللہ کے دین کی اشاعت کے لئے مسلسل جدوجہد کرتے ہیں۔

حضرت یحییٰ بن معاذ کہتے ہیں، اس سے بڑی نادانی اور حماقت اور کیا ہوگی کہ آدمی دوزخ کا بیج بوتا رہے اور جنت پانے کی امید رکھے۔ نیکیوں کا مقام پانا چاہے اور بدکاروں کے سے کام کرے۔ نیکی اور بھلائی نہ کرے اور اجر و ثواب کا طالب ہو۔

(۱۰۱) احسان شناسی اور خیر خواہی

ایک بڑا ہی حیرت انگیز واقعہ ہے جو تاریخی داستان کے طور پر نقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ یہ واقعہ سچا ہے یا محض من گھڑت مگر یہ حقیقت ہے کہ اس میں نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے بڑا ہی سبق ہے۔

گزرے وقتوں کی بات ہے کہ ایک بادشاہ اپنے غلام پر بڑا مہربان تھا۔ ہر وقت وہ اس کو انعام و اکرام سے نوازتا رہتا تھا اور غلام نہایت ہی عیش و عزت سے زندگی کے دن گزار رہا تھا۔ شومئ قسمت، ایک دن بادشاہ کو غلام کی حرکت ناگوار گزری اور وہ اس پر برس پڑا اور اسے بہت کچھ سخت سست کہہ ڈالا۔ غلام نے بھلا اس طرح کی ڈانٹ پھٹکار کب سنی تھی۔ وہ تو ہمیشہ سے عنایتوں اور نوازشوں کا عادی تھا، وہ بہت رنجیدہ ہوا اور رنجیدہ رہنے لگا۔ آخر کار اس نے ایک دن وہاں سے نکل جانے کا ارادہ کیا اور بغیر کچھ کہے سنے ایک دن وہاں سے فرار ہو گیا۔ بادشاہ نے غلام کی تلاش میں ہر طرف اپنے لوگوں کو روانہ کیا، لوگوں نے ہر طرف تلاش کیا لیکن غلام نہ ملا۔ بادشاہ غلام کے ساتھ ہمیشہ ہی نیکی کرتا تھا۔ بادشاہ کو اس بات کی بے پناہ تکلیف ہوئی کہ اس نے اپنے غلام کے ساتھ ہمیشہ نیک سلوک کیا، انعام و اکرام سے نوازا، شفقت و محبت سے پیش آیا اور ایک دن غصے میں کچھ کہہ دیا تو وہ ایسا احسان فراموش نکلا کہ زندگی بھر کے احسانات اور انعامات کو اس نے یکسر بھلا دیا اور اس نے دل میں یہ طے کیا کہ آخر کبھی نہ کبھی تو وہ ملے گا ہی، جب بھی وہ مل گیا اس کی گردن اڑائے بغیر نہ مانوں گا اور اس دن کا انتظار کرنے لگا۔

ادھر غلام بادشاہ کو چھوڑ کر چلا تو آیا مگر بادشاہ کا حسن سلوک اور اس کے احسانات بھلا نہ سکا۔ جب بھی اسے بادشاہ کے حسن سلوک کی یاد آتی وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے اور اپنا قصور معاف کرانے کے لیے بے چین ہو جاتا مگر خدمت میں حاضری کے لیے اس کی ہمت نہ ہوتی۔ اس شش و پنج میں ایک مدت گزر گئی۔ آخر ایک دن غلام نے ہمت کر ہی لی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ضرور اپنے محسن کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے قصور کی معافی چاہے گا۔ یہ سوچ کر وہ روانہ ہوا اور بادشاہ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ غلام کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور اس سے پہلے کہ وہ کہے، بادشاہ غصے میں گرجا: بلاؤ جلاد

کو اور جلاد کو حکم دیا کہ اڑا دو اس کی گردن۔ جلاد حکم پاتے ہی ننگی تلوار لئے آگے بڑھا۔ غلام نے نہایت عجز و انکساری سے بادشاہ سے عرض کیا: حضور! یہ گردن حاضر ہے، اس پر آپ کے احسانات کا بہت بوجھ ہے، اسے اڑا دیجئے مگر مجھے چند منٹ کی مہلت دیجیے کہ میں اپنے رب سے دعا کرلوں۔ بادشاہ نے غصے سے کہا: مانگ لے جو دعا مانگنا چاہتا ہے، مگر تیری گردن اڑا دینے کا میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ دعا کی اجازت ملتے ہی جلاد پیچھے کو ہٹا اور غلام نے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے اور یوں گویا ہوا: ''اے میرے رب! جس آقا نے آج میری گردن اڑانے کا حکم دیا ہے زندگی بھر اس نے مجھ پر نوازشیں کی ہیں، اس نے مجھے عزت و اقبال سے نوازا ہے۔ پروردگار! اس آقا کے مجھ پر بے پناہ احسانات ہیں۔ پروردگار! یہ آج مجھے قتل کرا رہے ہیں، میں تجھے گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنا خون ان کو معاف کر دیا اور تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ کل حشر کے میدان میں ان کی پکڑ نہ کرنا، میں اپنے اس محسن کو کل حشر کے میدان میں شرمندہ نہ دیکھ سکوں گا۔ پروردگار! میں اپنا خون ان کو معاف کرتا ہوں، تو بھی کل میدانِ حشر میں ان کو معاف کر دینا۔ اس محسن کے یہاں گزرے ہوئے صبح و شام میری زندگی کے یادگار اور زندگی کے حاصل صبح و شام ہیں، پروردگار! تو اس سے بھی زیادہ عزت و اکرام سے ان کو نوازنا۔

غلام دل کی گہرائیوں سے یہ دعا مانگ رہا تھا اور بادشاہ کے دل کی کیفیت بدل رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ کس قسم کا غلام ہے۔ وہ حیران تھا کہ میں اس کو قتل کرا رہا ہوں اور اس کو میرے انجام کی فکر ہے۔ یہ میری آخرت اور عاقبت کا کس قدر خیر خواہ ہے۔ یہ وہاں کی پکڑ سے مجھے بچانے کے لئے بے چین ہے۔ اس کا سارا غصہ کافور ہو گیا اور آگے بڑھ کر بادشاہ نے بے قراری کے ساتھ اس کو گلے سے لگالیا اور پہلے سے بھی زیادہ عزت و اکرام سے نوازا اور غلام کے صبح و شام پھر عیش و آرام اور خوشی و مسرت میں گزرنے لگے۔

بادشاہ کے اس سلوک پر مصاحبین نے حیرت کا اظہار کیا اور ایک دن بادشاہ سے پوچھا کہ حضور! آپ یا تو اس غلام کو قتل کرائے دے رہے تھے یا پھر پہلے سے بھی زیادہ اس پر انعام و اکرام کی بارش ہونے لگی۔ بادشاہ نے مصاحبین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: میں نے اس غلام میں دو ایسی خوبیاں دیکھیں کہ میں الٹا اس کا احسان مند ہو گیا۔ ایک یہ کہ یہ سچا احسان شناس ہے۔ وقتی طور پر اس سے غلطی ہوئی لیکن یہ میرے احسانات کو بھولا نہیں۔ اس نے میری وفاداری کا حق ادا کر دیا اور دوسری خوبی یہ کہ اس نے میری وہ خیر خواہی کی کہ اس خیر خواہی تک میری سوچ نے بھی کبھی میرا ساتھ نہ دیا۔ اس نے اپنے قتل کا حکم سننے اور جلاد کے ہاتھ میں ننگی تلوار دیکھنے کے بعد بھی ذرا میری طرف سے دل میلا نہ کیا اور اس نے آخرت میں اللہ کی پکڑ سے مجھے بچانے کے لئے اللہ سے درخواست کی۔ اپنی جان دے کر بھی اس نے مجھے شرمندہ اور معتوب دیکھنا گوارہ نہ کیا، اس سے بڑی کوئی خیر خواہی نہیں ہوسکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی یہ دو خوبیاں ایک احسان شناسی اور دوسری سچی خیر خواہی، ایسی بنیادی خوبیاں ہیں کہ جو نہ صرف بندے کو انسان کی نظر میں محبوب اور قابل قدر بناتی ہیں بلکہ اللہ کی نظر میں بھی وہ بندہ قابل قدر اور محبوب ہوتا ہے۔

ایمان کی راہ احسان شناسی اور شکر گزاری ہی تو ہے، خدا کی نعمتوں کے احساس سے سرشار ہو کر جب بندہ دل کی گہرائیوں سے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہتا ہے، **الحمد للہ رب العالمین**، تو یہی احسان مندی اور شکر گزاری کا جذبہ اس پر ایمان کی راہ کھولتا ہے۔ بندہ اس جذبے سے بے تاب ہو کر اپنے رب سے درخواست کرتا ہے کہ پروردگار! مجھ پر وہ راستہ واضح کر دے کہ میں تیرا شکر گزار اور مطیع۔ فرمان بن کر زندگی گزاروں اور تیرے ناشکروں اور نافرمانوں میں میرا شمار نہ ہو اور اللہ اپنے ہی بندے پر ایمان و ہدایت کی راہ کھولتا ہے۔

اور رسول پاک ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایمان کی لذت اسی بندے کو ملتی ہے جو دوسروں کا سچا خیر خواہ ہوتا ہے اور دوسروں کے لیے وہی چاہتا ہے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔ ہر بندے کی آرزو و چاہت یہی ہے کہ کل حشر کے میدان میں اسے شرمندگی نہ ہو اور اس کا خالق بھی اس سے راضی ہو۔ بڑی سے بڑی قربانی دے کر بھی وہ اپنے بھائی کے لیے یہی چاہے اور آرزو کرے تو واقعی وہ سچا خیر خواہ ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس شخص کو ایمان کا لذت شناس تسلیم ہی نہیں کیا ہے جو اپنے بھائی کا سچا خیر خواہ نہ ہو اور اس کے لیے بھی وہی نہ چاہے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے۔

لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَایُحِبُّ لِنَفْسِهٖ

''تم میں سے کوئی شخص ایمان کو پا ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی نہ چاہے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔''

احسان شناس بندہ وہی ہے جو اللہ کے احسانات کو ہمہ دم یاد رکھے اور ہر لمحے اس کا شکر ادا کرتے ہوئے شکر گزار بندوں کی طرح زندگی گزارے، کبھی غفلت اور نافرمانی کا عمل ہو بھی جائے تو جلد پلٹ آئے اور اپنے رب سے قصور کی معافی چاہے۔ بندہ اللہ کی نعمتوں اور نوازشوں کا بھی شمار نہیں کر سکتا۔ وہ اس کی کسی ایک نعمت کی برکتوں کا بھی شمار نہیں کر سکتا اور شکر گزاری ہی وہ روش ہے کہ اللہ ایسے بندے کو اور زیادہ نوازتا ہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ

''البتہ اگر تم شکر گزار ہو گے میں تمہیں لازماً مزید دوں گا۔''

اللہ تعالیٰ دوسروں کی خیر خواہی چاہنے والے بندے کو ایسا مقبول، عزیز اور اس قدر قلبی اطمینان و

سکون عطا کرتا ہے کہ یہ نعمتیں وہ کسی قیمت پر حاصل نہیں کرسکتا۔

خوبیاں تو شمار میں صرف دو ہیں ❶ احسان شناسی اور ❷ خیر خواہی لیکن ان کے صلے اور برکتیں اس قدر ہیں کہ ان کا شمار انسان کے بس سے باہر ہے۔

⑩ اعمالِ خیر کا بندھن

بندۂ مومن کی انتہائی آرزو اور منتہائے مقصود اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اسے خدا کی رضا کا گھر جنت نصیب ہو جائے، وہ اسی شوق اور فکر میں شب و روز گزارتا ہے کہ کسی طرح جنت نعیم میں داخل ہونے کی سعادت حاصل ہو جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو پوری امت کے لیے نمونہ کی ہستیاں تھیں اور جن سے بہتر شخصیتیں روئے زمین پر کبھی پائی نہیں گئیں، ان کی آرزو اور فکر بھی یہی تھی اور یہی سوال وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کرتے تھے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ایک ممتاز صحابی ہیں، خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک بار فرمایا تھا: ''معاذ! میں تم سے محبت کرتا ہوں۔'' خدا کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم جس سے محبت کریں اور کہیں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اس سے بڑا سعادت مند کون ہوگا۔ اس کی خوش بختی پر کون نہ رشک کرے گا اور اس کی عظمت شان کا بھلا کون اندازہ کرسکتا ہے۔ اللہ ان سے راضی ہو۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی نے ایک بار رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَخْبِرْنِیْ بِعَمَلٍ یُّدْخِلُنِی الْجَنَّۃَ وَیُبَاعِدُنِیْ عَنِ النَّارِ۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

یَامُعَاذُ! لَقَدْ سَاَلْتَ عَنْ عَظِیْمٍ

''معاذ تم نے تو بہت ہی عظیم بات پوچھ لی۔''

ظاہر ہے اس سے عظیم بات اور کیا ہوگی، مومن کی زندگی کی تمام تر تگ و دو اور شب و روز کی منتہائے مقصود اس کے سوا اور کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت سے نوازے اور جہنم کی دہکتی آگ سے بچالے۔

مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا اس آرزو کی تکمیل اور اس کوشش میں کامیاب ہونے کی سبیل خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور بتا سکتا ہے؟ کس قدر عظیم سوال ہے اور کس قدر موزوں شخصیت سے کیا جا رہا ہے جن کی بعثت ہی اللہ نے اس لیے کی ہے کہ وہ بندوں کو جہنم سے بچائیں اور جنت میں داخل ہونے کی سبیل اور اعمال سے واقف کرائیں اور جو تدبیر و سبیل بتا رہے ہیں وہ بھی یقینی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی وجہ ہی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صادق و امین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سبیل و تدبیر بتائی ہے وہ صدفی صد سچی اور خدا کی ہدایت کے مطابق ہے...... ان دونوں باتوں میں جس کو بھی ذرا تردد اور شک ہو اس کا ایمان ہی مشکوک ہے۔

وہ اعمال اور وہ سبیل مجھے معلوم ہو جائے جس سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں اور جہنم سے بچ جاؤں...... جب کہ بتانے والی ہستی وہ ہے جس کو خدا نے یہی بتانے کے لیے بھیجا ہے اور اس لیے اپنا رسول منتخب کیا ہے کہ وہ صادق اور امین ہیں۔

حضرت محمد ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سوال عظیم کے جواب میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ نہ صرف گوش ہوش اور جذبہ اطاعت کے ساتھ سننے کی باتیں ہیں بلکہ فیصلہ کن عزم کے ساتھ عمل کرنے کے اعمال ہیں۔

پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ بندہ اللہ ہی کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔

دوسری بات یہ کہ وہ نماز قائم کرے۔

تیسری بات یہ کہ وہ زکوٰۃ ادا کرے۔

چوتھی بات یہ کہ وہ رمضان کے روزے رکھے۔

پانچویں بات یہ کہ وہ بیت اللہ کا حج کرے۔

اور صدقہ گناہ کی تپش کو اس طرح بجھا دیتا ہے جس طرح آگ کو پانی بجھا دیتا ہے اور بندے کی آدھی رات کی نماز۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (سورۃ السجدۃ: ۱۶، ۱۷)

"ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں۔ وہ اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے رہتے ہیں جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے راہِ حق میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ پھر جیسا کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ان کے جن اعمال خیر کے صلے میں ان کے لئے چھپا رکھا گیا ہے اس کا کسی متنفس کو کوئی علم نہیں۔"

پھر حضور ﷺ گویا ہوئے: کیا میں تمہیں دین کے سر رشتے اور اس کے ستون اور اس کی بلند ترین چوٹی کے بارے میں نہ بتاؤں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: ضرور ضرور یا رسول اللہ!

ارشاد فرمایا: دین کا سر رشتہ اسلام یعنی خود کو اللہ کے حوالے کر دینا ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کی بلند ترین چوٹی جہاد ہے۔

پھر فرمایا: کیا میں تمہیں ان سب [illegible] نہ بتا دوں؟

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: ضرور بتایئے اللہ کے رسول!

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا: اس کو قابو میں رکھو۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے نبی! کیا ہم سے ان باتوں پر بھی مواخذہ ہوگا جو ہم زبان سے بولتے رہتے ہیں۔

یہ ہیں وہ اعمال جن کی بدولت انسان جہنم کی آگ سے بچ کر جنت میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کرسکتا ہے اور ان سب کے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بات کی تنبیہ فرمائی اس کو عام طور پر لوگ بہت معمولی بات سمجھ کر نظر انداز کرتے رہتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تمام اعمال کا بندھن اور شیرازہ قرار دیا ہے۔

ملاک دراصل اس بندھن کو کہتے ہیں جس کے سہارے چیزیں قابو میں رہتی ہیں اور ادھر ادھر بکھر کر ضائع نہیں ہوتیں۔ زبان کی حیثیت ایک بندھن اور شیرازے جیسی ہے۔ اگر آدمی اس پر قابو رکھے تو اس پر سارے اعمال اپنی اپنی جگہ مفید اور مؤثر اور خدا کی نظر میں باوقعت ہوں گے اور اگر زبان بے قید اور آزاد ہوگئی تو زبان وہ چیز ہے جو تمام اعمال کو برباد کر کے رکھ دینے والی ہے، اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اعمال خیر کا بندھن قرار دے کر سخت تنبیہ فرمائی اور خبردار کیا کہ اس کا حاصل اور پیداوار انسان کو جہنم میں منہ کے بل گرا دینے والی چیز ہے۔

۱۰۳ برائیوں سے سمجھوتہ کرنے کا عبرتناک انجام

بگاڑ اور فساد کسی قوم یا ملت میں یکبارگی نمودار نہیں ہوتا بلکہ نہایت ہی دھیمی رفتار اور خاموشی میں سر اٹھاتا اور عیارانہ چالوں سے سماج میں اپنے لیے گنجائش پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ نہایت صبر، تسلسل اور مکاری سے سرگرم رہتا ہے کہ اسے گوارا کیا جانے لگے۔ یہ اس کی جیت اور بیداری کا پہلا مرحلہ ہوتا ہے۔ اس مرحلہ پر پہنچ کر وہ اطمینان کی سانس لیتا ہے کہ اب آگے کے مراحل آسان ہو گئے۔ پھر زیادہ وقت نہیں لگتا کہ سماج میں بگاڑ نمودار ہوتا ہے اور رواج پانے لگتا ہے۔ اسے گونہ مقبولیت حاصل ہونے لگتی ہے اور ہوتے ہوتے بگاڑ وفساد سماج کا معمول بن جاتا ہے۔

ہوتا یہ ہے کہ ایک پاکیزہ انسانی معاشرہ میں شر پسند مجرمین دبے ہوئے ہوتے ہیں۔ اول اول برائیاں کرتے ہوئے جھجکتے ہیں، ان پر سماج کا اخلاقی دباؤ ہوتا ہے، پاکباز لوگوں کی ایک ہیبت ہوتی ہے، مجرمین کسی برے فعل کا ارتکاب کرتے خوف محسوس کرتے ہیں۔ صرف عام اور سوسائٹی کے بے اثر لوگ ہی نہیں بلکہ سوسائٹی کے اصحاب ثروت اور بااثر لوگ بھی سوسائٹی کے خوف سے دبے ہوئے ہوتے ہیں اور اس کی اصل اور بنیادی وجہ یہ ہوتی ہے کہ سماج کے خیر پسند، پاکباز اور شافی جوہروں سے آراستہ

لوگ سماج میں کسی برائی کو برداشت کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوتے۔ برائیوں کے خلاف ہمہ وقت مسلح اور محاذ آرا رہتے ہیں، وہ کسی قیمت پر شر پسند مجرمین سے سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے لیکن یہ بند اس وقت ٹوٹتا ہے جب ان خیر پسند اور باشعور افراد میں سستی آتی ہے، ان میں دھیرے دھیرے جرأت و ہمت اور برائیوں سے نفرت میں کمی پیدا ہونے لگتی ہے اور وہ شر پسندوں کو للکارنے اور ان کے خلاف نبرد آزما ہونے کا حوصلہ کھونے لگتے ہیں۔ اس کمزوری کو بھانپ کر اول اول اصحاب ثروت اور ماہر مجرمین میں ڈھٹائی، ہٹ دھرمی، سرکشی اور برائی پر اڑنے کی جرأت نمودار ہوتی ہے۔ خیر پسند اپنے فریضے میں کوتاہ ہونے لگتے ہیں۔ ان میں برائیوں کو گوارہ کر لینے اور بروں سے مفاہمت کر لینے کی پالیسی رواج پانے لگتی ہے۔ ابتداء **نھی عن المنکر** یعنی برائیوں کو روکنے کی جرأت اور اخلاقی حوصلہ ختم ہوتا ہے اور اپنی اس کمزوری کی حکمتیں اور مصلحتیں بیان کرنے کا رواج عام ہوتا ہے۔ پھر یہ حوصلہ باقی نہیں رہتا کہ کسی کو نیکی کا حکم دے سکیں اور سماج میں بھلائی کا اہتمام کرنے کے لئے بھی پرزور انداز میں زبان کھول سکیں۔ یہ سماج کے بدترین دن ہوتے ہیں۔ برائیاں عام ہونے لگتی ہیں۔ سماج میں ہر طرف فساد اور بگاڑ رونما ہونے لگتا ہے...... برے لوگ سماج پر چھا جاتے ہیں اور ہر طرف یہی لوگ سرگرم نظر آتے ہیں۔

صحیح بنیادوں پر تعمیر ہونے والے معاشرے کا ابتدائی دور سنہرا ہوتا ہے۔ سماج پر پاک باز لوگوں کا اثر ہوتا ہے، ان کی اخلاقی ساکھ سے پورا سماج مرعوب ہوتا ہے۔ عوام ہی نہیں بلکہ بااثر اصحاب ثروت بھی کھلم کھلا کسی برائی کا ارتکاب کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ سوسائٹی کے پاک باز طبقے کا لحاظ کرتے ہیں۔ ان کی نیکی، تقویٰ اور پاک بازی کی وجہ سے نہ صرف ان کا احترام کرتے ہیں اور اس طرح برائیاں گومٹ نہیں جاتیں مگر سماج میں دبی رہتی ہیں، گویا ان کا وجود ہی نہیں ہے۔ اگر کبھی سر اٹھاتی بھی ہیں تو اس کو پورے سماج کی نفرت، بیزاری اور دباؤ سے مقابلہ کرنا ہوتا ہے اور وہ سر اٹھاتے ہی دب جاتی ہیں لیکن جونہی شر پسند یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ خیر پسندوں میں شر کو گوارا کر لینے کی کمزوری جنم لے رہی ہے تو ان کی جرأت بڑھنے لگتی ہے۔

جب تک سماج کا خیر پسند، باشعور اور پاکباز طبقہ اپنے فرائض کا گہرا احساس رکھتا ہے، اپنا فریضہ ادا کرنے میں سرگرم رہتا ہے اور جرأت کے ساتھ برائیوں کے خلاف ڈٹا رہتا ہے، سماج میں اس کی ساکھ ہوتی ہے، سماج پر اس کا اخلاقی دباؤ اور ایک ہیبت ہوتی ہے، سماج اس کا اثر محسوس کرتا ہے اور تہہ میں برائیاں موجود بھی ہوں تو سر نہیں اٹھاتیں۔ ایسا لگتا ہے کہ سماج میں گویا کوئی برائی ہے ہی نہیں اس لیے کہ سماج میں برائیوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہوتی اور سماج کے عام لوگوں میں نیکی کا رجحان، برائی سے نفرت اور اہل خیر کے اثرات کی فضا قائم رہتی ہے۔

کسی سوسائٹی کا یہ دور انتہائی خوش بختی، ترقی، خوشگواری اور خیر و برکت کا دور ہوتا ہے۔ ہر طرف امن وسکون، راحت و عافیت، خوش حالی و خیر سگالی اور مسرت واطمینان کی فضا ہوتی ہے اور سوسائٹی جنت کا نمونہ ہوتی ہے۔ شیطان بھلا اس خیر و برکت اور نیکی و پاکیزگی کی فضا کو کیسے گوارا کر سکتا ہے۔ وہ برابر اپنی چالیں چلتا رہتا ہے اور خیر پسندوں پر مسلسل حملے کرتا رہتا ہے اور پھر سوسائٹی کو یہ روز بد دیکھنا پڑتا ہے کہ نیک لوگوں کے طبقے میں سہل انگاری، عافیت کوشی، فرائض سے غفلت، سستی اور لاپرواہی جیسی کمزوریاں نمودار ہونے لگتی ہیں، وہ دھیرے دھیرے برائیوں کو گوارا کر لینے اور اہل شر سے سمجھوتہ کرنے کی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ شر پسندوں کے مقابل آنا، انہیں للکارنے اور ان کو برائیوں سے روکنے کی جرأت و ہمت کھونے لگتے ہیں اور عافیت اس میں محسوس کرتے ہیں کہ شر پسندوں سے مصالحت اور مفاہمت رہے۔ شر پسند چونکہ اسی وقت کے انتظار اور آرزو میں عمر عزیز کی گھڑیاں بتاتے ہیں اس لیے وہ جلد اہل خیر کی اس کمزوری کو بھانپ لیتے ہیں اور ان کے برے ارادوں میں جان پیدا ہونے لگتی ہے۔ پھر زیادہ وقت نہیں گزرتا کہ برائیوں کا چلن عام ہو جاتا ہے اور شر پسند ہر طرف دندناتے اور شر و فساد پھیلاتے نظر آتے ہیں اور بالآخر سماج میں شر پسندوں کا دباؤ اور بالادستی کی فضا عام ہو جاتی ہے، خیر پسند اور پاکباز طبقے کے اثرات ختم ہونے لگتے ہیں، ان کا اخلاقی دباؤ ڈھیلا پڑنے لگتا ہے اور شر پسند عناصر کو کھل کھیلنے، من مانی کرنے اور دل کے ارمان پورے کرنے کے آزادانہ مواقع فراہم ہو جاتے ہیں۔ سوسائٹی کے لوگ جن کی بہت بڑی اکثریت جواب تک خیر پسند طبقے کے اثرات اور دباؤ سے برائیوں سے بچے ہوتے ہیں، وہ بھی اس ریلے میں بہہ جاتے ہیں۔ سارے بند ٹوٹ جاتے ہیں اور پورا سماج برائیوں کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔ خیر پسند لوگ سماج کی ہماہمی اور پیدا ہونے والے مسائل سے کنارہ کشی اختیار کرنے اور زندگی کی سرگرمیوں سے ہٹ کر گوشۂ عافیت تلاش کرنے لگ جاتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سماج میں خیر پسندوں اور پاکباز لوگوں کا کوئی رول ہی نہیں رہا ہے، وہ سماج میں اپنی ساکھ، اپنا اخلاقی دباؤ اور اپنے اثرات سب کچھ کھو بیٹھتے ہیں۔

کسی سوسائٹی کے لیے یہ انتہائی بدبختی اور زبوں حالی کا دور ہوتا ہے۔ ہر طرف شر، فساد، ہنگامے، آوارگی، عیاشی، ظلم و زیادتی اور انارکی پھیل جاتی ہے، باہمی تعلقات بگڑ جاتے ہیں، خاندانی بندٹوٹنے لگتے ہیں، خانگی زندگیاں برباد ہونے لگتی ہیں، عزت و آبرو، جان و مال کی حفاظت، چھوٹے بڑے کا لحاظ، شرم وحیا جیسی قدریں ناپید ہونے لگتی ہیں، سماج سے امن وسکون اور عافیت واطمینان رخصت ہو جاتا ہے اور پورا سماج جہنم کا نمونہ بن جاتا ہے۔

قرآن نے بھی بنی اسرائیل کی عبرتناک تاریخ پیش کرکے بار بار مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے اور رسول [illegible] نے [illegible] کے مختلف گوشے بیان کر کے بار بار تنبیہ [illegible] ہے [illegible] مسلمان

چوکنے رہیں اور ان رخنوں پر نگاہ رکھیں جہاں سے برائیاں خاموشی سے سرایت کر کے پوری سوسائٹی کو تہہ و بالا کر دیتی ہیں۔

بنی اسرائیل میں بھی ذلت و مسکنت اور شرمناک تباہی یکا یک نہیں آئی اور یکبارگی وہ عظمت و عزت کی بلندیوں سے ذلت اور برائی کی پستیوں میں نہیں دھنس گئے، بلکہ ان کا حال بھی یہی ہوا کہ ابتداءً ان میں امر بالمعروف اور نهی عن المنکر کا نظام قائم تھا، ان کے افراد اپنے مشن کا شعور رکھتے تھے، ان کے اچھے افراد برائیوں کے خلاف سینہ سپر رہتے تھے، شر پسندوں کو للکارتے اور ہمت و جرأت سے ان کو برائیوں سے روکتے تھے، ان کا ہاتھ پکڑتے اور بزور ان کو باز رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

لیکن دھیرے دھیرے ان کے پاک بازوں اور خیر پسندوں میں ڈھیل پیدا ہوئی، برائیوں کو برداشت کرنے، برے لوگوں سے سمجھوتہ کرنے اور ان کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ بننے کی بیماری پیدا ہوئی۔ مقابلے کی قوت کمزور پڑنے لگی۔ مفاہمت اور مصالحت کی روش اختیار کرنے میں عافیت محسوس ہونے لگی۔ کل تک یہ لوگ جن برے لوگوں کو برائیوں میں مبتلا دیکھ کر للکارتے اور بزور روکتے تھے، ان ہی کے ساتھ آخر کار سمجھوتے کرنے لگے۔ ان کو برائیوں میں لت پت دیکھ کر روکنے کے بجائے ان کی ہم نشینی اور قربت میں عافیت محسوس کرنے لگے۔ شر پسندوں کی جرأت بڑھنے لگی اور خیر پسندوں کے حوصلے پست ہونے لگے۔ دھیرے دھیرے یہ خیر پسند بھی ان ہی شر پسندوں اور مجرموں کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ بن گئے۔ جب یہ کیفیت پیدا ہوئی تو ان پر اللہ کا غضب ٹوٹ پڑا۔ اللہ نے ان پر اپنا عذاب مسلط کر دیا، ان میں اخوت و تعلق ختم ہو گیا۔ ان کے قلوب باہم پھٹ گئے۔ ان میں اختلاف، انتشار اور افتراق کی فضا عام ہو گئی۔ وہ گروہوں اور فرقوں میں بٹ گئے اور آپس ہی میں ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگے۔ ان پر ذلت، پستی، مسکنت اور زبوں حالی مسلط کر دی گئی اور یہ انسانیت کے لئے نمونہ عبرت بن گئے۔ ان کی شرمناک پستی کی یہ داستان تاریخ انسانیت کا عبرتناک باب ہے۔

سنن ابوداؤد میں رسول کریم ﷺ کے مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے جو بنی اسرائیل کی اس عبرتناک تاریخ پر روشنی ڈالتی ہے اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی سوسائٹی انسانیت کی بلندیوں سے کس طرح شرمناک پستی کے پاتال میں دھنستی چلی گئی۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر بنی اسرائیل کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''سب سے پہلے بنی اسرائیل میں جس برائی نے جنم لیا وہ یہ تھی کہ ان میں ایک بھلا شخص جب کسی

نہیں مگر جب دوسرے دن اس کی ملاقات ایسے ہی برے شخص سے ہوتی اور وہ اس کو برائی میں ملوث پاتا تو وہ اس کو منع نہیں کرتا تا کہ وہ اس کی ہم نشینی کر سکے، اس کے ساتھ کھا پی سکے اور مصالحت کی شکل رہے۔ جب ان میں یہ صورتحال پیدا ہوئی تو اللہ نے ان کو آپس میں ٹکرا کر تباہ و برباد کر دیا" اور اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی سورۂ مائدہ کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

(سورۂ مائدہ: ۸۱،۷۸)

"بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ وہ سرکش ہو گئے تھے اور زیادتیاں کرنے لگے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو برائیوں کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا۔ بڑا ہی برا طرز عمل تھا جو انہوں نے اختیار کیا۔ آج تم ان میں بکثرت ایسے لوگ دیکھتے ہو جو اہل ایمان کے مقابلے میں کفار کی حمایت و رفاقت کرتے ہیں۔ یقیناً بہت برا انجام ہے جس کی تیاری ان کے نفسوں نے ان کے لیے کی ہے۔ اللہ ان پر غضب ناک ہو گیا ہے، وہ دائمی عذاب میں مبتلا ہونے والے ہیں۔ اگر یہ لوگ فی الواقع اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس چیز کے ماننے والے ہوتے جو پیغمبر پر نازل ہوئی تھی تو ہرگز اہل ایمان کے مقابلے میں کافروں کو اپنا رفیق نہ بناتے مگر ان میں سے تو بہت سے لوگ خدا کی اطاعت سے نکل چکے ہیں۔"

یہ حدیث ایک آئینہ ہے جس میں امت مسلمہ اپنا چہرہ صاف دیکھ سکتی ہے اور اپنی عبرت ناک پستی کا اصل سبب معلوم کر سکتی ہے اور فیصلہ کن انداز میں اس حقیقت کو پا سکتی ہے کہ **امر بالمعروف ونھی عن المنکر** کے فریضے سے غفلت کسی ملت کو پستی کی کن حدوں تک پہنچا دیتی ہے۔

ایک عادتِ بد امت میں یہ بھی رواج پا رہی ہے کہ وہ اپنا ماتم کرنے میں بھی بڑی مشاق ہو گئی ہے اور اپنی زبوں حالی کی داستان سرائی میں زور زبان اور زور قلم مقابلے کی حد تک دکھانے لگی ہے۔

خدارا! ماتم نہ کیجیے بلکہ اٹھیے اور تعمیر ملت کی فکر میں سرگرم ہو جایئے۔ **نھی عن المنکر** کی جرأت پیدا کیجیے اور اپنا منصبی فریضہ جس پر اللہ نے خیر امت کو فائز کیا ہے یعنی **امر بالمعروف** اور **نھی عن المنکر** اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کیجیے۔

۱۰۴ کل کی فکر

جو شخص ''آج'' موجود ہے اور اگر وہ زندہ رہا تو ''کل'' اس پر ضرور طلوع ہوگا۔ یہ زندگی اس ''آج اور کل'' کی آمد و رفت ہی سے عبارت ہے۔ ہر ''آج'' کے لیے ''کل'' ناگزیر ہے جب تک یہ زمین و آسمان قائم ہیں۔ دنیا کا ہر انسان اس حقیقت سے واقف بھی ہے اور اس کو تسلیم بھی کرتا ہے بلکہ بالعموم وہ اپنے کل کی فکر بھی کرتا ہے اور یہ کل کی فکر مطلوب اور پسندیدہ بھی ہے مگر قرآن و سنت اور اسلامی لٹریچر میں یہ دو لفظ ''آج'' اور ''کل'' کی اصطلاح کے طور پر بہت ہی فکر انگیز مفہوم میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ آج سے مراد ہوتی ہے موجودہ زندگی اور کل سے مراد ہوتی ہے آخرت اور یہ ایک یقینی حقیقت ہے کہ جس کو یہ ''آج'' نصیب ہوا ہے اس کو یہ کل بھی ضرور نصیب ہوگا۔ اس زندگی کی مہلت جتنی بھی ہو یہ آج ہے اور یہ مہلت ختم ہوتے ہی جو ساعت شروع ہونے والی ہے وہ کل ہے مگر اس کل کو نمودار ہونے کے لیے سورج کے طلوع سے کوئی غرض نہیں ہے۔ یہ کسی وقت بھی شروع ہو سکتا ہے۔ سورج کے طلوع سے شروع ہونے والے کل کا وقت معلوم و متعین ہے لیکن موجود زندگی کا جو کل ہے اس کے آغاز کا وقت کسی کو نہیں معلوم۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مصلحت کے تحت اسے مخفی رکھا ہے۔ آج کی یہ مہلت کسی شخص کے لیے کتنی ہے، اس کی خبر اللہ علام الغیوب کو ہے۔ یہ مہلت چند دن کی بھی ہو سکتی ہے، چند مہینوں کی بھی اور چند سالوں کی بھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ چند لحوں کی ہو بلکہ یہ بھی عین ممکن ہے کہ اگلے ہی لمحے کسی کا کل شروع ہو جائے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ایک شخص سویا اور پھر اسے اٹھنا نصیب نہ ہوا، باتیں کرتے کرتے ہارٹ فیل ہو گیا، اچھا خاصا کام کر رہا ہے اور نبض بند ہو گئی۔ در اصل اللہ تعالیٰ نے اس ''کل'' کے آغاز کو مخفی رکھ کر انسان کو زبردست آزمائش میں رکھا ہے۔

اس دنیا کا سب سے بڑا نادان، سب سے بڑا نامراد، سب سے بڑا محروم وہ ہے جو اس کل کی فکر سے غافل ہے۔ کل کی فکر سے غفلت اس حقیقت کی علامت ہے کہ انسان کا ایمان مردہ ہو چکا ہے یا کم از کم اس پر سکرات کا عالم طاری ہے۔ جسے اپنا ایمان عزیز ہے وہ خدا کی پکڑ سے ڈرے اور کل کی فکر میں لگ جائے۔ یہ ''آج'' جس میں وہ پھنسا ہوا ہے اور جس کے لیے شب و روز فکر کر رہا ہے، عارضی اور فانی ہے اور وہ کل...... جس سے غفلت برت رہا ہے وہ دائمی اور لازوال ہے۔ اس سے بڑی نادانی اور محرومی کیا ہوگی کہ آدمی عارضی اور فانی کے لیے تو اپنی صلاحیتیں اور توانائیاں کھپا تا رہے اور اس کل

سے غافل رہے جو ابدی اور لازوال ہے۔ اس کل کے بعد کوئی کل نہیں ہے۔ یہ کل جب ایک بار آج بن جائے گا، تو ہمیشہ آج ہی آج رہے گا، اس آج کا پھر کوئی کل ہرگز نہ آئے گا۔ اس آج کو پھر فنا نہ ہوگی یہ دائمی اور ابدی آج ہوگا۔

اس شخص کی ناکامی اور خسران کا اندازہ کیجیے جس نے اس کل کے لیے کوئی فکر نہ کی ہو۔ زندگی ختم ہوتے ہی جب کل شروع ہو تو اسے معلوم ہو کہ وہ بالکل ہی خالی ہاتھ ہے، یہاں اس کے لیے نہ کوئی سایہ ہے اور نہ سر چھپانے کی جگہ، نہ کوئی پرسان حال ہے اور نہ زندگی گزارنے کا کوئی سامان، وہ حسرت سے دونوں ہاتھ مل رہا ہو اور فریاد کر رہا ہو کہ کاش میں نے یہاں کے لیے بھی کچھ بھیجا ہوتا۔ میں نے تو اپنی تمام تر توانائیاں، صلاحیتیں، محنتیں اور کوششیں دنیا کی زندگی بنانے کے لئے کھپادیں اور اس دائمی حیات کے لیے کچھ بھی فکر نہ کی، کچھ بھی نہ جمع کیا۔ کیسی عبرتناک نادانی ہے کہ آدمی فانی اور حقیر کے لیے تو اپنا سب کچھ کھپادے اور آخرت کی لازوال اور بیش بہا زندگی کو تباہ و برباد کرے۔

دانائی اور بصیرت یہ ہے کہ آج کی زندگی میں آدمی ہر کام اور ہر مرحلے پر، ہر مقام اور ہر موڑ پر صبح وشام برابر اپنا احتساب کرتا رہے اور کسی وقت بھی اس جائزے سے غافل نہ رہے کہ وہ کل کے لیے کیا آگے بھیج رہا ہے۔ یہ کل یقینی ہے، اتنا یقینی جتنا یہ موجود آج یقینی ہے۔ آخرت کی زندگی ایک حقیقت ہے جیسی کہ آج کی موجودہ زندگی ایک حقیقت ہے۔ کامیاب اور دانشمند وہی ہے جو اس یقینی کل کے لیے فکر مند ہے، جو ہر لمحہ اس فکر کے ساتھ گزار رہا ہے کہ اس نے کل کے لیے کیا کمایا، کل کے لیے کیا جمع کر رہا ہے اور کیا آگے بھیج رہا ہے۔ دانائی یہ ہے کہ آدمی برابر یہ جائزہ لیتا رہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے، جو کچھ کہہ رہا ہے جو کچھ سوچ رہا ہے، جو کچھ دے رہا ہے، جو کچھ لے رہا ہے، صبح وشام جو تگ ودو کر رہا ہے یہ سب آخرت کی زندگی کے لیے منـ ہے یا نقصان دہ؟ وہ کون سی بات اور کون سا عمل ہے جو آخرت کے لیے زادِ راہ ہے اور وہاں کام آئے گا اور وہ کون سا عمل اور کون سی بات ہے جو آخرت کے لیے نقصان دہ اور آخرت کو تباہ کرنے والی ہے؟ یہ ساری چیزیں نہایت تفصیل کے ساتھ قرآن و حدیث اور اسلامی لٹریچر میں موجود ہیں لیکن ان تفصیلات کو جاننے کی بے چینی اور تلاش ومعلومات کی تڑپ اس شخص کو تو ہوگی جس کو کل کی فکر ہو اور جو اپنے شب و روز اس فکر کے ساتھ گزار رہا ہو کہ وہ کل کے لیے کیا کما رہا ہے؟ آخرت کی فکر سے بے پروا انسان کو تفصیلات جاننے کی کیا ضرورت؟

یہ زندگی بہر حال ایک دن ختم ہونی ہے، ایک دن یہ کھلی آنکھیں ضرور بند ہوں گی اور بند ہوتے ہی کل کی زندگی نظروں کے سامنے ہوگی یہ حقیقت اتنی ہی یقینی ہے جتنا خود ہمارا وجود ہے۔ ہر شخص اپنے بارے میں خوب جانتا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے، کیا سوچ رہا ہے، کیا منصوبے بنا رہا ہے، تگ و دو کا ہدف کیا

ہے اور کن تمناؤں اور آرزوؤں کے ساتھ زندگی گزار رہا ہے۔ وہ سنجیدگی سے سوچے، اگر اس کی زندگی آخرت کی فکر سے غفلت میں گزر رہی ہے تو اوّلین فرصت میں اپنے ایمان کی خبر لے ایمان سب سے بڑی دولت ہے اور آخرت سے غفلت کے معنی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہیں کہ آپ اپنی عاقبت تاریک کر رہے ہیں۔

زندگی کی بہتر تعمیر اور اسلام کی مطلوب پاکیزہ زندگی گزارنے کی آرزو میں اگر آپ واقعی صادق اور سنجیدہ ہیں اور دونوں جہانوں کی فلاح و کامرانی فی الواقع آپ کو مطلوب و مقصود ہے تو یاد رکھیے کہ سیرت و کردار کی تعمیر اور دونوں جہاں کی فلاح و کامرانی کا بنیادی نکتہ یہی ہے کہ آپ اپنے صبح و شام اور مصروف زندگی کا لمحہ لمحہ اس فکر کے ساتھ گزاریں کہ کل کے لیے آپ کیا کما رہے ہیں اور آنے والے یقینی کل کے لیے آپ کیا آگے بھیج رہے ہیں۔

یہ فکر اگر آپ پر غالب ہے تو آپ یہ جاننے کے لیے بے چینی کے ساتھ کوشش کریں گے کہ آپ کی زندگی کی تعمیر کے لیے کیا مفید ہے اور کیا مضر؟ آپ کیا کریں اور کن کاموں سے رک جائیں؟ آخرت کو تابناک بنانے کے لیے کیا کریں اور کیا نہ کریں؟ کن چیزوں میں اپنا وقت لگائیں اور کن چیزوں سے بچیں؟ وہ کون سی چیزیں ہیں جن سے آپ کی آخرت بن سکتی ہے اور وہ کون سی چیزیں ہیں جو آپ کی آخرت کو تباہ و برباد کرنے والی ہیں اور پھر فیصلہ کن انداز میں فکر آخرت کا تعمیری رویہ اختیار کریں اور دو باتوں کو کسی لمحے بھی ذہن سے اوجھل نہ ہونے دیں۔ ایک یہ کہ خدا ترسی کی زندگی گزاریں۔ جو کچھ کریں خدا کی شدید محبت اور خوف کے تحت کریں۔ دوسرے ہر وقت اس یقین کو تازہ رکھیں کہ آپ کے ہر قول و عمل ادنیٰ سے ادنیٰ حرکت بلکہ دل کے وسوسوں اور جذبات و خیالات سے بھی اللہ تعالیٰ پوری طرح باخبر ہے۔ آپ کی کوئی چیز اس سے مخفی نہیں، سب کچھ اس پر عیاں ہے۔ ایک ایسی علیم و خبیر ہستی کے سامنے کل اپنی زندگی کا حساب دینے کے لیے آپ کھڑے ہوں گے اور آپ کا کیا کرایا سب سامنے ہوگا خواہ آپ نے آسمانوں کی فضاؤں میں کچھ کیا ہو یا سمندر کی تہوں میں۔ سب کچھ وہاں اپنے پورے منظر کے ساتھ موجود ہوگا۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

> ''اے میرے پیارے بیٹے! کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو اور وہ کسی چٹان (کے سینے) میں ہو۔ یا آسمانوں (کی فضاؤں) میں ہو یا زمین (کی تہوں) میں ہو، اللہ اس کو نکال لائے گا وہ بہت باریک بین اور باخبر ہے۔'' (سورہ لقمان:۱۶)

یہ کل یقینی ہے، اس کا آنا ایک واقعی حقیقت ہے، اس کی یاد اور فکر کسی وقت ذہن سے اوجھل نہ ہونے دیجیے اور اس فکر کے ساتھ زندگی کا لمحہ لمحہ گزاریے کہ اس کل کے لیے آپ کیا کر رہے ہیں اور کیا

بھیج رہے ہیں اور آپ رب کی اس ہدایت کو ہر دم وردِ زبان رکھیے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ (سورہ الحشر: ۱۸)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس کل کے لیے کیا سامان کیا ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ یقیناً تمہارے ان اعمال سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔''

۱۰۵ ایمان خطرے میں

آپ ہر خطرہ مول لے سکتے ہیں۔ بڑے سے بڑا نقصان برداشت کر سکتے ہیں لیکن بہ سلامتی ہوش وحواس اس کے لیے ہرگز تیار نہیں ہو سکتے کہ آپ کے ایمان کے لیے کوئی خطرہ لاحق ہو۔ ایمان ہی تو آپ کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ یہ متاعِ عزیز ضائع ہوگئی تو آپ بالکل ہی لٹ گئے۔ آپ کے پاس تو کچھ بھی نہ رہا۔ آپ دانستہ طور پر کوئی ایسی حرکت اور کوتاہی نہیں کریں گے جس سے ایمان جیسی چیز خطرے میں پڑے لیکن اطمینان کی سانس نہ لیجیے۔ ہوسکتا ہے نادانستہ طور پر، لاعلمی اور لاپروائی میں آپ کوئی ایسی کوتاہی کر رہے ہوں جس سے آپ کی یہ متاعِ عزیز خطرے میں ہو اور آپ کو احساس بھی نہ ہو۔

ایک کوتاہی ایسی خطرناک کوتاہی ہے کہ اس سے آدمی کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے اور یہ انتباہ کسی عام آدمی کی جانب سے نہیں ہے، خود دین پہنچانے اور بتانے والے رسول ﷺ کی جانب سے ہے۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر ہوشیار ہو جائیے اور غور کیجیے! کہیں آپ اس کوتاہی اور جرم میں تو مبتلا نہیں ہیں۔ خدانخواستہ اگر ہوں تو کسی حیل وحجت اور تاویل کے بغیر فوراً اس کی تلافی کی فکر میں لگ جائیے اس لئے کہ ناپائیدار زندگی کا کوئی بھروسا نہیں کب ختم ہو جائے اور اللہ نہ کرے ایمان کا یہ خطرہ واقعی خطرہ بن جائے۔ اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اللہ نے اپنے بندوں پر چار بنیادی عبادتیں فرض کی ہیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج...... اور یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ کسی بندے کو یہ حق اور اختیار نہیں ہے کہ وہ ان میں سے کوئی دو یا تین عبادتیں اپنے ذوق اور مرضی سے منتخب کر لے۔ اگر کوئی نادان صرف ایک عبادت کو ترک کر کے تین عبادتیں ادا کرتا رہا تو اللہ کے رسول ﷺ کی وضاحت اور تنبیہ یہ ہے کہ یہ تینوں عبادتیں قطعاً اس کے کام میں نہ آئیں گی۔ اللہ کے یہاں صرف اسی بندے کی عبادتیں قبول کی جائیں گی جو اللہ کی فرض کردہ چاروں عبادتیں اللہ کے حکم کے مطابق ادا کرے گا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اَرْبَعٌ فَرَضَهُنَّ فِي الْإِسْلَامِ فَمَنْ اَتٰى بِثَلَاثٍ لَمْ يُغْنِيْنَ عَنْهُ شَيْئًا حَتّٰى يَاْتِيَ بِهِنَّ جَمِيْعًا الصَّلٰوةَ وَالزَّكٰوةَ وَصِيَامَ رَمَضَانَ وَحَجَّ الْبَيْتِ

(مسند احمد)

"چار عبادتیں ہیں جو اسلام میں اللہ نے فرض کی ہیں۔ جو شخص ان میں سے تین بجالائے اور چوتھی چھوڑ دے تو وہ تینوں اس کے کام نہ آئیں گی جب تک وہ چاروں ادا نہ کرے۔ وہ چار عبادتیں یہ ہیں، نماز، زکوٰۃ، رمضان کا روزہ اور حج۔"

آج کے دور میں مسلمان بے شک اپنے فرائض میں کوتاہ ہیں لیکن پھر بھی نماز، روزہ اور زکوٰۃ ادا کرنے کا خاصا اہتمام کرتے ہیں۔ البتہ حج ادا کرنے کی طرف زبردست غفلت ہے۔ بہت سے غافل مسلمان حج کو جانے کی استطاعت رکھتے ہیں، خوش حال ہیں، صحت مند ہیں، کوئی معذوری و مجبوری بھی نہیں ہے اور پھر بھی وہ حج کو نہیں جاتے اور انہیں احساس ہی نہیں ہے کہ وہ کس قدر عظیم اور بھیانک جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ وہ ایک ایسے بھیانک جرم میں مبتلا ہیں جس سے ایمان خطرے میں ہے۔ اللہ نے ایسے لوگوں سے اپنی بے نیازی اور بے تعلقی کا اعلان کیا ہے اور جس سے اللہ اپنی بے نیازی اور بے تعلقی کا اعلان کرے اس کا دنیا اور آخرت میں کہیں ٹھکانہ نہیں۔ اِلّا یہ کہ وہ اپنے جرم کی تلافی کر کے اپنے کو اللہ کی نظر عنایت کا مستحق بنالے۔ اللہ کی تنبیہ کے الفاظ یہ ہیں:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (سورۃ آل عمران ۳:۹۷)

"انسانوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو وہ جان لے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔"

یعنی جو اس فرض سے انکار کرے اور استطاعت رکھنے کے باوجود بیت اللہ کا حج نہ کرے تو وہ خوب سن لے کہ اللہ سارے جہان والوں سے بے نیاز ہے۔ اللہ کسی کا محتاج نہیں ہے، بندہ ہی اس کا محتاج ہے اور اگر یہ محتاج بندہ اس کی فرض کی ہوئی عبادت سے غفلت اور بے نیازی برتتا ہے تو اللہ کو اس کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ اللہ کے یہاں سے وہ راندۂ درگاہ ہے۔ اللہ اس سے بالکل بے نیاز ہے اور غافل اس کی نظر عنایت سے محروم ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اور زیادہ واضح لفظوں میں ایسے غافل نادانوں کو دھمکی دی ہے اور صاف صاف متنبہ کیا ہے کہ جو لوگ استطاعت رکھنے کے باوجود حج کرنے کے لیے نہیں جاتے ان کا ایمان

خطرے میں ہے۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ مَنْ لَّمْ تَحْبِسْهُ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ وَلَمْ یَحُجَّ فَلْیَمُتْ اِنْ شَاءَ یَهُوْدِیًّا اَوْ نَصْرَانِیًّا۔ (ترغیب وترہیب)

''حضرت ابوامامہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو واقعی کوئی محتاجی نہیں ہے، حج سے روک دینے والی بیماری بھی نہیں ہے، کسی ظالم اقتدار کی طرف سے بھی رکاوٹ نہیں ہے پھر بھی اس نے حج نہ کیا تو وہ چاہے یہودی ہو کر مرے چاہے نصرانی۔''

دل دہلا دینے والی تنبیہ سے بھی جس کی آنکھیں نہ کھلیں اور وہ اس فکر میں نہ لگ جائے کہ اس کا خاتمہ اسلام پر ہو تو واقعی اس کا ایمان خطرے میں ہے۔ جسے زادراہ بھی حاصل ہے، صحت بھی میسر ہے، کوئی ظاہری رکاوٹ بھی نہیں ہے اور پھر بھی وہ اللہ کی فرض کی ہوئی عبادت میں کوتاہی برت رہا ہے یا موقع میسر آنے کے باوجود ٹال مٹول کر رہا ہے، صاف صاف اللہ کے رسول ﷺ نے بتا دیا ہے کہ وہ چاہے نصرانی ہو کر مرے چاہے یہودی ہو کر مرے۔ مسلمان ہو کر مرنے کی اگر اسے آرزو ہے تو وہ فوراً اس عظیم فرض کو ادا کرنے کیلیے تیار ہو جائے اور ناپائیدار زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرے...... کسی کو معلوم نہیں کہ اس کا اگلا پل اس زندگی کا ہے یا موت کے بعد کی زندگی کا۔ جب معاملہ اس قدر نازک ہے تو ایک ایسا مومن جسے اپنا انجام عزیز ہو ایسے جرم میں ہرگز مبتلا نہیں رہ سکتا جس سے اس کا ایمان خطرے میں ہو۔

(۱۰۶) حاسد کی شرانگیزی سے بچنے کی تدابیر

حسد، ایک بدترین اخلاقی برائی ہے۔ ہر دور میں اور ہر سوسائٹی میں اس تباہ کن برائی کے مریض پائے جاتے رہے ہیں۔ حسد کا مطلب یہ ہے کہ ایک مرد یا عورت دوسرے مرد یا عورت کو اچھی حالت میں دیکھے کہ میرے ہی طبقے سے تعلق رکھنے والا یہ شخص، مال و دولت، نعمت و ثروت، اثر و رسوخ اور شہرت وعزت سے نوازا گیا ہے اور اس سے جلنے لگتا ہے۔ اس کی خواہش اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ محسود سے یہ نعمتیں چھن جائیں اور مجھے مل جائیں اور اگر مجھے نہ ملیں تو کم از کم اس شخص سے ضرور چھن جائیں۔ اس طرح کے جذبات اگر کوئی شخص مرد یا عورت دل میں پال رہا ہے تو بلاشبہ یہ بہت برے جذبات ہیں اور یہ جذبات پالنے والا یقیناً زبردست کڑھن اور ضیق میں وقت گزار رہا ہے اور اپنی شخصیت اور عاقبت کو تباہ کر رہا ہے لیکن جس سے جل رہا ہے وہ بہرحال اس کے شر سے محفوظ ہے ہاں! جب یہ حسد کا مریض

اپنے حسد اور جلن کے ابال کو برداشت نہیں کر پاتا اور حسد کی آگ سے بیتاب ہو کر اپنے محسود کے خلاف اپنے جذبات کا عملاً اظہار کرنے لگتا ہے، طرح طرح کی سازشیں کرتا ہے اور محسود کو اذیتیں دینے، نقصان پہنچانے، اس کی شخصیت کو مجروح کرنے اور سوسائٹی میں اس کو رسوا کرنے کی گھناؤنی اور گھٹیا تدبیریں اور اقدامات کرنے لگتا ہے تو اس کے نتائج اور اثرات محسود کے حق میں اور خود سوسائٹی کے حق میں تباہ کن، لرزہ خیز اور عبرتناک ہوتے ہیں۔ اس صورتحال میں اللہ تعالیٰ نے بندے کو یہ دعا سکھائی۔ اللہ کی پناہ چاہو، حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے۔ فرمایا:

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ۝ (سورۃ الفلق ۱۱۳:۵)

''اور میں پناہ مانگتا ہوں، حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے۔''

قرآن پاک کے یہ الفاظ بلاغت و اعجاز کا شاہکار ہیں، یہ نہیں کہا گیا کہ حاسد کے شر سے پناہ مانگو بلکہ کہا گیا پناہ مانگو حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے۔ یعنی جب حاسد اپنی جلن نکالنے کیلئے محسود کے خلاف سازشی اقدامات کرنے لگے۔

حاسد اگر حسد کے جذبات میں جل رہا ہے اور محسود کو اچھی کیفیت میں دیکھ کر پیچ و تاب کھا رہا ہے تو بجائے خود یہ کیفیت بھی انتہائی تباہ کن اور قابل مذمت ہے لیکن محسود کے لیے یہ وہ شر نہیں ہے جس سے پناہ مانگی جائے۔ یہ شر پناہ مانگنے کے لائق اس وقت ہوتا ہے جب حاسد اپنی جلن سے بے تاب اور مشتعل ہو کر محسود کے خلاف اقدامات کرنے لگتا ہے، اس کو نقصان پہنچانے اور اذیت دینے کے لئے سازشیں کرنے لگتا ہے، درندگی اور ظلم و زیادتی کے مظاہرے کرنے لگتا ہے اور اس سطح پر آجاتا ہے کہ حسد کی آگ میں وہ جو بھی کر گزرے کم ہے۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم دی کہ اس تباہ کن مصیبت سے محفوظ رہنے کے لیے اللہ کی پناہ چاہو، اللہ کی پناہ ہی میں انسان بچ سکتا ہے ورنہ یہ اخلاقی مرض اس قدر سنگین، پرزور اور اشتعال انگیز ہوتا ہے کہ ایک حاسد وہ بدتر سے بدتر اور لرزہ خیز اقدام کر سکتا ہے جس کا شرافت، انسانیت اور دین و ایمان سے دور کا بھی واسطہ نہ ہو۔

ایک حاسد شخص خواہ وہ مرد ہو یا عورت، دشمنی تو دوسرے سے کرتا ہے اور اس کو رسوائی اور اذیت میں مبتلا کرنے کے درپے ہوتا ہے مگر حقیقت میں وہ سب سے بڑا دشمن اپنی ذات کا ہوتا ہے۔

وہ مستقل اذیت، اشتعال اور جذبۂ انتقام میں پیچ و تاب کھاتا رہتا ہے اور اس کے شب و روز انتہائی کڑھن اور ضیق میں گزرتے ہیں، ہمہ وقت حسد کی آگ اور جلن میں جھلستا رہتا ہے، ذہن و قلب مستقل طور پر خلجان اور اضطراب میں مبتلا رہتے ہیں، صحت بھی برباد ہوتی ہے، ایمان بھی مجروح ہوتا ہے اور نتیجۃً اس کی شخصیت بے وزن و بے وقعت ہو کر رہ جاتی ہے۔

حسد کا سب سے بڑا نقصان جس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں وہ یہ ہے کہ حاسد انسان

اپنے اللہ سے بدگمان ہو جاتا ہے، اس کی سوچ غلط رخ پر کام کرنے لگتی ہے اور اس کے قول وعمل اور شب و روز کی سرگرمیوں سے خدا کے بارے میں بدگمانی اور ناانصافی کا اظہار ہونے لگتا ہے، وہ اپنے محسود کو دیکھ کر اپنے قول وعمل سے یہ اظہار کرتا ہے کہ خدا نے کیسی ناانصافی کی ہے، اپنی نوازشوں کے لیے کس قدر غلط انتخاب کیا ہے۔ ان نعمتوں اور نوازشوں کا مستحق میں تھا اور خدا نے فلاں شخص کو نواز دیا جو قطعاً خدا کی ان نعمتوں کا مستحق نہیں تھا اور اگر بالفرض میں مستحق نہیں بھی ہوں تو کم از کم وہ شخص تو ہرگز مستحق نہیں ہے جس کو خدا نے نواز کر مجھ پر فضیلت بخشی ہے۔ خدا کے بارے میں اس شخص کے یہ تصورات، خیالات وہ ہیں جو اس کے ایمان پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ اللہ کی صفاتِ حسنہ پر ایسے شخص کا ایمان متزلزل ہو جاتا ہے۔ جو خدائے علیم وحکیم اور خبیر و عادل کے بارے میں وہ باتیں سوچنے لگے جو ایک انسان کسی شریف انسان کے بارے میں بھی نہیں سوچ سکتا بھلا اس کا ایمان کیسے محفوظ رہ سکتا ہے۔ حاسد دراصل خود کو اللہ رب العالمین کے مقابلے میں لاکھڑا کر دیتا ہے اور اللہ کے بارے میں وہ بدترین رویہ اپناتا ہے جو دنیا کے سب سے پہلے حاسد نے اپنایا تھا اور اللہ رب العالمین نے اس کو اپنے دربار سے مردود بنا کر دھتکار دیا تھا۔ حاسدوں کے اس اولین پیشوا نے خدا کے حکم سے سرتابی کرتے ہوئے کہا تھا، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا، آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر مجھے یہ حکم دے رہا ہے کہ میں اس کو سجدہ بجالاؤں، فضیلت کا مستحق تو میں ہوں اور (نعوذ باللہ) تو یہ غلط فیصلہ کر رہا ہے کہ فضیلت کا مستحق آدم علیہ السلام ہے۔ آخر میں اس ناانصافی اور زیادتی کو کیسے برداشت کرلوں؟ بعینہٖ یہی روش حاسد کا پیرو ہر حاسد اپناتا ہے۔ وہ بھی خدا سے یہی شکایت کرتا ہے کہ نوازے جانے کا مستحق میں تھا اور تو نے دوسرے کو نواز کر مجھ پر فضیلت دی؟

دراصل خدا کے فیصلے کے آگے سر تسلیم خم نہ کرنا، اس پر ناراض رہنا اور خدا کے علم وحکمت اور انتخاب و فیصلے کو چیلنج کرنا، ابلیسی کردار و مزاج ہے۔ ہر حاسد دانستہ یا نادانستہ اسی کردار و مزاج کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ایمان کے جوہر سے محرومی اور ابلیس لعین کے کردار و مزاج میں ڈھل جانا ایک انسان کا وہ بدترین حال وانجام ہے جس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

حسد کا ایک بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ ایسا شخص تعمیری ذہن اور صلاح وفلاح کی سعی وکاوش سے محروم ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی زندگی کو بنانے، مستقبل کو سنوارنے اور صلاح وسدھار کے کام کرنے کی بجائے ہر وقت اس اضطراب اور بے چینی میں مبتلا رہتا ہے کہ جن کو خدا نے اپنی نعمتوں سے نوازا ہے، ان کی شخصیتوں کو مجروح کرے، ان کو نقصان پہنچائے، ان کی تذلیل کرے اور ان کی اذیت اور تکلیف رسانی کا سامان کرے، حسد کی آگ کسی وقت اس کو سکون سے نہیں بیٹھنے دیتی، وہ اپنے محسود پر ہی نگاہ رکھتا ہے، اندر ہی اندر سلگتا ہے اور پیہم پیچ وتاب کھاتا رہتا ہے۔ اس کا اپنا ذہن بھی انتشار وخلفشار کا

شکار رہتا ہے اور گھر کے لوگ بھی اس کے اثراتِ بد کے نتیجے میں غلط رخ پر سوچنے لگتے ہیں اور زندگی سکون وسلامتی وراحت وعافیت سے محروم ہوجاتی ہے۔ **خسر الدنیا والآخرۃ** کے اس پیکر سے کسی خیر کی توقع نہیں رہتی اس لیے اس کے شر کا دائرہ بہت ہی وسیع ہوجاتا ہے، وہ اپنے محسود کو اذیت اور نقصان پہنچانے، اس کو ذلیل اور رسوا کرنے اور ہلاک و برباد کرنے کے لیے وہ رذیل ترین حرکتیں کرنے پر اتر آتا ہے جن کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی انسان ایسی حرکات بھی کرسکتا ہے۔ ایسے موقع پر اللہ نے قرآن عظیم میں مومن کو یہ تلقین فرمائی کہ وہ حسد کے اقدام پر اتر آنے والے حاسد کے شر سے اللہ رب العالمین کی پناہ چاہے اور اس ایمانی شعور کے ساتھ اللہ کی پناہ کے یہ الفاظ کرے کہ میں جس کی پناہ مانگ رہا ہوں وہ سب پر غالب ہے، اس کی قدرت واقتدار سب پر حاوی ہے، اس شر کا بھی وہی خالق ہے اور کوئی چیز اس کی قدرت اور علم کے دائرے سے باہر نہیں ہے۔

حاسد کے شر سے بچاؤ کے لیے اللہ کی شعوری پناہ مانگنے کے ساتھ ساتھ چند اور تدبیریں بھی ہیں جو اس سلسلے میں معاون وکارگر ہوسکتی ہیں، ان کا بھی ہوسکے تو اہتمام کرے۔ یہ تدبیریں سات ہوسکتی ہیں۔

❶ یہ کہ جس بندے سے حسد کیا جارہا ہے وہ اللہ پر پورا پورا بھروسا رکھے، ہرگز گھبراہٹ کا مظاہرہ نہ کرے، یہ یقین رکھے کہ جب تک اللہ نہ چاہے کوئی بندہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ نفع ونقصان پہنچانے کا اختیار صرف اللہ کو ہے۔ کوئی کچھ بھی کرے اگر اللہ نہ چاہے تو کوئی ذرّہ بھر تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔ اگر اس کی طرف سے راحت اور بھلائی کا فیصلہ ہے تو کوئی طاقت اس فیصلے کو ٹال نہیں سکتی اور اگر اس کی طرف سے ہی کسی تکلیف اور نقصان کا فیصلہ ہے تو کوئی اس سے بچا نہیں سکتا، اگر کوئی طاقت بچا سکتی ہے تو وہ اسی کی طاقت ہے۔ اس کی مرضی کے بغیر یہاں ذرّہ حرکت نہیں کرسکتا۔

❷ یہ کہ محسود خیر خواہی کے سوا کچھ نہ سوچے۔ ہر حال میں بھلائی کا رویہ رکھے اور یہ یقین واطمینان رکھے کہ بہترین انتقام لینے والا اللہ رب العالمین ہی ہے۔ اس کے علم سے نہ کوئی چیز پوشیدہ ہے نہ اس کے احاطۂ قدرت سے کوئی چیز باہر ہے۔ اس کی پکڑ بہت سخت ہے، جب وہ انتقام لینے پر آتا ہے تو اس کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا۔

اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَىْءٍ عِلْمًا

”یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ اس کا علم ہر چیز کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔“

❸ یہ کہ جس سے حسد کیا جارہا ہے وہ حاسد کی ذلیل حرکتوں اور بے ہودہ باتوں سے اشتعال میں نہ آئے۔ انتقامی جذبات سے مغلوب ہوکر ایسی کاروائیاں یا ایسی تدبیریں نہ سوچنے لگے کہ وہ خود حاسد کی سطح پر آنے کی حماقت کرنے لگے۔ ہر حال میں صبر وتحمل سے کام لے، صبر کو اپنی ڈھال بنائے اور یہ

اعتماد ویقین رکھے کہ صبر کا صلہ دینے والا وہ اللہ ہے جو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

❹ یہ کہ جب حاسد اللہ اور بندوں کی شرم سے بے نیاز ہو کر اور اخلاق اور انسانیت سے عاری ہو کر بے ہودہ اور ذلیل حرکتیں کرنے لگے اور کمینہ پن اور رذالت کے مظاہرے کرنے پر اتر آئے اور خوف خدا سے بالکل ہی لاپروا ہو جائے تو محسود اس وقت بھی تقویٰ کی روش پر جما رہے اور تقویٰ کے خلاف ہرگز کچھ نہ کرے، کسی نادان کی غیر متقیانہ اور ظالمانہ روش کے انتقام میں تقویٰ اور خداترسی کی روش کو چھوڑ دینا سب سے بڑا نقصان اور سب سے بڑی شکست ہے۔

❺ یہ کہ وہ اپنے ذہن وقلب کو حاسد کی ذلیل سازشوں اور بے ہودہ حرکتوں سے بے فکر رکھے۔ یوں سمجھے کہ گویا کچھ ہے ہی نہیں۔ حاسد کی باتوں پر ہرگز دھیان نہ دے، حاسد اور اس کی تکلیف دہ حرکتوں اور بے ہودگیوں کو مستقل طور پر اور مسلسل نظر انداز کرے۔ حاسد متوجہ کرنے کی ہزار کوششیں کرے مگر محسود قطعاً توجہ نہ دے اور ذہن کو جھٹک کر بالکل بے نیاز رہے گویا کہ کچھ فضا میں ہے ہی نہیں، حاسد کی بدترین سزا یہ ہے کہ اس کا نوٹس ہی نہ لیا جائے۔ ہاں اگر وہ سماج میں ذلیل ورسوا کرنے کی کوشش میں ساری حدود وقیود پھاند جائے تو پھر اس کو مناسب انداز میں یہ وارننگ ضرور دی جائے کہ ہم خدا کی ہدایت اور شرافت کے تحت خاموش ہیں، یہ یاد رکھو کہ شریف انسان کا غصہ انتہائی ہولناک اور فیصلہ کن ہوتا ہے۔ اس وارننگ کا نتیجہ انشاء اللہ یہ ہوگا کہ وہ کھلم کھلا زبان طعن دراز نہ کرے گا، اس کی زبان ضرور خاموش ہو جائے گی اس لئے کہ رذیل انسان ہمیشہ بزدل ہوتا ہے۔ ہاں! اس کے اندر جو آگ لگی ہوئی ہے اس سے مجبور ہو کر وہ پانی آگ بجھانے کی تدبیریں ضرور کرے گا۔

❻ یہ کہ حاسد خواہ کیسی ہی ایذا پہنچائے اور کیسا ہی برا سلوک کرے جواب میں محسود اس کے ساتھ کوئی برا سلوک ہرگز نہ کرے۔ اگر زندگی کے کسی مرحلے میں کوئی ایسا موقع آئے کہ وہ حاسد کے ساتھ کوئی نیک سلوک کرسکتا ہو تو وہ ضرور کرے اور حسنِ سلوک کرتے ہوئے اس بات سے بے نیاز رہے کہ اس حسنِ عمل اور نیک سلوک کے جواب میں حاسد کے دل کی جلن ختم ہوتی ہے یا نہیں اور اس کی روش میں کوئی تبدیلی آتی ہے یا نہیں۔

❼ آخری بات یہ ہے کہ محسود اپنے دل کو حاسد کے خوف سے قطعی پاک رکھے اور یہ یقین رکھے کہ حاسد اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ حاسد کے خوف سے دل کو پاک رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ عقیدۂ توحید کو تفصیل کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کرے، اللہ کی صفات کا استحضار رکھے، ہر حال میں عقیدۂ توحید پر مضبوطی کے ساتھ جما رہے اور کسی سے قطعاً خوف نہ کرے۔ جس دل میں اللہ کی توحید بسی ہوئی ہو اس دل میں اللہ کے خوف کے ساتھ کسی دوسرے کا خوف ہرگز جمع نہیں ہوسکتا۔

شیاطین اور ارواحِ خبیثہ جو ہر وقت انسان کے تعاقب میں ہیں ان کے شر سے بچنے کے لیے اگر

رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق آدمی اپنا معمول بنالے تو وثوق ہے کہ انشاء اللہ وہ ہر شر اور فتنے سے بحکم خدا محفوظ رہے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی ﷺ جب بستر پر تشریف لے جاتے تو دونوں ہاتھ دعا مانگنے کی طرح ملاتے اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کی سورتیں تلاوت فرما کر ہاتھوں پر دم فرماتے اور پھر جہاں تک آپ ﷺ کا ہاتھ مبارک پہنچتا اپنے جسم پر پھیر لیتے، سر، چہرے اور جسم کے اگلے حصے سے شروع فرماتے...... آپ ﷺ یہ عمل تین مرتبہ فرماتے۔

۱۰۷ گنہگار سے نفرت نہیں، اصلاح کی فکر کیجیے

آپ نے سنا کہ ایک شخص گناہوں میں مبتلا ہے یا خود اپنی آنکھوں سے اس کو گناہ میں مبتلا دیکھا تو بے تعلق ہو کر گزر گئے کہ جیسا کرے گا ویسا ہی بھرے گا۔ دل میں نفرت اور بیزاری کی ہلکی سی خلش رہ گئی۔ مگر جلد ہی آپ نے ذہن جھٹک دیا اور اپنے کاموں میں لگ گئے۔ بے شک وہ گنہگار شخص اپنے کیے کی سزا پائے گا اور آپ جن اچھے کاموں میں اللہ کی رضا کے لیے لگے ہوئے ہیں ان کا بھرپور صلہ پائیں گے لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جس شخص کو آپ نے گناہوں کی دلدل میں پھنسا دیکھا ہے اور جس کی طرف سے بیزاری اور حقارت کا جذبہ دل میں محسوس کر رہے ہیں، کیا اس کے ساتھ آپ کا یہ رویہ صحیح ہے کہ دل میں ہلکی سی خلش لے کر اس سے بے تعلق ہو جائیں اور بغیر کسی حق کے یہ فیصلہ کرلیں کہ جو بوئے گا وہ کاٹے گا، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اس معاملے میں آپ کی بھی کچھ اخلاقی، معاشرتی اور دینی ذمہ داری ہو اور اس گناہگار کا آپ پر بھی کچھ حق ہو اور آپ کی یہ روش اللہ کو پسند نہ ہو۔

دین سرتاسر خیر خواہی کا نام ہے۔ اس گناہگار کے ساتھ کیا آپ نے خیر خواہی کی؟ کیا اتنا کافی ہے کہ آپ اس سے بے تعلق رہیں؟ اپنا دامن بچائے رکھیں اور خود کو اس گناہ سے محفوظ رکھ کر یہ اطمینان کرلیں کہ کل خدا کے حضور آپ کہہ دیں گے کہ پروردگار میں نے اس گناہگار سے تعلق نہیں رکھا اور خود کو اس کے شر سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی یا اس سے آگے بھی اس گناہگار کا آپ پر کچھ حق ہے۔ وہ غافل ہے اور آپ باشعور ہیں، وہ آخرت سے بے پروا ہے اور آپ کو آخرت کی فکر ہے، وہ دین سے ناواقف ہے اور آپ دینی علم رکھتے ہیں، اس کو صالح ماحول نہیں مل سکا ہے اور آپ صالح ماحول میں زندگی گزار رہے ہیں۔ کیا آپ پر اس کا یہ حق نہیں ہے کہ آپ اس کو آخرت کی سخت پکڑ سے بچائیں اور گناہ کے بدترین اثرات اور ہولناک انجام سے ڈرائیں۔ کیا آپ کے نزدیک اس کا امکان نہیں ہے کہ وہ آپ کی

نصیحت قبول کر لے اور توبہ کر کے خدا کی طرف لوٹ آئے۔

وہ شخص جس گناہ میں مبتلا ہے اس سے اپنا دامن بچا کر آپ نے سمجھ لیا ہے کہ آپ اس سے محفوظ ہو گئے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اگر آپ اور آپ جیسے شعور رکھنے والے سارے لوگ یہی اندازِ فکر و عمل اپنائیں گے تو گناہ بڑھتے چلے جائیں گے اور پورا معاشرہ اس کی لپیٹ میں آجائے گا۔ آپ بھی اس سے متاثر ہوں گے اور آپ کی نسلیں بھی، گناہ کی قباحت و شناعت دھیرے دھیرے کم ہونے لگے گی۔ گناہوں سے مصالحت اور برداشت کر لینے کی کیفیت بڑھتی چلی جائے گی اور نبی صادق و امین ﷺ کے الفاظ میں آپ گناہ بطور خود نہ کرنے کے باوجود گناہ کرنے والوں میں ہی شامل قرار دیئے جائیں گے۔ بات کسی اور کی ہوتو آپ سنی ان سنی بھی کر دیتے لیکن یہ بات تو ان کی ہے جن کی صداقت پر آپ کا ایمان ہے اور جن کے واسطے سے ہی آپ آخرت میں نجات کا یقین رکھتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

”جس مقام پر لوگ گناہوں میں مبتلا ہوں اور کچھ ایسے لوگ وہاں موجود ہوں جو اس گناہ کو برداشت نہ کر رہے ہوں تو وہ گویا وہاں موجود ہی نہیں ہیں اور جو لوگ ان گناہوں پر مطمئن ہوں اور ان کو برداشت کر رہے ہوں، وہ اگر موقع پر موجود نہ بھی ہوں تو بھی وہ گویا ان لوگوں میں موجود ہیں۔“

حدیث کے اس صاف شفاف آئینے میں اپنے عمل و کردار کا چہرہ دیکھیے اور خود ہی فیصلہ کیجیے کہ آپ جو رویہ اختیار کر رہے ہیں وہ کس حد تک صحیح ہے اور حقیقت میں صحیح رویہ آپ کے لیے کیا ہے؟ صحیح رویہ صرف یہ ہے کہ آپ گناہگاروں کے گناہ پر کڑھیں اور اس کڑھن سے بے چین ہو کر ان بھٹکے ہوئے بندوں کو انجام بد سے ڈرائیں، گناہ کے اثراتِ بد سے بچائیں اور اپنے معاشرے کو گناہوں سے پاک رکھنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

گناہ آپ کی بستی میں ہو رہا ہو یا محلے میں یا آپ کا کوئی پڑوسی اس میں مبتلا ہو، بہر حال آپ کی یہ اخلاقی اور دینی ذمہ داری ہے کہ آپ اسے روکیں اور گناہگار کے خیر خواہ بن کر اس کو گناہ سے بچانے کی فکر کریں اور ہرگز خود کو اس سے بے تعلق رکھ کر یہ نہ سمجھیں کہ آپ کل خدا کے حضور پکڑے نہ جائیں گے۔ آپ کا پڑوسی کل خدا کے حضور حشر کے میدان میں آپ پر خیانت کا الزام لگائے گا اور آپ کے اس رویے پر رب سے فریاد کرے گا۔ امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے:

”یعنی حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز ایک شخص اپنے پڑوسی کا دامن پکڑ کر یہ فریاد کرے گا: اے میرے رب! اس نے میرے ساتھ خیانت کی ہے وہ جواب دے گا: پروردگار! میں تیری عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اس کے اہل وعیال اور مال میں کوئی خیانت نہیں کی ہے۔ فریادی کہے گا پروردگار! یہ بات تو سچ کہتا ہے لیکن اس نے خیانت یہ کی ہے کہ اس نے مجھے گناہ کرتے دیکھا لیکن کبھی مجھے گناہ سے روکنے کی کوشش نہیں کی۔“

اللہ نے آپ کو دین کا شعور اور حلال وحرام کی تمیز دے کر اس ذمے داری کے مقام پر کھڑا کیا ہے کہ آپ رب کی نافرمانی کو برداشت نہ کریں۔ لوگوں کو معصیت اور منکرات سے روکیں اور بھلائیوں کی ترغیب دیں، دلسوزی کے ساتھ، شیریں گفتاری کے ساتھ اور حکمت کے ساتھ اور اس کوشش میں اپنے اثرات بھی استعمال کریں۔ اگر آپ نے اپنی یہ ذمے داری ادا نہ کی تو گویا آپ نے خیانت کی اور آپ کا پڑوسی کل حشر کے میدان میں آپ پر اسی خیانت کا الزام لگائے گا چاہے وہ آپ کے محلے کا پڑوسی ہو یا آپ کی بستی کا۔

ایک پہلو اور بھی قابل غور ہے کہ جب عام لوگ گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور شعور رکھنے والے صرف اپنی ذات اور اپنے گھر کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور مبتلائے گناہ لوگوں سے کوئی سروکار نہیں رکھتے بلکہ اس سوچ سے خود کو بھی مطمئن کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ جیسا کریں گے ویسا بھریں گے اور ان کے گناہوں کو برداشت کرنے لگتے ہیں تو یہ گناہ اور رب کی نافرمانیاں بڑھنے لگتی ہیں اور دھیرے دھیرے سماج اور بستی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں اور اب تو ذرائع ابلاغ کی مدد سے پورے پورے ملک اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو پھر اللہ کی جانب سے عذاب کا فیصلہ ہوتا ہے اور اس سے پہلے کہ ان لوگوں کو موت آئے یہ سب لوگ اللہ کے عذاب میں مبتلا کر دیے جاتے ہیں۔ وہ لوگ بھی جو گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور وہ لوگ بھی جو گناہوں سے خود دور رہتے ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُوْنُ فِيْ قَوْمٍ يَعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِيْ يَقْدِرُوْنَ عَلٰى اَنْ يُغَيِّرُوْا عَلَيْهِ وَلَا يُغَيِّرُوْنَ اِلَّا اَصَابَهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ اَنْ يَمُوْتُوْا

(ابوداؤد)

”جن لوگوں کے درمیان بھی کوئی شخص گناہ کے کام کر رہا ہو اور وہ لوگ اس کو روک سکتے ہوں پھر بھی نہ روکیں تو اس سے پہلے کہ یہ لوگ مریں سب کے سب خدا کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔“

دراصل اللہ نے مومن کا وصف ہی یہ بتایا ہے کہ وہ منکرات کو گوارا نہیں کرتا بلکہ اس کو روکنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ رب سے وفاداری کا تقاضا ہی یہ ہے کہ وہ زمین پر رب کی نافرمانی کو برداشت نہ کرے اور رب کی فرمانبرداری اور بھلائی کے پرچار پر لوگوں کو ہر ممکن ذریعے سے آمادہ کرے، اپنی انفرادی زندگی میں بھی اور اپنی اجتماعی زندگی میں بھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دورِ سعادت اس کی بہترین اور قابلِ تقلید مثال ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو قرآن پاک میں قطعی طور پر خیر امت کے لقب سے یاد کیے گئے ہیں اسی بنیاد پر ان کو اس لقب سے نوازا گیا کہ وہ **امر بالمعروف و نهى عن المنكر** کا

فریضہ انجام دیتے تھے اور اللہ پر کامل ایمان رکھتے تھے۔

انفرادی طور پر بھی صحابہ **امر بالمعروف** اور **نهی عن المنکر** کے فریضے سے کبھی غافل نہیں ہوئے، ہر موقع پر نیکی اور اصلاح کے حریص رہتے تھے اور اس معاملے میں اپنا فرض اور دوسروں کا حق ادا کرنے کے لیے ہمہ دم مستعد رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کوششوں کو بار آور بھی کیا اور انھوں نے اپنی مخلصانہ کوششوں کے نتائج سے اپنی آنکھیں بھی ٹھنڈی کیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس شام کا رہنے والا ایک شخص اکثر آیا جایا کرتا تھا۔ پھر ایسا ہوا کہ بہت دن گزر گئے اور وہ نہیں آیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی یاد آئی لوگوں سے اس کے بارے میں معلومات کیں تو معلوم ہوا کہ وہ کچھ برے کاموں میں پڑ گیا ہے۔ پینا پلانا شروع کر دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے کاتب کو بلایا اور اس کو ایک خط لکھوایا:

> ''یہ خط ہے عمر بن الخطاب کی طرف سے...... فلاں ابن فلاں ابن فلاں شامی کے نام
> تمہارے اس اللہ کی حمد و تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو گناہوں کو بخشنے والا، توبہ قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا اور زبردست احسان کرنے والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، سب کو اسی کی طرف پلٹنا ہے۔''

یہ خط لکھوا کر امیر المؤمنین نے اس شامی شخص کی طرف روانہ فرمایا اور اپنے پاس کے ساتھیوں سے کہا کہ تم سب لوگ اس شخص کے لیے رب سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو پھیر دے اور اس کی توبہ قبول فرمالے۔

ادھر اس شامی خطا کار کو جب امیر المومنین کا خط ملا تو اس نے صرف ایک بار نہیں بلکہ بار بار اس کو پڑھا اور یہ کہنا شروع کیا کہ میرے رب نے مجھے اپنی پکڑ اور اپنے عذاب سے ڈرایا بھی ہے اور اپنی رحمت کی امید دلا کر مجھ سے گناہوں کی بخشش کا وعدہ بھی کیا ہے۔ یہ خط اس نے کئی بار پڑھا، رویا اور اللہ سے توبہ کی اور ایسی سچی توبہ کی کہ اللہ نے اس کی زندگی بدل دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس واقعے کی اطلاع ملی تو آپ انتہائی خوش ہوئے اور لوگوں سے کہا کہ جب تم اپنے کسی مسلمان بھائی کو دیکھو کہ وہ بھٹک گیا ہے تو اس کو چھوڑ نہ دو بلکہ اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو۔

نیک اعمال میں توبہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے اور آپ کے ذریعے کسی کو اگر توبہ کی توفیق مل جائے تو یہ آپ کی سب سے بڑی سعادت اور اللہ کی نظر میں سب سے بڑی نیکی ہے۔

۱۰۹ آپ کے احباب آپ کا تعارف ہیں

ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کے دوست یا ساتھی نہ ہوں اور یہ حقیقت میں محروم لوگ ہیں۔ عام

طور پر ہر شخص کے کچھ ساتھی، رفیق یا دوست ہوتے ہیں جو اس کے دکھ سکھ کے شریک، رنج و راحت میں ساتھ دینے والے اور زندگی کے مختلف موقعوں پر حامی اور مختلف معاملات میں شریک ومعاون ہوتے ہیں۔

یقیناً آپ کے بھی کچھ دوست، ساتھی اور رفیق ہوں گے، مگر یہ بہت سادہ سا معاملہ نہیں ہے کہ آپ سرسری سی نظر ڈال کر اور سر جھٹک کر یہ کہہ کر آگے بڑھ جائیں کہ جی ہاں! میرے بھی کچھ دوست اور ساتھی ہیں۔

آپ کو یہ معلوم ہے کہ سوسائٹی میں آپ کا مقام وہی ہے جو آپ کے دوستوں کا ہے۔ دین وملت کے تعلق سے آپ کا مرتبہ وہی ہے جو آپ کے دوستوں کا ہے۔ دین واخلاق اور معاشرت کے اعتبار سے آپ کی پوزیشن وہی ہے جو آپ کے رفیقوں اور دوستوں کی ہے۔

آپ جائزہ لیجیے کہ جن کے درمیان آپ اٹھتے بیٹھتے ہیں جن سے ملتے جلتے ہیں، شب و روز کی زندگی میں جو آپ کے ساتھ رہتے ہیں، آپ کے ساتھ مل جل کر کسی مقصد کے لئے کوشش کرتے ہیں، آپ ان کے کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں، وہ آپ کے کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں اور دنیا کی بھی اس پر نظر ہے کہ آپ کے دوست اور رفیق ہیں۔ آپ کے یہ رفیق کس قسم کے لوگ ہیں؟ دین وملت کے تعلق سے سماج میں ان کا کیا مقام ہے؟ امانت و دیانت کے لحاظ سے ان کی کیا حیثیت ہے؟ سوسائٹی میں بے اعتمادی کے لحاظ سے ان کا کیا مرتبہ ہے؟ سوجھ بوجھ اور بے سمجھی کے لحاظ سے ان کے بارے میں لوگوں کے کیا خیالات ہیں؟ دینی علوم اور عمل کے بارے میں، ان کے بارے میں لوگ کیا رائے رکھتے ہیں؟ فرائض کے احساس اور اخلاص وللّٰہیت کے لحاظ سے ان کے بارے میں ان سے متعلق لوگوں کے خیالات وتاثرات کیا ہیں؟ اس حقیقت کو تسلیم لیجیے۔ آپ کا جی چاہے یا نہ چاہے، مانیے کہ آپ وہی کچھ ہیں جو آپ کے دوست ہیں۔ یہ لوگ اس لیے آپ کے قریب ہوئے ہیں یا آپ ان کے قریب ہوئے ہیں کہ آپ کے خیالات میں یکسانیت ہے، فکر میں ہم آہنگی ہے، آرزوؤں اور تمناؤں میں موافقت ہے، طریقہ عمل کے انتخاب میں یگانگت ہے اور باہمی ہم مزاجی نے آپ کو شیر وشکر بنادیا ہے، پرانے عربی ادب سے ایک مشہور مقولہ منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔

لَا تَسْئَلْ عَنِ الْمَرْءِ بَلْ سَلْ عَنْ قَرِيْنِهٖ

''آدمی کے بارے میں نہ پوچھو بلکہ اس کے ساتھی کے بارے میں پوچھو۔''

حقیقت یہی ہے کہ آدمی کا اصل تعارف اسکے ساتھیوں ہی سے ہوتا ہے۔ آپ کے بارے میں آپ کے سماج کے لوگ آپ کے دوستوں کو دیکھ کر ہی رائے قائم کریں گے اور جو رائے قائم کریں گے بڑی حد تک اسمیں حق بجانب ہوں گے۔ آپ نے اپنی رفاقت، دوستی اور شب و روز میں ساتھی کے لیے

جس کا انتخاب کیا ہے اور جس سے وفاداری اور ایثار کے آپ خواہاں ہیں اور خود بھی اس کے لیے وفادار ہیں اور ایثار کرتے ہیں، یہ انتخاب آپ کے مزاج کی ہم آہنگی، آرزوؤں کی موافقت، زندگی کی قدروں میں یکساں سوچ اور مقاصد کے اشتراک ہی کی وجہ سے کیا ہے۔

یا پھر آپ انتہائی عیار، مطلب پرست اور استحصال کی اعلیٰ صلاحیت رکھنے والے انسان ہیں بلکہ آپ نے مختلف اغراض و مقاصد رکھنے والے لوگوں کو اپنے اردگرد اپنی غرض کے لیے جمع کر رکھا ہے، انہیں اپنی دلچسپیوں میں لگا رکھا ہے، اپنی اغراض ان سے پوری کر رہے ہیں اور وہ بھی اپنی غرض کے تحت شب و روز جان و دل سے آپ کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ دنیا کی نظر میں بھی وہ آپ کے ساتھی ہیں، آپ بھی اسی حیثیت سے ان کا اور اپنا تعارف کراتے ہیں لیکن یاد رکھیے! بہت جلد اغراض کا ٹکراؤ آپ کو ان سے یا ان کو آپ سے جدا کر دے گا۔ آپ کے مستقل ساتھی، وفادار وہی ہیں اور وہی ہو سکتے ہیں جو آپ کی پہچان ہوں، جو فکر و خیالات کے اعتبار سے آپ کے ساتھ موافقت رکھتے ہوں، اپنی پسند و ناپسند کے معیارات کے اعتبار سے جن کی آرزوؤں اور تمناؤں کی منزل وہی ہو جو آپ کی ہو۔ اس لیے اس معاملے میں سطحی فکر سے کام نہ لیجیے بلکہ کسی کو اپنا دوست بنانے سے پہلے حالات پر اچھی طرح غور و فکر کر لیجیے۔

انسانیت کے سب سے بڑے نباض حضرت محمد ﷺ نے اپنے ایک مزاج شناس ساتھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کیا قیمتی بات کہی:

اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ

''انسان اپنے دوست اور رفیق کے دین پر ہوتا ہے، پس تم میں سے ہر شخص کو غور و فکر کر لینا چاہیے کہ وہ کس کو دوست بنا رہا ہے۔''

یہاں دین سے مراد زندگی گزارنے کا طریقۂ عمل ہے اور ظاہر ہے کہ عملی اعتبار سے آدمی جو راہ اپنے لیے پسند کرتا ہے اس میں اصل محرک اس کے معتقدات ہوتے ہیں۔ اس لیے اپنے دوستوں کے بنیادی خیالات و نظریات، خدا اور آخرت کے بارے میں ان کے معتقدات اور دین کی قدر و قیمت کے بارے میں ان کے عام رجحانات و پسند کو ضرور پیش نظر رکھیے اس لیے کہ ایک اچھا دوست آپ کے لیے آخرت کا توشہ بھی بن سکتا ہے اور ایک برا دوست آپ کے لیے آخرت کا عذاب بھی...... اور رشتوں کے قیام کے سلسلے میں بھی لازماً اس بات کو پیش نظر رکھیں۔

(۱۰۹) موجودہ مساجد کے ناموں پر غور کیجیے اور صحابہ کے ناموں سے بدلنے کی کوشش کیجیے

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔کئی دنوں سے طبیعت میں یہ تقاضا پیدا ہو رہا تھا کہ مساجد کے موجودہ ناموں پر غور کرنا چاہیے۔دُنیا بھر کے ملکوں میں سفر ہوا۔جس مسجد میں جاتا سب سے پہلے مسجد کا نام دیکھتا،کسی جگہ مسجد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ،کہیں مسجد عمر فاروق رضی اللہ عنہ،کہیں مسجدِ مقداد رضی اللہ عنہ،کہیں مسجد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہیں مسجد دار السلام،کہیں مسجد ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ وغیرہ اور ہمارے ملک کا سفر ہوا اور خاص طور سے ہمارے شہر ممبئی کی مساجد کے ناموں کو دیکھتا ہوں تو کہیں چونا بھٹی مسجد،کہیں کھوکھا بازار مسجد،کہیں مرغی محلہ مسجد،کہیں لال چمنی مسجد،کہیں گھوگھاری محلہ مسجد،کہیں منگلی کندوری مسجد،کہیں مرغا گرین مسجد،کہیں پٹھان واڑی مسجد،کہیں مہندی مسجد اور اسی طریقے سے دہلی میں کہیں نل والی مسجد، کہیں کوٹ والی مسجد اور کراچی میں بھی کئی مساجد عجیب وغریب ناموں سے موسوم ہیں،اسی طرح سے لاہور میں،اسی طرح ہندوستان کے مختلف شہروں میں اس لئے دل میں یہ تقاضا ہوا کہ اگر مساجد کے موجودہ نام بدل کر مساجد کو صحابہ کے نام پر موسوم کر دیا جائے تو بہتر ہے اور آئندہ جو بھی مسجد بنائی جائے اس کو صحابہ کے ناموں کے ساتھ موسوم کرنے کی کوشش کی جائے اور صحابہ میں بدری صحابہ کے نام معروف ومشہور ہیں اس لیے ان ناموں کی طرف دھیان دیا جائے تو بہتر ہے اور بدری صحابہ کے نام بکھرے موتی جلد ششم میں موجود ہیں۔(وہاں دیکھ لیجیے)

۱۱۰ قرآن دونوں جہاں میں ''بس'' ہے

بعض محققین نے یہ بھی لکھا ہے کہ قرآن کی ابتداء(بسم اللہ کی) باء سے ہے اور انتہا سین کے لفظ پر ہے۔مجموعہ ''بس'' ہوا،اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن دونوں جہانوں کے لیے بس ہے۔چنانچہ حکیم سناء نے کہا ۔

اوّل وآخر قرآن زچہ با آمد وسین
یعنی اندر رہِ دین رہبر تو قرآن بس

(تفسیر عزیزی صفحہ ۷۰۲)

۱۱۱ حضور ﷺ کی ذاتی خصوصیات

۱ حضور ﷺ جس طرح سامنے دیکھتے تھے اسی طرح اپنے پیچھے بھی دیکھتے تھے۔

۲ رات کی تاریکی میں ایسا ہی دیکھتے تھے جیسے دن کی روشنی میں دیکھتے تھے۔

۳ آپ ﷺ کا لعاب مبارک کھاری پانی کو میٹھا کر دیتا تھا نیز شیر خوار بچوں کے منہ میں اس کا ایک قطرہ ڈال دینے سے بھی وہ سارے دن کے لیے سیر ہو جاتے تھے چنانچہ عاشورہ کے دن اہل بیت کے بچوں میں اس کا تجربہ ہوا تھا۔

❹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلیں نہایت سفید، نہایت اجلی اور شفاف تھیں ان میں بال نہیں تھے۔
❺ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز اتنی دور جاتی تھی کہ دوسرے کی اس کے دسویں حصے تک نہ جاتی تھی۔
❻ اتنی دور سے آواز سن لیتے تھے کہ دوسرا اتنی دور سے نہیں سن سکتا تھا۔
❼ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سوتی تھیں مگر دل بیدار رہتا تھا۔
❽ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی جمائی نہیں آتی تھی۔
❾ کبھی احتلام نہیں ہوا۔
❿ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ جس راستے سے گذر جاتے اس کی فضاؤں میں مہکتی خوشبو سے لوگ معلوم کر لیتے تھے کہ آپ ادھر سے گذرے ہیں۔
⓫ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کو کبھی کسی نے زمین پر نہیں دیکھا، ان کو زمین نگل لیتی تھی اور وہاں سے مشک کی خوشبو مہکتی تھی۔
⓬ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب پیدا ہوئے تو ختنہ لیے ہوئے، ناف کٹے ہوئے اور پورا جسم ہر طرح کی آلودگی سے پاک صاف تھا، زمین پر سجدہ کرتے ہوئے اور انگلی آسمان کی طرف اُٹھائے ہوئے تھے۔
⓭ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پیدا ہوئے تو ایسا نور چمکا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی والدہ کو اس سے شام کے شہر نظر آئے۔
⓮ فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھولا جھولاتے تھے۔
⓯ چاند جھولے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرتا تھا، آپ جب اس کی طرف اشارہ کرتے تو آپ کی طرف جھکتا تھا۔
⓰ بادل آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کیا کرتا تھا۔
⓱ درخت کے نیچے آتے تو اس کا سایہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو جاتا، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سایہ زمین پر نہیں گرتا تھا۔
⓲ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر کبھی مکھی نہیں بیٹھی۔
⓳ جس جانور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوتے، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوار ہونے کی حالت میں وہ لید اور پیشاب نہیں کرتا تھا۔
⓴ عالم ارواح میں سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کئے گئے۔
㉑ ''اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ'' کے جواب میں سب سے پہلے ''بلیٰ'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔
㉒ معراج صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا۔
㉓ براق کی سواری صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔

۲۴ ''قاب قوسین'' تک پہنچنا اور دیدار الٰہی سے مشرف ہونا آپ (ﷺ) کی خصوصیت ہے۔

۲۵ یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے کہ فرشتوں کے لشکر آپ کے ہمراہ لڑے۔

۲۶ چاند کے دو ٹکڑے کرنا بھی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے۔

۲۷ قیامت کے دن جو کچھ آپ ﷺ کو عطا کیا جائے گا اتنا اور کسی کو عطا نہ ہوگا۔

۲۸ قبر سے سب سے پہلے آپ ﷺ اُٹھیں گے۔

۲۹ صور پھونکے جانے کے بعد سب سے پہلے آپ ﷺ ہوش میں آئیں گے۔

۳۰ آپ ﷺ کو براق پر میدانِ حشر میں لایا جائے گا اس طرح کہ ستر ہزار فرشتے آپ کے دائیں بائیں ہوں گے اور عرشِ عظیم کے دائیں طرف کرسی پر بٹھائے جائیں گے۔

۳۱ آپ ﷺ کو مقامِ محمود سے سرفراز کیا جائے گا۔

۳۲ آپ ﷺ کے ہاتھ میں لواء حمد (حمد کا پرچم) دیا جائے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تمام بنی آدم اُس پرچم تلے جمع ہوں گے، تمام انبیا بھی اپنی اُمتوں سمیت آپ کے پیچھے چلیں گے۔

۳۳ دیدارِ الٰہی کی ابتدا آپ ﷺ سے ہوگی۔

۳۴ شفاعتِ کبریٰ آپ ﷺ کو عطا ہوگی۔

۳۵ پل صراط سے سب سے پہلے آپ ﷺ گذریں گے، نیز سارے محشر والوں کو حکم ہوگا کہ نگاہیں نیچی کرو کہ محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا پل صراط سے گذرنے والی ہیں۔

۳۶ سب سے پہلے جنّت کا دروازہ آپ ﷺ کھولیں گے۔

۳۷ قیامت کے دن آپ ﷺ کو مقامِ وسیلہ سے مشرف کیا جائے گا۔ وسیلہ ایک انتہائی اعلیٰ و بلند مرتبہ ہے جو آپ ﷺ کے علاوہ اور کسی کو عطا نہ ہوگا اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب کا ایسا درجہ حاصل ہوگا جیسے وزیر کو بادشاہ سے ہوتا ہے۔

(تفسیر عزیزی صفحہ ۵۰۴)
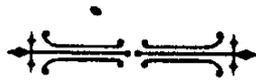
⑪⑫ قرآنِ پاک کے ادب میں یہ داخل ہے کہ اسے جزدان میں رکھا جائے

قرآنِ پاک سے فائدے کا حاصل ہونا اس کی عظمت سے جڑا ہوا ہے، اسے اونچی جگہ رکھا جائے، اس کی طرف پیٹھ نہ کی جائے۔ اس سے زیادہ اونچی جگہ خود نہ بیٹھا جائے وغیرہ۔ کتنی غیرت کی بات ہے کہ خود تو کپڑے پہنیں اور کلام اللہ شریف کو بے لباس کے رکھیں، اپنے لیے اور بچوں کے لیے نیا کپڑا بازار سے لائیں اور کلام پاک کا جزدان قمیص شلوار کے بچے کپڑے ہی سے بنا دیں، خود کے کپڑے ہفتہ میں دو تین بار دھوئیں اور کلامِ الٰہی کا جزدان دھونے کا نمبر برسوں میں بھی نہ آئے۔ اپنی کرسی چارپائی کا پایا ٹوٹ جاتا ہے تو اسے اُلٹا کر کے استعمال نہیں کیا جاتا لیکن قرآنِ پاک کی کرسی (رحل) کا پایا ٹوٹ جائے تو اسے اُلٹا کر کے اسی پر قرآنِ شریف رکھ لیا جاتا ہے اپنا بدن کہیں سے کٹ پھٹ جائے تو فوراً مرہم پٹی کراتے ہیں کلام اللہ شریف کی جلد پھٹے تو اسے بھی تو جلدی درست کرانا چاہیے اپنی بیوی یا دوست کا خط انجان زبان میں آجائے تو پڑھوانے کے لیے جانکار کو تلاش کرتے ہیں بے چین ہو جاتے ہیں کلام اللہ کا ترجمہ اور تفسیر علماء سے سننے کی بھی تو فکر کرنی چاہیے۔

اپنے رشتہ دار کا انتقال ہو جائے تو اسکے کفنانے دفنانے کا فوری انتظام کرتے ہیں قرآنِ پاک کے اوراق جدا ہو جائیں پڑھنے میں نہ آئیں تو کیا انہیں اندھے کنویں میں یا نہر میں چھوڑ دینا یا کسی مسجد میں ڈلوا دینا مناسب ہے؟ اسے بھی نئے کپڑے میں لپیٹ کر خوشبو لگا کر اسی جگہ دفن کرنا چاہیے جہاں کسی کا پاؤں نہ پڑے۔

ہماری چند اہم مطبوعات